زرد چاند
ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

میرا نام فیض محمد بگھیو ہے...... محکمہ وائلڈ لائف کی جانب سے بطور فاریسٹ آفیسر ضلع ٹھٹھہ میں کوٹ عالم کے ایک زیریں علاقے کے ایک ریسٹ ہاؤس میں مقیم تھا۔

اندرون سندھ ان دنوں غیر قانونی طور پر مختلف جنگلی و آبی جانوروں کے شکار کی روک تھام کے لئے متعلقہ محکمہ بڑی مستعدی سے کام کر رہا تھا۔ محکمے کا بنیادی مقصد جنگلی اور آبی حیات کی بقاء کو یقینی بنانا تھا اور اس مقصد کے لئے ورلڈ وائلڈ لائف اور ورلڈ وائلڈ فنڈ فار نیچر کی جانب سے فنڈز بھی فراہم کئے جاتے تھے مگر اہلکاروں کی چشم پوشی کی وجہ سے غیر قانونی طور پر پرندوں جن میں کالے، بھٹ اور سی سی تیتروں، تلور، باز، مور...... اور جانوروں میں پہاڑی بکرے (آئی بیکس)...... چنکارا (لال ہرن) کالے ہرن، غزال، اڑیال، بارہ سنگھا کے علاوہ گوہ کا بھی شکار ہو رہا تھا۔

یہ باتیں مجھے کنزرویٹو سندھ کی طرف سے جاری ہدایت نامے کے ذریعے معلوم ہوئی تھیں۔ میرے ہمراہ اس ریسٹ ہاؤس میں ایک منشی جاڑو خان اور محکمے کے تین اہلکار بھی تھے۔

میں نے ٹنڈو جام یونیورسٹی سے اگریکلچر میں "بی ای" کیا تھا۔ ایک طرح سے یہ علاقہ میرا آبائی گوٹھ بھی تھا۔ میرے بابا جانی خیر محمد بگھیو...... ایک چھوٹے زمیندار تھے۔ میری اماں جانی، بابا جانی کی پہلی بیوی تھیں جو ٹھٹھہ ہی میں رہتی تھیں۔ میری ایک آٹھ، نو سالہ چھوٹی بہن مومل بھی تھی اور اس گوٹھ میں جہاں میں تعینات تھا، بابا جانی کی دوسری بیوی زینب خاتون کا کنبہ تھا، ان کا ایک ہی بیٹا...... یار محمد تھا، وہ مجھ سے تین چار سال چھوٹا تھا۔ بابا جانی کے ساتھ وہ بھی زمینوں وغیرہ

کا کام سنبھالتا تھا۔ بوائی اور کٹائی کے دنوں میں میرے باوا جانی ...... ادھر ہی رہا کرتے تھے۔غرض ان کا ایک پاؤں اس گوٹھ میں تو دوسرا شہر میں ہوتا تھا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں باوا جانی نے اپنی دونوں بیویوں کے ساتھ مساویانہ سلوک روا رکھا تھا۔ میری ماں ایک سیدھی سادی اور گھریلو خاتون تھیں اور کچھ انہی صفات کی حامل میری سوتیلی ماں زینب خاتون بھی تھیں۔ انہوں نے کبھی بھی مجھے سوتیلے پن سے نہیں دیکھا تھا مگر میرا چھوٹا بھائی یار محمد مجھ سے ضرور خائف رہتا تھا اور میں جانتا تھا اس میں زیادہ تر ہاتھ صوبو خان کا تھا۔ وہ یار محمد کا ماموں تھا، انتہائی لالچی، خودغرض اور خطرناک حدتک سازشی ذہنیت کا مالک۔

میرا بچپن اور عنفوانِ شباب کا ابتدائی دور...... اسی گوٹھ میں بیتا تھا، جب میں یہاں بطور فاریسٹ آفیسر تعینات ہو کر آیا تو بچپن کے حوالے سے کچھ یادیں میرے پردۂ شعور میں اجاگر ہونے لگیں۔ وہ ایک صندلی چہرہ ...... معصوم صورت نوری کا تھا...... جس کے ساتھ میرا بچپن اور عنفوان شباب کا کچھ حصہ بیتا تھا۔ میرے باوا جانی نے میری پیدائش کے چند سال بعد ہی دوسری شادی کر لی تھی۔ ان دنوں میری سگی ماں بھی اسی گوٹھ میں رہتی تھی مگر پھر کیا ہوا کہ بابا جانی نے ہمیں شہر منتقل کر دیا۔ اس میں بھی زیادہ تر میرے سوتیلے ماموں صوبو خان کا ہاتھ تھا۔

یوں تو میرے بابا جانی مجھے بھی اپنے ساتھ زمینداری میں لگانا چاہتے تھے مگر میں پڑھ لکھ کر کوئی افسر قسم کی چیز بننا چاہتا تھا۔ شہر کی ہماہمی کی بجائے مجھے جنگلوں اور دورافتادہ گوٹھوں کی پراسرار اور آزاد زندگی زیادہ پسند تھی۔

بہرطور ...... یہاں آتے ہی بچپن کے حوالے سے ''نوری'' کی محبت میرے دل میں ایک دم ہی جاگ اٹھی تھی۔ لہٰذا اپنے یہاں آبائی گوٹھ میں بطور فاریسٹ آفیسر کے متعین ہوتے ہی ...... میرا جی بڑی شدت کے ساتھ نوری کو تلاش کرنے کے لئے بے چین سا ہونے لگا۔ وہ تھی ہی ایسی نازک اندام، سندر سجل اور معصوم سی لڑکی ...... جس کی تصویر دل کے عمیق گوشوں میں چسپاں تھی لیکن ...... کوٹ عالم کے اس دور افتادہ دیہات کے اس قدیم طرز تعمیر کے حامل ریسٹ ہاؤس میں قیام کرتے ہی میں کچھ مسئلوں کا شکار ہو گیا تھا۔

اس سرد ٹھٹھرتی رات میں ...... جاڑو خان اور میں بلند چھت والے ایک کمرے میں سلگتے ہوئے آتش دان کے قریب کرسی پر براجمان چائے پینے کے ساتھ ساتھ ان مسئلوں پر گفتگو کر رہے تھے۔ جاڑو خان عمر میں مجھ سے بڑا تھا اور خاصا جہاندیدہ انسان بھی ...... ایک منشی ہونے سے قطع نظر وہ میرا مخلص دوست بھی تھا۔

پچھلے دنوں اطراف کے گھنے جنگلات میں غیر قانونی طور پر لکڑی کی چوری کی وارداتیں ہو رہی تھیں ...... مگر ان میں سب سے زیادہ اہم اور توجہ طلب بات ان پراسرار کھودے جانے والے گڑھوں کی تھی جو جنگل کے مختلف حصوں میں رات کی تاریکی میں کھودے جاتے تھے جنہیں بعد میں کوئی خفیہ مقصد پورا کرنے کے بعد برابر کر دیا جاتا تھا...... تاکہ کسی کو کھدائی کا بھی شبہ نہ ہو سکے ...... مگر یہ پراسرار کارروائی چھپی نہیں رہ سکی تھی۔

''جاڑو خان ......! تمہارا کیا خیال ہے یہ حرکت کن لوگوں کی ہو سکتی ہے؟'' بالآخر ذرا دیر کی گھمبیر خاموشی کے بعد میں نے چائے کی ایک چسکی بھرتے ہوئے اس سے پوچھا تو جاڑو خان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''سائیں ......! میرا تو خیال ہے یہ کارروائی انہی لوگوں کی ہو سکتی ہے جو رات کی تاریکی میں درخت کاٹ کر لکڑی چوری کرتے ہیں۔''

''ہرگز نہیں ......!'' میں اس کے چہرے پر بغور نگاہیں جماتے ہوئے بولا تو وہ میری جانب چونکتی ہوئی نظروں سے تکنے لگا پھر اسی لہجے میں بولا۔ ''تو پھر ...... سائیں آپ کا کیا خیال ہے۔ یہ گڑھے ...... کون کھودتا ہے؟''

''یہ کسی دوسرے ہی لوگوں کا کام معلوم ہوتا ہے جس کا کھوج بھی ہمیں لگانا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔

''لیکن سائیں لکڑی چوری کرنے کی تو بات سمجھ میں آتی ہے مگر یہ گڑھے کس مقصد کے لئے کھودے جاتے ہیں۔'' جاڑو خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

پھر میں تائید طلب لہجے میں اس سے مستفسر ہوا۔ ''میرا تو خیال ہے کہ لکڑی کی چوری میں یہاں کے بااثر وڈیرے آچر خان کا ہاتھ ہے لیکن ...... وہ پراسرار

گڑھے......؟'' میں سوالیہ لہجے میں کہتے کہتے خاموش سا ہو گیا۔

ہم دونوں ہی چونکے کیونکہ یہ وقت جنگل میں ہماری مہم جوئی کا تھا۔ ہم دونوں چائے ختم کر چکے تھے۔ ہمارا ارادہ رات کی تاریکی میں جنگل کی طرف نکلنے کا تھا۔ ہمیں امید تھی کہ جب تک خود ہاتھ پاؤں نہیں ہلائیں گے دال نہیں گلے گی مگر باوجود اس کے گھاگ جاڑو خان کا خیال تھا کہ اگر ہم نے کچھ چوروں کو دھر بھی لیا تو ......اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ لکڑی چوری کرنے والے جو کوئی بھی تھے ان کی پشت پر یقیناً کسی بااثر شخص کا ہی ہاتھ ہو سکتا تھا جو ہمارے لئے بعد میں مشکلات بھی کھڑی کر سکتا تھا مگر مجھے تو ان پراسرار لوگوں کا کھوج لگانا تھا جو رات کی تاریکی میں نجانے کس مقصد کے تحت مختلف مقامات پر زمین کھود کر بعد میں اسے بھر دیا کرتے تھے۔

ہمیں جنگل کی چوکی پر تعینات گارڈوں پر بھی شبہ تھا کہ وہ لوگ بھی دانستہ چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے کان دبائے ہوئے تھے۔ بہرطور میری ہدایت کے مطابق جاڑو خان میرا ہر طرح کا ساتھ دینے پر تیار تھا۔

ریسٹ ہاؤس کے عقبی دروازے سے نکلتے وقت میں نے اپنی جاجر میں اڑسا ہوا پستول نکال لیا تھا۔ ہم دونوں نے سیاہ شالیں اوڑھ رکھی تھیں اور اندر ہم گرم کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ باہر غضب کا جاڑا اترا ہوا تھا اور اندھیری رات میں سردی کا احساس بھی کچھ زیادہ ہی ہو رہا تھا۔ آسمان صاف ہونے کی وجہ سے تاروں کی روشنی میں ہمارے مدھم سائے بڑے پراسرار معلوم ہو رہے تھے۔ ہمیں جنگلی کتوں اور دیگر جانوروں کا خطرہ نہیں تھا ......لیکن احتیاطاً جاڑو خان نے ہنٹر نما چابک اور ٹارچ ساتھ لے لی تھی ......مگر ٹارچ کی روشنی اس نے گل کر رکھی تھی۔

پھر ہم دونوں جنگل کی طرف ہو لئے ...... دریائے سندھ کی طرف سے آنے والی ہواؤں میں بھی بڑی کاٹ تھی۔ جنگل میں ہر سو سناٹے کا راج تھا، کبھی کسی الو کی ٹھٹھرتی ہوئی آواز سماعتوں کو چیر دیتی تھی۔

ہم کافی دیر تک تاریک جنگل میں متلاشی نگاہوں اور کسی متوقع گوش بر آوازوں پر سماعتوں کے ساتھ ''راؤنڈ'' لگاتے رہے ......مگر ہمیں کسی بھی حصے سے

کوئی مشکوک آواز سنائی نہیں دی۔ پھر جب ہم دونوں نے مایوس ہو کر واپس ریسٹ ہاؤس چلنے کا قصد کیا تو ...... معاً جاڑو خان میرے ساتھ چلتے ہوئے ٹھٹک کر رک گیا۔ میں نے اس کے اچانک رکنے سے اندازہ لگایا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں بھی اس سے کچھ پوچھے بغیر سن گن لینے کی کوشش کرنے لگا۔ تب میری سماعتوں میں وقفے وقفے سے کچھ کھردری سی آوازیں سنائی دیں۔

''سائیں......! آپ نے کچھ سنا......!'' جاڑو خان نے سرگوشی میں کہا تو میں نے بھی ہمہ تن گوش بر آواز ہوتے ہوئے ہولے سے کہا۔ ''ہاں......! کچھ آوازیں تو آ رہی ہیں۔''

''سائیں مٹھا......! کوئی زمین کھود رہا ہے ...... یہ کدال چلانے کی آوازیں ہیں۔'' جاڑو خان نے سنسنی خیز لہجے میں سرگوشی کی اور میں ٹھٹک سا گیا۔

غور کرنے پر ان پراسرار آوازوں کے آہنگ سے مجھے بھی یہ اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ یہ کدال چلنے کی آواز تھی اور یہ آواز جنگل کی شمالی سمت کی طرف سے آ رہی تھی۔

جاڑو خان مجھ سے محتاط لہجے میں بولا۔ ''سائیں......! میرے ساتھ آؤ۔'' یہ کہتے ہوئے وہ آواز کی سمت بڑھ گیا اور میں بھی اس کے عقب میں ہو لیا۔

جاڑو خان کے ساتھ ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے میرا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ بلاشبہ جن ارادوں کا ہم نے تہیہ کر رکھا تھا اس میں ہماری جانوں کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا مگر میری جیسی ایڈونچر طبیعت کچھ جاڑو خان نے بھی پائی تھی لہٰذا ہم دونوں اس کی پرواہ کئے بغیر آواز کی سمت بڑھے چلے جا رہے تھے۔

کچھ فرلانگ آگے چلنے کے بعد ہم ایک لئی کے جھنڈ تلے ٹھٹک کر رک گئے۔ سامنے ستاروں کی ٹمٹماتی روشنی میں کیکر اور آسریں کے درختوں تلے ہمیں کچھ سائے نظر آئے۔ ان پراسرار سایوں کی تعداد پانچ کے قریب تھی۔ وہ سب موٹی موٹی گرم چادروں میں چھپے ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے ہاتھوں میں کدالیں اور پھاوڑے پکڑ رکھے تھے جن کی مدد سے وہ زمین کی کھدائی کر رہے تھے۔

''اب کیا کریں سائیں مٹھا......؟'' جاڑو خان اپنے مخصوص لہجے میں ہولے

سے مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔

''میرا خیال ہے ...... ابھی دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ کیا تم ان کو پہچاننے کی کوشش کر سکتے ہو؟'' میں نے کہا تو جاڑو خان نے نفی میں سر ہلایا تاہم نیچی آواز میں بولا۔ ''کوشش تو کر رہا ہوں ...... لیکن مشکل ہے۔''

ادھر وہ پانچوں پراسرار ہیولے اس بات سے بے خبر کہ ...... ہماری چار آنکھیں مسلسل ان پر مرکوز تھیں۔ اپنے ''کام'' میں مگن تھے۔

وہ کافی دیر تک اپنے کام میں مصروف رہے۔ وہ کھدائی کے دوران ذرا دیر کو ستا بھی لیتے تھے۔ بھاری کدالیں پھاوڑے چلاتے ہوئے ان کے جسموں سے موٹی گرم چادریں بھی سرک گئی تھیں مگر باوجود اس کے ان کے چہروں کے نقوش غیر واضح تھے۔

پھر دفعتاً ہی یوں ہوا کہ ایک جانب سے ایک بھاری بھرکم شخص گرم شال کی بکل مارے جانے کہاں سے نمودار ہوا، اس کے ہمراہ مزید چار افراد تھے۔

انہوں نے بھی اپنے کاندھوں پر کدالیں اور پھاوڑے اٹھا رکھے تھے۔ وہ تھکے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ لوگ بھی کہیں سے کھدائی کر کے لوٹے تھے۔

''جاڑو خان یہ موٹا شخص کون ہے۔ جو خالی ہاتھ ہے؟'' معاً میں نے جاڑو خان کی توجہ اس بھاری بھرکم شخص کی جانب مبذول کرواتے ہوئے پوچھا۔

تاہم خود میں نے بھی اپنی نظریں اسے پہچاننے کی غرض سے اس پر مرکوز کر رکھی تھیں مگر ہم دونوں کو ہی اس شخص کو پہچاننے میں سردست ناکامی ہوئی۔

بہرطور ...... ہم خاموشی سے ان کی یہ پراسرار کارروائی دیکھتے رہے۔ ان لوگوں نے اب شاید اپنا کام مکمل کر لیا تھا۔

اتنے میں ایک اور شخص چادر اور اجرک کی بکل مارے ...... ہاتھ میں لالٹین اٹھائے وہاں نمودار ہوا اور بھاری بھرکم شخص کے درمیان دھیمی آوازوں میں گفتگو ہوتی رہی۔ وہ دونوں باتوں کے دوران اپنے سر کو نفی کے انداز میں جنبش دے رہے تھے۔ پھر جانے کیا ہوا کہ ذرا ستانے کے بعد ان لوگوں نے ...... جلدی جلدی

کھودے ہوئے گڑھوں کو دوبارہ مٹی سے بھرنا شروع کر دیا۔ اپنا کام ختم کرنے کے بعد ...... وہ واپس جانے لگے تو میں نے سرگوشی میں جاڑو خان سے کہا۔ ''ہمیں ...... ان کا تعاقب کرنا ہوگا۔'' میری بات سن کر اس نے فوراً اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

پھر ہم دونوں نہایت ہوشیاری کے ساتھ ان کے تعاقب میں ہو لئے۔ تاریک رات دبے پاؤں سرک رہی تھی۔ وہ پُراسرار افراد چادروں میں ملفوف ...... کدالیں اور پھاوڑے کاندھوں پر دھرے تعاقب سے بے خبر چلے جا رہے تھے۔ اب وہ اسی پگڈنڈی پر چل رہے تھے جو سیدھی گوٹھ کے کچے پکے گھروں کی طرف جاتی تھی۔

جنگل سے نکلتے ہی ...... کھجوروں کے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں سے جو مزدور قسم کے افراد تھے وہ سب دوسری طرف کو نکل گئے جبکہ وہ لالٹین بردار اور موٹا شخص اب تنہا آگے چلے جا رہے تھے۔ ہم دونوں برابر ان کے تعاقب میں تھے حتیٰ کہ گوٹھ کے بے ترتیب گھروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ٹیڑھی میڑھی گلیوں میں ویرانی اور گھمبیر سناٹے کا راج تھا۔

پھر دفعتاً میں بری طرح چونکا۔ وہ دونوں اب ایک ایسے پختہ مکان کے سامنے کھڑے تھے جو میرے سوتیلے ماموں صوبو خان کا تھا۔

تب میں نے ایک نئے زاویے سے ان دونوں کو پہچاننے کی کوشش کی تو مجھے ان کے شناسا ہونے کا گمان ہونے لگا۔ مکان کے ساتھ ہی اوطاق کا دروازہ تھا جو باہر سے مقفل تھا۔ اس موٹے شخص نے چادر کے اندر سے چابی نکال کر تالے میں گھمائی اور پھر وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔

وہ اپنے عقب میں اوطاق کا دروازہ بند کر چکے تھے۔ میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی تھی۔ میں نے فوراً کچھ سوچا اور پھر جاڑو خان کو گلی کے ایک کونے میں ہی دبکے رہنے کی تاکید کرتے ہوئے آہستہ روی کے ساتھ اوطاق کی طرف بڑھ گیا۔ اوطاق کا دروازہ بند تھا۔ میں نے اطراف کے پرسکوت اور ویران ماحول پر ایک نظر ڈالنے کے بعد نہایت ہوشیاری کے ساتھ اوطاق کے دروازے کی متوازن جھریوں پر کان لگا دیئے ...... تو اندر سے باتیں کرنے کی آواز سن کر میں

بری طرح ٹھٹک گیا۔

ان دونوں کو اب میں آواز کے ذریعے پہچان چکا تھا۔ ان میں ایک تو میرا سوتیلا ماموں صوبو خان ہی تھا جبکہ دوسرا میرا چھوٹا سوتیلا بھائی یار محمد تھا۔

یہی وہ صوبو خان تھا...... جس کی وجہ سے ہمارے گھر میں ناچاقیاں رہتی تھیں حالانکہ میری سوتیلی ماں زینب خاتون جو صوبو خان کی چھوٹی بہن تھی، ایک سیدھی سادی خاتون تھی مگر یہ شخص اسے ورغلاتا رہتا تھا۔

صوبو خان ایک ادھیڑ عمر کا بھاری بھرکم شخص تھا۔ میں ان دونوں کی باتیں سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ماما سائیں......! کادو جکھرانی کی لاش تو نہیں مل رہی...... آج پورے سولہ دن ہو چکے ہیں، ہمیں کھدائی کرتے ہوئے......'' یہ یار محمد کی آواز تھی جس کی بات سن کر میں سن ہو کر رہ گیا تھا۔

مجھ پر اب یہ بات آشکارا ہونے لگی تھی کہ یہ پراسرار گڑھے اور کسی مقصد کے تحت کھودے جا رہے تھے۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ پھر ہمہ تن گوش ہو گیا۔ جواباً صوبوں خان کی کھرکھراتی آواز ابھری۔ ''یارو...... تو نے تو ابھی سے ہمت ہار دی۔ ابھی تو ہم نے آدھا جنگل بھی پوری طرح نہیں کھودا ہے۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا ماما سائیں......'' یار محمد کی آواز ابھری۔ ''میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ...... میرو بھنگ موالی نے ہم سے جھوٹ بولا ہو......؟ خواہ مخواہ ہم اتنی محنت کریں اور حاصل کچھ نہ ہو...... خطرہ الگ مول لے رہے ہیں ہم......''

''میرو ہم سے جھوٹ نہیں بول سکتا وہ سائیں دادن شاہ کا خاص ماڑو (آدمی) ہے...... اور رہی خطرے والی بات تو ہمیں گرتی (فکر) کی کوئی ضرورت نہیں آخر کو...... تیرا وڈا ادا سائیں...... فیض محمد ادھر کا فاریسٹ آفیسر ہے۔ مجھے یقین ہے وہ ہمارے کام میں ٹانگ نہیں اڑائے گا۔''

یہ صوبو خان تھا۔ اس کے کھرکھراتے لہجے سے عیاری جھلک رہی تھی۔ مجھے اس کی آخری بات پر بڑا طیش آیا تھا...... مگر میں چونکہ ان کے پراسرار اور خفیہ

ڈرامے سے پردہ اٹھانا چاہتا تھا...... لہٰذا خاموشی سے کان دروازے پر لگائے ہوئے تھا۔ تب یار محمد انتہائی نخوت آمیز لہجے میں بولا۔ ''چھوڑو ماما سائیں...... وڈے ادا سائیں کو...... وہ تو سرکار کا نوکر جب سے بنا ہے اپنے آپ کو پتہ نہیں کیا سمجھتا ہے۔ اسے تو مجھ سے خاصا بیر ہے...... وہ الٹا ہمیں ہی پھنسوانے کی کوشش کرے گا۔''

مجھے اپنے بھائی کی بات سن کر دکھ ہوا۔ میرے خلاف اس کے دل میں غلط فہمی ڈالنے والا ابھی مکار صوبو خان تھا۔

اتنے میں اچانک کہیں کتے کے زور سے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ میں بری طرح ٹھٹک گیا۔ کتے کی آواز قریب سے ہی آئی تھی۔ میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ کتے کے اس طرح اچانک بھونکنے سے وہ دونوں چوکنا ہو سکتے تھے پھر، گلے ہی لمحے اندر چارپائی کے زور سے چرچرانے کی آواز ابھری۔ میرا شک یقین میں بدل گیا تھا۔ اندر ان دونوں میں سے اٹھ کر کوئی دروازے کی طرف آ رہا تھا۔

میں پھرتی کے ساتھ واپس پلٹ گیا۔ ادھر کم بخت کسی کونے کھدرے میں بیٹھا ہوا کتا...... جو شاید مجھے دیکھ کر ہی بھونکا تھا۔ بھونکتا ہوا میری طرف لپکا۔ میرے تو اوسان خطا ہو گئے۔ کتا ابھی مجھ سے ذرا دور تھا۔ اس کی وجہ سے صوبو خان یا یار محمد میری طرف متوجہ ہو سکتے تھے لیکن میں جیسے ہی گلی کے سرے پر مڑا جدھر چاڑو خان میرا منتظر تھا، وہ مخدوش صورت حال پر کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے انتہائی پھرتی کے ساتھ ایک پتھر اٹھا کر کتے کی طرف کھینچ مارا۔ ہم دونوں نے ڈھینگروں کی طرف رخ کر لیا اور پھر وہاں سے کنڈ باوری کی جھاڑیوں سے الجھتے ہوئے جنگل میں داخل ہو گئے۔

◆✿◆

''چلو سائیں مٹھا ایک بات کا تو پتہ لگا کہ یہ پراسرار گڑھے کھودنے والے صوبو خان اور...... یار محمد ہیں...... لیکن کادو جکھرانی کی لاش سے ان کا کیا تعلق ہے جس کی تلاش کی خاطر وہ پورے جنگل کی کھدائی کر رہے ہیں۔''

جنگل سے واپسی پر جب ہم دونوں ٹھٹھرتے اور تھکے ہارے...... ریسٹ

ہاؤس پہنچے تو میں نے جاڑو خان کو یار محمد اور صوبو خان کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا دیا تھا۔ ہم ایک بار پھر کمرے کی گرم فضا میں آتشدان کے قریب کرسیوں پر براجمان تھے۔

جب جاڑو خان سبز چائے بنا کر قریب کی کرسی پر بیٹھا تو ...... اس نے گفتگو کی ابتداء کرتے ہوئے کہا تھا۔

اس وقت رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا، میں نے جاڑو خان کی بات سنی اور بولا۔

''اسی بات پر تو مجھے بھی حیرت ہے کہ...... کا دوجکھرانی کی لاش کو حاصل کرنا ان کے لئے اتنا اہم کیوں ہے جس کے لئے وہ ٹھٹھرتی راتوں میں جنگل کے مختلف مقامات کی کھدائی کرتے پھر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے ...... اگر وہ کم بخت کتا درمیان میں نہیں بھونکتا تو یقیناً اس راز سے بھی پردہ اٹھ جاتا۔'' میں نے آخر میں اس مردود کتے کو کوسا۔

جاڑو خان نے چائے کی دو تین چسکیاں بھریں ...... کپ قریب تپائی پر رکھا۔ پھر اٹھ کر اس نے لکڑی کے چند بڑے بڑے ٹکڑے اٹھا کر مدھم ہوتے آتشدان میں پھینکے پھر ادھ جلی لکڑیوں کو اِدھر اُدھر حرکت دینے کے بعد وہ دوبارہ اپنی جگہ پر آن بیٹھا۔ آتشدان کی آگ اب تیز ہوگئی تھی۔ بلند چھت والے اس قدیم ریسٹ ہاؤس کی پرسکوت گرم فضا میں آتشدان کے اندر سلگتی لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز وقفے وقفے سے گونجنے لگی۔

میرے خیالات کی سوئی ابھی تک اس لاش پر اٹکی ہوئی تھی۔ مجھے خیالات میں منہمک دیکھ کر جاڑو خان پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''چھوڑو سائیں! میرا خیال ہے آپ اب آرام کریں ...... جہاں اتنا کچھ معلوم ہو چکا ہے وہاں اس لاش کے راز سے بھی پردہ اٹھ ہی جائے گا۔'' اس کی بات سن کر میں اپنی سوچتی نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز کرتے ہوئے اپنے سر کو ہولے ہولے جنبش دینے لگا۔

◆❁◆

اگلے دن صبح ساڑھے نو بجے میری آنکھ کھلی تو کمرے کی جنگل کے رخ پر کھلنے والی کھڑکی سے پرندوں کی مسحور کن چہچہاہٹ میرے کانوں میں رس گھولنے لگی۔

میری خاص تاکید کے مطابق کھڑکی کے دونوں پٹ صبح نو بجے ہی وا کر دیئے جاتے تھے۔ چاہے جتنی ہی سردی کیوں نہ ہو۔ ہم گرمیوں کے ستائے ہوئے لوگ تھے۔ بھلا ہمارا یہ دو، تین مہینوں کی سردیاں کیا بگاڑ سکتی تھیں۔

صبح صبح کھڑکی کے راستے آتی ہوئی پرشور جنگل کی مدھم مدھم گونج مجھے بھلی لگتی تھی۔ اس وقت چمکیلی دھوپ کھڑکی کے راستے اندر آ رہی تھی۔ صبح کو اتنا سردی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ میں بستر سے اٹھا ...... آدھے گھنٹے میں تیار ہو کر ناشتے سے فارغ ہوا اور صرف اپنے ہمراہ جاڑو خان کو ساتھ لیا اور جنگل کی مشرقی چوکی کی طرف چل دیا۔ مجھے ایک سفید رنگ کی جیپ ملی ہوئی تھی۔ میں چوکی پر پہنچا وہاں موجود تین عدد گارڈ نے میرا مؤدبانہ استقبال کیا میں نے انہیں چوکس رہنے کی ہدایت کی اور پھر وہاں سے گوٹھ کی طرف ہولیا۔

جیپ میں خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں سب سے پہلے سیدھا اپنی آبائی حویلی ''بکھیو لاج'' پہنچا۔ باوا جانی آج کل حویلی میں ہی تھے۔ میں جاڑو خان کو اوطاق میں بٹھا کر اندر حویلی میں گیا۔ میری ملاقات ماں (سوتیلی) سے ہوئی۔ میں نے روایتی انداز میں ان کو سر پہ ہاتھ رکھ کر سلام کیا۔ ''بسم اللہ پٹ ...... بسم اللہ بھلی کرے آیو......'' انہوں نے حسب معمول میرا استقبال کیا۔ انہوں نے کڑھائی والی گرم شال اوڑھ رکھی تھی۔

''امڑ جیجی ......! تو خوش تو ہے نا ...... بابا سائیں کدھر ہیں۔'' میں نے اپنی نظریں نیچی کر کے ادب سے پوچھا۔

''ہا پٹ......! میں تو چاک ہوں ...... تیرے بابا اندر کمرے میں ہیں۔'' انہوں نے شفقت سے جواب دیا اور پھر میں بابا کے کمرے میں گیا۔ وہ اپنی مسہری پر نیم دراز حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ وہ پچاس پچپن کے پیٹے میں تھے۔ چہرے پر ہلکی سی نیلگوں سفید داڑھی تھی جو ان کے سرخ و سفید چہرے پر خاصی جچ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ مسہری سے اٹھنے لگے تو میں نے فوراً آگے بڑھ کر انہیں اٹھنے کی زحمت سے بچاتے ہوئے سلام کیا۔ ''سلام بابا سائیں...... آپ لیٹے رہیں ...... میں یہیں بیٹھ جاتا ہوں آپ کے پاس......'' یہ کہتے ہوئے میں ان کی پائینتی کی طرف بیٹھ

گیا۔

''خوش رہ میڈا پٹ......! کیسا ہے تو......؟'' انہوں نے ازراہ شفقت میرے سر پہ ہاتھ پھیر کر کہا تو میں مؤدبانہ بولا۔''میں ٹھیک ہوں بابا سائیں......! آپ بتائیں کیسے ہیں؟''

انہوں نے ایک ہنکاری بھری۔ حقے کی نے تھامی اور پھر ایک گڑگڑی بھرنے کے بعد بولے۔''بس پٹ ...... زمینوں کے مسئلے ہی ختم نہیں ہوتے ...... سوچا تھا بٹائی کے بعد ٹھٹھے روانہ ہو جاؤں گا مگر......'' انہوں نے دانستہ اپنی بات ادھوری چھوڑی تو میں ازراہ تشویش ان سے مستفسر ہوا۔''کیوں بابا سائیں ...... خیر تو ہے نا......''

''ہاں فیضے ......! خیر ہی ہے ......بس یہ بٹائی والا مرحلہ ...... ذرا ......مشکل ہوتا ہے۔ پہلے تو یہ کام یار محمد سنبھال لیتا تھا مگر ''رہاک'' اس کا کچھ زیادہ ہی گلا (شکایت) کرنے لگے ہیں کہ انہیں ...... حصے میں کم ان (اناج) ملتا ہے۔'' انہوں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا تو میں قدرے حیرانگی سے بولا۔''بابا سائیں......! کیا واقی ادا یار محمد ایسا کرتا ہے!''

میری بات پر انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔''ظاہر ہے...... وہ ایسا کرتا ہی ہوگا تو یہ شکایت آئی ہے نا ...... ورنہ بے چارے یہ غریب ہاری ...... ایسے ہی تو جھوٹ نہیں بولیں گے۔'' ان کے دل میں روایتی وڈیروں والی نخوت یا سخت دلی نہ تھی۔ وہ کسی کا بھی دل نہیں دکھاتے تھے اور نہ ہی ان کا حق مارنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا کہنا تھا کہ ان غریبوں کی بددعا قلعہ جیسی مضبوط حویلیوں کو بھی ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ میں نے یونہی اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی یار محمد کی حمایت میں کہا۔''چھوڑیں بابا سائیں ...... یہ اڈا یار محمد کے بارے میں ایسے ہی جھوٹ بولتے ہوں گے۔''

''ہرگز نہیں ...... میڈا پٹ......'' بابا فوراً میری بات کی نفی کرتے ہوئے بولے۔''میں نے خود دیکھا ہے کہ ہمارے گودام میں پوری ڈیڑھ من ساریوں (چاولوں) کی بوریاں زیادہ ہیں۔ میں نے حساب لگایا تھا کہ یہ فصل اترنے کے

حساب سے زیادہ ہیں۔ میں نے یار محمد پٹ سے بھی اس بارے میں پوچھا تھا۔ اُس نے بھی اعتراف کیا تھا کہ اس بار اس نے رہاکوں کو کم حصہ دیا ہے۔ وجہ یہی بتائی تھی کہ رہاک کام چور ہو گئے ہیں۔ اب فیض محمد تم ہی بتاؤ...... وہ کام چور ہیں تو اتنا گندم کس طرح اترا ہے پھر......''

بابا سائیں کی صراحت بھری مدلل گفتگو نے مجھے خاموش کر دیا۔ بہرطور میں موضوع بدلتے ہوئے بولا۔''اچھا بابا چھوڑو اس بات کو ...... یہ بتائیں آپ کی طبیعت تو ٹھیک رہتی ہے نا......'' میری بات کو وہ صرف نظر کرتے ہوئے پھر یار محمد کے بارے میں بولے۔''یار......! تو ہی اسے سمجھا، وہ ان غریبوں کے ساتھ ایسا نہ کرے۔ مجھے برا ڈر لگتا ہے ان غریب ہاریوں کی بددعاؤں سے۔''

لگتا تھا وہ آج یار محمد کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔ ویسے ان کی بات مجھے درست محسوس ہو رہی تھی۔ یار محمد ایسی ہی طبیعت کا مالک تھا۔ اکھڑ مزاج اور غصیلا۔ اکثر میں نے خود بھی اسے رہاکوں کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے ہوئے دیکھا تھا۔ ایک بار میں نے اسے ایسا کرنے سے منع بھی کیا تھا مگر اس نے بڑی نخوت کے ساتھ بڑی بدتمیزی سے جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔''ادا سائیں......! تم خود کو سرکاری کی نوکری تک ہی محدود رکھو تو اچھا ہے ...... ان رہاکوں کی ہڈحرامی سے تم واقف نہیں ہو......اور نہ ہی یہ زمینداری تمہارے سمجھنے کی چیز ہے۔''

اس کے بعد میں نے اسے منہ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب بابا سائیں نے یار محمد کا موضوع چھیڑا تو میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی تھی مگر لگتا تھا کہ یار محمد کی رہاکوں کے ساتھ چیرہ دستیاں عروج پر پہنچ چکی تھیں کیونکہ تھوڑی دیر بعد بابا سائیں نے مجھے اس کے مزید کرتوتوں کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے کہا۔''اور تو اور اب تو وہ زمینوں پر مشقت کرنے والی رہاک عورتوں کے ساتھ بھی بدتمیزی کرنے لگا ہے۔''

بابا سائیں کی بات نے مجھے چونکا دیا۔ یہ بڑے شرم کی بات تھی ...... تب مجبوراً مجھے بابا سائیں کی بات سے اتفاق کرنا پڑا اور ازراہ تشویش آمیز تاسف کے ساتھ بولا۔''اچھا بابا سائیں......! یہ تو واقعی بری بات ہے۔ اڈا یار محمد کو ایسا نہیں

کرنا چاہئے۔'' میں نے یہ کہتے ہوئے بابا سائیں کے باریش چہرے کی طرف دیکھا تو وہاں مجھے پریشانی کے آثار صاف نظر آتے محسوس ہونے لگے۔ پھر جب وہ دوبارہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولے تو ان کے لہجے میں ازحد پریشانی کے ساتھ تشویش بھی تھی۔ ''کل تو اس نے حد ہی کر دی ...... کسی مجو ہاری نامی کی جوان بیوی اللہ وسائی کے ساتھ دست درازی کی بھی کوشش کی تھی۔ اب سنا ہے مجو کلہاڑی ہاتھ میں لئے یار محمد کو ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔

اُس اطلاع پر میں بری طرح چونکا تب پھر بابا سائیں نے میری طرف دیکھتے ہوئے مجھ سے بھی گلا کر ڈالا اور بولے۔ ''تمہیں اپنی نوکری سے فرصت ملے تو کچھ میری طرف دھیان دو نا ...... یہاں کیا ہو رہا ہے۔ تمہیں اس کی ذرہ برابر پرواہ نہیں۔ جب سے میں نے یہ بات سنی ہے میری نیند ہی اڑ گئی ہے۔ میرے سامنے تو یار محمد آتا بھی نہیں ہے۔ لے دے کے اس کی ماں پر ہی غصہ نکالتا ہوں۔''

بابا سائیں کی بات سن کر میں اپنا دل مسوس کر رہ گیا۔ وہ اب مجھے پہلی بار بوڑھے اور کمزور کمزور سے نظر آنے لگے۔ میں فوراً اپنی جگہ سے سرک کر ان کے سرہانے آ گیا اور ان کے کاندھے پر محبت سے ہاتھ دھرتے ہوئے تشفی آمیز انداز میں بولا۔ ''بابا سائیں ......! ایسی بات نہیں ...... میں تو اس لئے بے فکر تھا کہ یار محمد آپ کے ساتھ زمینوں کے معاملے میں بخوبی آپ کا ہاتھ بٹا رہا ہے لیکن آپ بالکل پریشان نہ ہوں بابا سائیں ...... میں خود نہ صرف یار محمد کو سمجھاؤں گا بلکہ مجو ہاری سے بھی ملنے کی کوشش کر کے اس سے ادا کی طرف سے معافی مانگ لوں گا۔ آپ اب اپنے دل پر زیادہ بوجھ نہ لیں۔''

میں نے دیکھا میری بات سے بابا سائیں کو کافی ڈھارس ہوئی تھی۔ پھر جب میں وہاں سے رخصت ہونے لگا تو بابا بولے۔ ''پٹ ...... یہ بھی تمہارا گھر ہے کبھی یہاں بھی رات کو رہ جایا کرو۔''

''ہاں بابا سائیں! لیکن آپ تو جانتے ہی ہیں آج کل جنگل میں غیر قانونی طور پر لکڑیوں کی کٹائی ہو رہی ہے اور یہ ہوتی بھی راتوں میں ہے۔ میری سرکاری ریسٹ ہاؤس میں موجودگی سے ذرا ایسی چوریوں میں کمی واقع ہوئی ہے۔'' میں نے

جواز پیش کرتے ہوئے ملائمت سے کہا پھر مزید بولا۔ ''بابا سائیں! پر آپ ایسا کرنا اپنے کسی آدمی کو ابھی میرے پاس ریسٹ ہاؤس بھیج دینا۔ اس کے ساتھ میں مجو ہاری کے گھر جاؤں گا ...... میں چاہتا ہوں یہ کام ابھی نمٹ جائے ...... ورنہ یار محمد بھی تیز مزاج ہے، ایسا نہ ہو کہ ان دونوں کے درمیان بات مزید بگڑ جائے۔

''ٹھیک ہے میڈا پٹ! میں اپنے کمدار مولا بخش کو بھیج دوں گا تیرے پاس......'' بابا سائیں نے کہا اور پھر میں انہیں سلام کر کے رخصت ہو گیا۔

◆۞◆

جب میں اپنے ریسٹ ہاؤس پہنچا تو ایک ملازم نے مجھے اطلاع دی کہ گیسٹ روم میں ایک شخص میرا منتظر ہے۔ میں جاڑو خان سمیت کمرے میں آ گیا۔ سامنے صوفے پر ایک دبلا پتلا اور سانولی رنگت کا شخص بیٹھا نظر آیا۔ وہ چالیس سے اوپر کا ہو گا۔ شلوار قمیض کے اوپر اس نے سیاہ رنگ کا کوٹ اور کاندھے پر اجرک ڈال رکھی تھی۔ گول عدسوں والی عینک اس کی لمبی اور گدھ کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی ناک پر اٹکی ہوئی تھی۔ اس کی بغل میں ایک رجسٹر بھی دبا ہوا تھا۔

میرے اندر داخل ہوتے ہی اس کے لمبوترے سیاہ رو چہرے پر خوشامدی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''سلام علیکم سائیں بھوتار ...... میڈا ناں ...... منشی پیرل ہے۔''

وہ جتنا دبلا پتلا تھا اس کی آواز اس سے بھی زیادہ باریک تھی تاہم میں اس کے ''بھوتار ......'' کہنے پر ذرا خائف سا ہو کر بولا۔ ''...... میرا نام فیض محمد ہے، منشی صاحب ...... مجھے ''بھوتار'' کے لفظ سے سخت چڑ ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سامنے کے صوفے پر میں خود بھی براجمان ہو گیا۔

جاڑو خان میرے عقب میں کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی نگاہیں بغور منشی پیرل نامی اس شخص پر مرکوز تھیں جس کے چہرے پر ہنوز مکارانہ مسکراہٹ کی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں اور وہ اُسی لہجے میں مجھ سے بولا۔ ''نا سائیں نا ...... بھلا وڈے سائیں خیر محمد بگھیو صاحب کو کون نہیں جانتا ...... وہ بھی علاقے کے وڈے زمیندار ہیں۔ پورا تر

آپ کے بابا سائیں کو جانتا ہے...... ہم بھی ان کے پرانے بندے ہیں۔''

''انسان صرف اللہ کا بندہ ہوتا ہے اور بس......'' میں نے گہری متانت سے کہا اور اس کے آنے کا مقصد دریافت کیا۔

''سائیں......! ہمارے وڈے بھوتار رئیس آچر خان نے آپ کو یاد کیا ہے اور آپ کو سلام دیتے ہوئے آج اپنی حویلی میں آپ کو دوپہر کے کھانے پر بھی بلایا ہے۔''

کوئی اور وقت ہوتا تو شاید میں وڈیرے آچر خان کی دعوت قبول نہیں کرتا مگر کسی خیال کے تحت میں نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے محض اتنا کہا۔''...... رئیس آچر خان کو میرا بھی سلام کہنا اور اس عزت افزائی کا شکریہ بھی۔ میں شاید کھانے پر تو نہ آسکوں البتہ شام کو کسی وقت چائے ان کی اوطاق میں آکر پی لوں گا۔'' میری بات پر منشی پیرل کے لمبوترے چہرے کے کھلتے ہوئے آثار مزید پھیل گئے اور وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے باچھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔''برابر سائیں ...... یہ بھی بہت ہے...... کچھ تو حویلی کی رونق بڑھے گی۔''

میں نے اسے رخصت کرتے سمے چائے وغیرہ کا پوچھا مگر وہ انکساری سے معذرت کرتے ہوئے اپنے ''بھوتار سائیں'' کو میرے دعوت قبول کرنے کی خوشخبری سنانے وہاں سے فوراً رفو چکر ہوگیا۔

اس کے وہاں سے جاتے ہی ...... میرے قریب کھڑا جاڑو خان مجھ سے قدرے حیرت بھرے لہجے میں بولا۔''کمال ہے سائیں......! آپ نے وڈیرے آچر خان کی دعوت کس طرح قبول کر لی۔''

میں اس کی بات سن کر معنی خیز انداز میں خاموشی سے مسکرانے لگا مگر خاموش رہا۔ وہ دوبارہ جیسے وڈیرے آچر خان کی طرف سے مجھے دی گئی دعوت کی اصل غایت کے بارے میں جانکاری دیتے ہوئے بولا۔''سائیں مٹھا......! آپ کو شاید معلوم نہیں کہ وڈیرا آپ کو کس لئے دعوت پر بلا رہا ہے۔ وہ آپ سے راہ و رسم بڑھانے کی کوشش کرے گا اور پھر...... آپ سے ناجائز شکار کے لئے پرمٹ جاری کرنے کے لئے دباؤ ڈالے گا۔'' جاڑو خان نے اپنے تجربے کے تحت یہ بات

بلاشبہ سو فیصد درست کہی تھی مگر ایسی چال بازیوں سے بے بہرا میں بھی نہ تھا...... لہٰذا میں معنی خیز لہجے میں بولا۔''جاڑو خان ...... میں جانتا ہوں یہ سب ...... میں نے اس کی دعوت محض اس لئے قبول کی ہے تاکہ اس کے اصل کرتوتوں کا پتہ چل سکے تاکہ بعد میں اس پر آسانی سے ہاتھ ڈالا جاسکے۔'' اس بات پر جاڑو خان کے چہرے پر سنجیدگی اور اضطراب آمیز پریشانی کے سائے رقصاں ہو گئے۔ پھر وہ گویا ہوا۔

''سائیں ...... وہ تو ٹھیک ہے لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ کو وڈیرے آچر خان سے پرے پرے ہی رہنا چاہئے۔ معاف کرنا سائیں! میں اس سے پہلے بھی دو افسران کا حشر دیکھ چکا ہوں۔ وڈیرے آچر خان کی دوستی انہیں بڑی مہنگی پڑی تھی۔ سائیں ان کی تو دوستی بھی بری اور دشمنی بھی ...... بہتر یہی ہے کہ ہمیں ان سے دور ہی رہنا چاہئے۔''

میں نے بڑے تحمل سے اس کی بات سنی۔ ہوسکتا ہے تقاضائے حالات کے مطابق اس کی بات درست ہو لیکن میں نے یہ نوکری ...... صرف ''افسری'' حاصل کرنے کے لئے نہیں لی تھی۔ ایک فرض، ایک شوق اور دیانتداری سے ادائیگی فرض سمجھ کر لی تھی۔ میں بولا۔''جاڑو خان......! تمہارا کیا مطلب ہے، یہ تمہارا وڈیرا آچر خان بھلے یہ سارا جنگل پیسوں کے لالچ میں کاٹ ڈالے؟ خوبصورت جنگل ...... محض جنگل نہیں ہیں جاڑو خان ...... یہ فطرت کا حسن ہیں۔ قدرت کا ایک روح افزاء تحفہ ہیں ...... اور اس دھرتی پر بسنے والے ہم لوگوں کا تحفظ بھی ...... ہماری دھرتی کے ماتھے کا جھومر ہیں یہ۔ ادھر آؤ جاڑو خان......'' میں جیسے ایک دم جذباتی ہو گیا تھا اور جاڑو خان کو بازو سے پکڑ کر کھڑکی کے پاس لے گیا اور باہر دور تک دکھائی دینے والے جنگل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔''جاڑو خان ...... ان درختوں کو غور سے دیکھو...... کس قدر فخر و غرور ہے ان کے اندر ...... یہ کیکر، آسریں، لئی ...... کہو اور نہنگ اور کھجور کے درخت دیکھو ...... کس طرح جھوم جھوم کر اللہ کی بڑائی بیان کر رہے ہیں۔ یہ ہمیں آلودگی جیسے زہریلے عفریت سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اب بولو...... جاڑو خان ...... کیا کہتے ہو۔ کیا تم اپنی دھرتی ماں کو اپنی آنکھوں کے سامنے اجڑتا اور بدصورت ہوتا دیکھو گے جاڑو خان ...... اگر تم میرے ساتھ رہنا

چاہتے ہو تو نوکر بن کر نہیں، ایک سپاہی کی حیثیت سے کام کرنا ہوگا اور میں بھی خود کو ایک افسر نہیں سپاہی سمجھتا ہوں جس کی ابتداء میں نے اپنے ہی گوٹھ سے کی ہے۔ اگر تم میرے ساتھ کام کرنا نہیں چاہتے تو میں تمہاری بدلی کسی دوسرے افسر کے ساتھ کروا سکتا ہوں۔'' اتنا کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔

فرطِ جذبات سے میں ہانپنے لگا تھا۔ میرے چہرے پر شرمساری اور ندامت کے آثار تھے۔ میرے خاموش ہوتے ہی وہ فوراً اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔ ''ہا سائیں مٹھا ہا...... برابر...... آپ بالکل صحیح کہتے ہو۔ سائیں میں آپ کو چھوڑ کر بھلا کہیں دوسری جگہ کیوں جاؤں گا۔ آپ نے تو کبھی مجھ سے آفیسری والا برتاؤ نہیں کیا بلکہ ایک دوست کی طرح ہی پیش آتے رہے۔ سائیں میں آپ کے ساتھ ہوں۔ درحقیقت سائیں میرا مطلب یہ تھا کہ آچر خان کے خلاف بڑی ہوشیاری سے جال بننا پڑے گا۔ بہت بااثر شخص ہے، وہ آپ کی بدلی بھی کروا سکتا ہے۔''

''جبھی تو میں آچر خان پر میٹھی چھری چلانا چاہتا ہوں۔ اس سے روابط بڑھا کر ہی گھیرا تنگ کروں گا۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا اور جاڑو خان تفہیمی انداز میں اپنے سر کو جنبش دینے لگا۔

◆❀◆

دور...... کھجوروں کے بلند و بالا درختوں کے عقب میں ڈوبتے سورج کی شہابی کرنوں سے آسمان دور تک تاریخی ہو رہا تھا اور اپنے آشیانوں کی طرف لوٹتے تھکے ہارے پرندوں کی ڈاریں محوِ پرواز بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ باہر جنگل کینجھر سے آنے والی پرسکون ہواؤں کے دوش پر ہلکورے لیتا محسوس ہو رہا تھا۔ فضا میں شفق کی سنہری لالی سی گھلی ہوئی تھی۔

میں اور جاڑو خان جیپ میں سوار ہو کر وڈیرے آچر خان کی بلند و بالا حویلی پہنچے تو وہاں اس کا چمچہ منشی پیرل موجود تھا۔ وہ باچھیں پھیلا کر ہمارا استقبال کرتے ہوئے بولا۔ ''آؤ...... آؤ سائیں بسم اللہ...... بسم اللہ...... بھلی کرے آیو......'' اس نے ہمیں اوطاق میں بٹھایا اور وہاں موجود ایک ملازم کو اندر حویلی میں وڈیرے آچر خان کو اطلاع دینے بھیج دیا۔

ہم وہاں چوڑے پشتوں والے سرکنڈوں کے بنے مونڈھوں پر براجمان ہو گئے۔ میں نے ایک ذرا گہری نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرے میں مونڈھوں کے علاوہ بڑے بڑے نقشین پایوں والی چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر خوبصورت باڈروں والی رلیاں پڑی تھیں۔ کڑھائیوں والے گاؤ تکیے بھی رکھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر پرکھوں کی رعونت آمیز تصاویر کے بڑے بڑے فریم آویزاں تھے اور ان سے ذرا نیچے...... کمیاب اور بیش قیمت ذبح کئے ہوئے جانوروں کے سر بھی تھے۔ صحرائی بھیڑیوں کی کھالیں اور ایک چیتے کی کھال بھی چپکائی گئی تھی۔

دفعتاً کمرے میں کھنکھارنے کی آواز ابھری۔ یہ وڈیرا آچر خان تھا...... لمبا تڑنگا اور بھاری بھرکم چہرے پر بڑی بڑی گھنی مونچھیں اور داڑھی، سر پر شیشوں کے کام والی سرخ سندھی ٹوپی اور کاندھوں پر اجرک دھری ہوئی تھی۔ اس کی بڑی بڑی متورم آنکھوں میں شکرے جیسی چمک تھی۔ ادھیڑ عمری کے باوجود وہ خاصا توانا شخص معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ پر کاندھے تک چمڑے کا دستانہ چڑھا ہوا تھا جس پر اصیل نسل کا ایک باز اپنی چمکتی تیز آنکھوں کی پتلیوں کو چوکنا انداز میں گردش دے رہا تھا۔

آچر خان کے آتے ہی ہم دونوں کھڑے ہو گئے۔

''آؤ...... سائیں بگھیو صاحب...... بسم اللہ...... بڑی خوشی ہوئی بابا تم سے مل کر......'' اس نے کھرکھراتی آواز میں مجھ سے کہا اور اپنا دایاں بھاری بھرکم ہاتھ مصافحے میری جانب بڑھایا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ہاتھ ملایا۔ اس کے بعد جب جاڑو خان وڈیرے آچر خان سے ہاتھ ملانے کے لئے اس کی طرف بڑھنے لگا تو آچر خان اسے دائیں ہاتھ کے اشارے سے وہیں روکتے ہوئے بولا۔ ''نا بابا نا...... تم وہیں رہنا اپنی جگہ پر...... قریب آئے تو...... میرا یہ شیر تمہاری آنکھیں نوچ ڈالے گا۔ یہ نوکروں کو میرے قریب برداشت نہیں کر سکتا۔''

اس کا اشارہ اپنے باز کی طرف تھا۔ آچر خان کے لہجے کی رعونت اور انداز تخاطب پر مجھے غصہ آنے لگا۔ بے چارہ جاڑو خان اپنی جگہ رک گیا تھا۔ میں اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے استہزائیہ انداز میں آچر خان کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''آچر خان ...... تم میرے نوکر کی فکر مت کرو۔ یہ تمہارے اس شیر کی گردن مروڑنا جانتا ہے۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض کر دوں ...... یہ میرا نوکر نہیں دوست ہے۔اس کا ایک معزز گھرانے سے تعلق ہے۔''

میری جوابی کارروائی نے وڈیرے آچر خان کو تلملا کر رکھ دیا تھا...... تاہم وہ اپنی ابلتی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ ''ہالا بابا ہالا ...... گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے نا...... جس باز کی تم گردن مروڑنے کی بات کر رہے ہو ان کی قیمت تم اماراتی شہزادوں سے پوچھو۔ جو لاکھوں روپوں میں ان کا ہم سے سودا کرتے ہیں۔''

پھر وہ اپنے باز کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پرغرور لہجے میں بولا۔ ''میرے اس شیر کی بولی بھی پچیس تیس لاکھ سے کم نہیں شروع ہوگی۔'' اس کے بعد اس نے ہمیں بیٹھنے کو کہا اور خود بھی سامنے ایک بڑے سے مونڈھے پر براجمان ہو گیا۔

دو لحیم شحیم خدمت گاروں میں سے ایک نے بڑے ادب کے ساتھ وڈیرے آچر خان کے ہاتھ سے باز کی چرمی ڈوری پکڑی اور پھر ایک مخصوص طریقے سے باز کو اپنے بازو پر بٹھا لیا۔ اس کے ایک ہاتھ پر بھی چرمی کیس چڑھا ہوا تھا تاکہ باز کے نوکیلے تیز پنجوں سے ہاتھ کی کھال محفوظ رہے۔

ادھر دوسرے خدمت گار نے مستعدی کے ساتھ وڈیرے کے بائیں ہاتھ سے چرمی کیس اتار لیا۔ اتنے میں دیگر خدمت گاروں نے ہمارے سامنے بڑی سی میز بچھا دی اور آن کی آن میں انواع و اقسام کے پرندوں اور جانوروں کے بھنے ہوئے گوشت ڈشوں میں سجا دیئے، ساتھ ہی مشروب کی بوتلیں بلوریں پیگوں کے ساتھ رکھ دیں۔ ڈشوں سے اٹھنے والی اشتہا انگیز خوشبو نے بلاوجہ بھوک بڑھا دی تھی۔ ایک سپاٹ سی لمبی ڈش میں لعوق بھی رکھ دی گئی تھی۔ یہ شراب نوشی کی گرمی مارنے کے لئے انگلی سے دو تین مرتبہ چاٹ لی جاتی تھی۔ درحقیقت یہ نہنگ کے درخت کا سیال تھا جسے مختلف طریقوں سے تیار کرنے کے بعد پرانے یرقان کے مریضوں کے کام آتا تھا۔

میری جگہ کوئی اور ہوتا تو یقیناً مربھکوں کی طرح ان چیزوں پر پل پڑتا مگر میں نے ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ میں جانتا تھا یہ ان معصوم اور خوبصورت جانوروں اور پرندوں کا گوشت تھا جو جنگل کی فطری زندگی کا اصل حسن تھے...... اور کمیاب بھی......

''اڑے بابا بگھیو صاحب...... آپ کیا سوچنے لگے، شروع ہو جاؤ...... چلو میں آپ کے لئے ایک پیگ تیار کر دیتا ہوں۔'' وڈیرا آچر خان بوتلوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا تو میں نے فوراً اسے روکا۔ ''نہیں آچر سائیں! رہنے دو...... میں پیتا نہیں ہوں اور نہ ہی اتنی ثقیل چیزیں مجھ غریب کو ہضم ہو سکتی ہیں...... بس تھوڑی سی چائے مل جائے تو نیاز مند رہوں گا۔''

وڈیرا آچر خان حیرت سے میری جانب دیکھ کر بولا۔ ''اڑے بابا...... حیرت کی بات ہے...... اتنے نایاب پرندوں کے گوشت پر آپ صرف چائے کو ترجیح دے رہے ہو۔ بابا...... یہ بٹیر ہے...... بھٹ تیتر اور چکارے کا گوشت کمال ہے، بگھیو صاحب......''

''بس سائیں ایسی ہی بات ہے۔ درحقیقت میں جب سے سرکار کا نوکر ہوا ہوں چائے بسکٹوں کا ہی عادی ہو کر رہ گیا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''نہیں بابا...... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ کا اپنا آباڑاں گوٹھ (آبائی) ہے یہ...... شروع سے آپ یہیں پلے بڑھے ہو۔ خیر محمد بگھیو صاحب...... جو آپ کے بابا سائیں ہیں میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ بھی ہماری طرح کے اٹھنے بیٹھنے والے انسان ہیں۔''

میں اس کی بات پر تھوڑا جز بز تو ہوا...... مگر خاموش رہا۔ دل تو چاہا کہ اس سے کہہ ڈالوں کہ میرے بابا سائیں اور تجھ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ زمیندار ہونے کے باوجود بڑی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں مگر میں دانستہ چپ رہا۔

وڈیرے آچر خان میں ابھی اتنی تمیز باقی تھی کہ اس نے بھی کسی شے کو ہاتھ نہیں لگایا اور آناً فاناً وہاں سے لوازمات آوارہ کو سمیٹ لیا گیا اور پھر چائے اور بسکٹ وغیرہ رکھ دیئے گئے۔

چائے کے دوران اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ میں منتظر تھا کہ آچر خان کوئی اپنے مطلب کی بات کرے تو میں اپنا جال بنوں مگر...... وہ شاید میری فطرت کو سمجھنے لگا تھا۔ وہ شاید جانتا تھا کہ شراب اور کباب اور محفل ناؤ نوش کو ایک جنبش ابرو کے اشارے سے رد کرنے والے آدمی سے کب اور کون سی بات کرنی چاہئے۔

چائے کے بعد وڈیرا آچر خان اپنے چند حواریوں جن میں منشی پیرل بھی شامل تھا، کے ساتھ ہمیں ایک وسیع قطع اراضی میں لے آیا جو اس کی بلند و بالا حویلی ''کینجھر ہاؤس'' کے عقب میں تھی۔ یہ جگہ فارم ہاؤس ہی کی طرح دکھائی دے رہی تھی جو اندازاً لگ بھگ ایک کلومیٹر مربع پر پھیلی ہوئی تھی جس کے گرد آہنی خاردار باڑ لگائی گئی تھی۔ وسط میں ایک اوطارے کی طرز کی عمارت بھی تھی۔ یہاں اصیل نسل کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ان میں دیگر گھوڑوں کے علاوہ سرنگ، مشکی اور ابلق گھوڑے بھی تھے۔ کچھ بیش قیمت تھری مور بھی دکھائی دیئے مگر ہم پر نظر پڑتے ہی اندر گھس گئے۔ زمین پر ہلکی ہلکی روئیدگی سی تھی۔ میں بڑے غور سے فارم کا جائزہ لے رہا تھا۔ دل میں عجیب دھکڑ پکڑ سی ہو رہی تھی۔

وڈیرا اس دوران گاہے بہ گاہے باتیں بھی کرتا جا رہا تھا اور ان جانوروں کی خصوصیات قابل فخر انداز میں گنواتا بھی جا رہا تھا۔

عمارت کے سامنے فولادی گیٹ تھا۔ میں اور جاڑو خان، وڈیرے آچر خان کے ساتھ چلتے ہوئے گیٹ کے اندر آ گئے۔ یہاں عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی جو مختلف پرندوں اور جانوروں کے علاوہ گھاس پھونس کی تھی۔ یہ ایک بلند چھت والا ہال کمرہ تھا۔ یہاں کا تفصیلی جائزہ لیتے ہی میری کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ یہاں جا بجا شکار کا سامان بکھرا پڑا تھا۔ ایک دیوار کے دس فٹ آگے آہنی جالی کی باڑھ لگا کر پنجرہ سا بنایا گیا تھا جس کے عقب میں اعلیٰ نسل کے ان گنت تکور پھر رہے تھے۔ اس طرح کے چند دیگر چھوٹے بڑے پنجروں میں بھٹ تیتر، سی سی تیتف اور سرمئی تیتروں کے علاوہ باز بھی تھے۔ ایک دو پاوڑے اور چکارے بھی تھے۔ سرخ کلغی والے چکور بھی تھے۔ یہ سب وہ جانور تھے جن کا شکار وڈیرے آچر خان نے غیر قانونی طور پر کیا تھا مگر مجھے حیرت تھی کہ میرے جیسے ایک سرکاری فاریسٹ آفیسر کو یہ سب کیوں دکھا رہا

ہے۔ کیا وہ مجھ پر اپنی طاقت کا رعب جمانا چاہ رہا تھا۔ ان بیش قیمت جانوروں کو دیکھ کر میرا جی بری طرح کڑھ رہا تھا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان سب کو آزاد کر کے جنگل میں چھوڑ دوں۔ اندر بڑے بڑے سرچ لائٹ کی طرح کے بلب بھی روشن تھے۔

مجھ سے رہا نہ گیا، میں قدرے ہونٹ چبانے والے انداز میں وڈیرے آچر خان سے بولا۔ ''آچر خان......! ان سب جانوروں کا لائسنس تو آپ کے پاس موجود ہوگا۔''

میری بات سن کر آچر خان نے میری طرف عجیب نظروں سے دیکھا۔ پھر یکدم رعونت سے قہقہہ لگاتے ہوئے گونجدار لہجے میں بولا۔ ''مجھے پتہ تھا تم مجھ سے یہی سوال کرو گے۔ بابا ...... یہ سارا تھر ہمارا اپنا ہے۔ ہمیں شکار کرنے اور جانور پالنے سے کون روک سکتا ہے مگر قانون کا احترام میں اسی لئے کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارے اپڑیں یار سنگت (دوست) بھی تمہاری طرح بڑے بڑے افسر ہیں۔ میں نہیں چاہتا میری وجہ سے ان پر کوئی آزمائشی گھڑی آئے۔ اسی لئے بگھیو صاحب! میرے پاس نہ صرف ان جانوروں کا لائسنس ہے بلکہ شکار کا پرمٹ بھی موجود ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے منشی کو مخاطب کیا۔ ''اڑے بابا پیرل......''

''حاضر سائیں وڈا......!'' پیرل ایک دم مستعدی سے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''بگھیو صاحب کو وہ کاغذ دکھاؤ۔'' وڈیرے نے کہا اور منشی جس کی بغل میں ایک چرمی بیگ ہر سمے دبا رہتا تھا فوراً ہی زپ کھول کر اس میں سے چند پلاسٹک کوٹیڈ کاغذات میرے سامنے کھول دیئے۔ مجھے ان کاغذوں کو دیکھنے کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ میں جانتا تھا کہ وڈیرے آچر خان نے اپنے اثر و رسوخ اور اپنی معنی خیز دعوتوں کے ذریعے یہ لائسنس اور پرمٹ ان افسروں سے حاصل کیا تھا جنہیں آچر خان کی دوستی پر فخر ہوتا تھا۔

اس ضمن میں تھوڑی دیر پہلے وڈیرے آچر خان نے جو تمہید میرے سامنے باندھی تھی اس سے میں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ آگے چل کر میرے ساتھ تعلقات بڑھا کر شکار کے سیزن یا اور دنوں میں ناجائز قسم کے پرمٹ یا لائسنس

وغیرہ نکلوانے کی نیت رکھتا تھا لیکن میرے دل میں تو کچھ اور ہی تھا۔

میں نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔ ''سائیں آچر خان......! ایک بات تو بتاؤ ......ان پرندوں کو پکڑ کر آپ کو حاصل کیا ہوتا ہے۔'' میری بات سن کر وڈیرے آچر خان نے ایک لمحے کو اس طرح میری جانب دیکھا جیسے میں نے کوئی بہت ہی مضحکہ خیز بات کہہ دی ہو۔ وہ عجیب سی آواز میں بولا۔ ''معاف کرنا بگھیو صاحب......! آپ کو تو ان جانوروں کی قیمت کا اندازہ ہی نہیں۔ آپ آخر اس جنگل کھاتے میں نوکر کس طرح ہو گئے۔ اڑے بابا بگھیو صاحب! ان جانوروں کی قیمت کروڑ روپے سے کم نہیں ...... یہ تلور ہی لاکھ ڈیڑھ لاکھ سے کم کے نہیں اور آپ کہتے ہو کہ ہمیں انہیں پکڑ کر حاصل کیا ہوتا ہے۔

میں نے بغور وڈیرے آچر خان کے چہرے کی طرف دیکھا اور اس کی کم عقلی پر ماتم کر کے رہ گیا۔ وہ مجھے نرا گاؤدی سمجھ رہا تھا مگر میرے مقابلے میں اسے بالکل نالج نہ تھی۔ میں تو ایک چھوٹے سے تیتر کے ایک ایک پر کے بارے میں اس کی نسل اور خصوصیات بتا سکتا تھا...... مگر میرا وڈیرے سے سوال کرنے کا دوسرا ہی مقصد تھا لہٰذا جواباً وڈیرے سے قدرے استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ''سائیں ...... آپ نے تو ان جانوروں کی کروڑ روپے قیمت تو بہت ہی کم لگائی، میری نظر میں تو ان کی قیمت اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔'' یہ بات میں نے کسی اور خیال کے تحت کہی تھی مگر وڈیرا اپنی کم فہمی کے باعث خوشی سے پھول گیا۔ اب اس کے تنے ہوئے چہرے پر غرور کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ گویا اس نے میری بات کی کاٹ کو سمجھے بغیر اسے اپنے لئے خوشامدانہ تائید محسوس کی تھی۔

''اب بگھیو صاحب......! آپ نے درست بات کہی۔ چلو اب چل کر باتیں کرتے ہیں اوطاق میں......'' وڈیرے نے لہجے کو مزید گھمبیر بناتے ہوئے کہا اور پھر ہم سب واپس اوطاق میں آ کر بیٹھ گئے۔

شام کے سائے اب دراز ہونے لگے تھے۔ یوں بھی اس جنگلاتی علاقے میں رات جلد ہی اتر آتی تھی۔ جب ہم دوبارہ آ کر سرکنڈوں کے مونڈھوں پر براجمان ہوئے تو میں نے اصل گفتگو چھیڑتے ہوئے لب کشائی کی۔ ''سائیں آچر خان!

آپ کے سر کی خیر ہو، آپ کا بہت بہت شکریہ اس عزت افزائی کا ...... درحقیقت میں خود بھی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا۔''

''ہاں ...... ہاں ...... بابا کیوں نہیں ......کوئی مسئلہ تھا تو بتاؤ بابا......'' وڈیرے نے میری بات سن کر دوستانہ لہجے میں کہا۔

میں نے ہولے سے کھنکار کر گفتگو کی ابتداء کی۔''سائیں دراصل ...... میں آج کل ایک مسئلے کی وجہ سے پریشان ہوں ......سوچا آپ گوٹھ کے مکھ سائیں ہو پہلے آپ سے بات کر لی جائے۔ بات یہ ہے کہ پچھلے کئی روز سے جنگل میں چوری چھپے کٹائی کا سلسلہ جاری ہے۔ سرکار نے خاص طور پر میرا انتخاب کر کے مجھے یہاں تعینات کیا ہے اس لئے کہ...... یہ میرا آبائی گوٹھ بھی ہے۔ لہٰذا اب مجھ پر اس سلسلے میں بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر آپ کو کسی پہ شک ہے تو ہماری ضرور مدد کیجئے گا۔''

وڈیرے آچر خان نے اپنی گھنی بھنوؤں سے ڈھکی آنکھیں سکیڑ کر میرے چہرے کی طرف بغور دیکھتے ہوئے میری بات سنی۔ اثنائے راہ...... میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تھا۔ وہ ذرا دیر کو خاموش رہنے کے بعد ہولے ہولے اپنے سر کو پرخیال انداز میں جنبش دینے کے ساتھ بولا۔''ہا ...... بگھیو صاحب......! بات تو آپ کی درست ہے ...... پر آپ نے جو شک والی بات کہی ہے نا سائیں ......تو اس وجہ سے میرے ذہن میں ایک شخص کا نام آتا ہے۔ تم سے پہلے بھی جتنے فاریسٹ آفیسر آئے تھے انہوں نے اس شخص کے حواریوں کو رات کی تاریکی میں ببر اور آسریں کی لکڑی چراتے ہوئے پکڑا تھا...... بلکہ انہوں نے تو باقاعدہ اس کے خلاف پولیس کیس بھی تیار کر لیا تھا لیکن ...... بعد میں اس پر عملدرآمد نہ ہو سکا اور......''

''معاف کرنا سائیں ...... اس کا نام؟'' میں نے بے قراری ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی بات کاٹی تو وہ فوراً نام بتاتے ہوئے بولا۔''دادن شاہ ......سائیں دادن شاہ......''

''سائیں دادن شاہ......' میں وڈیرے آچر خان کے منہ سے یہ نام سن کر

چونکا تھا اور بے اختیار زیرلب یہ نام بڑبڑایا تھا۔

''ہاؤ سائیں بگھیو صاحب ...... مجھے اس شخص پہ شبہ ہے کہ وہ ہی لکڑی چوری کر رہا ہے۔'' وڈیرے نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا مگر میں ''دادن شاہ'' کے نام کی گردان سے اندر ہی اندر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ نام میں نے پہلے بھی کہیں سنا تھا۔ تب ذرا غور کرنے پر مجھے یاد آ گیا کہ یہ نام میں نے اس سے پہلے یار محمد اور صوبو خان کے درمیان ہونے والی خفیہ گفتگو کے دوران گزشتہ شب ان کی اوطاق کے باہر دروازے سے کان لگا کر سنا تھا۔ مجھے کسی سوچ میں غلطاں پا کر جب وڈیرا آچر خان نے مجھے مخاطب کر کے پوچھا۔''بگھیو صاحب......! کیا آپ دادن شاہ کو نہیں جانتے؟''

''شاید نہیں جانتا میں......'' میں نے اس کی طرف دیکھ کر مبہم سے لہجے میں کہا تو وہ بتانے لگا۔''اڑے بابا......! بڑا چلتا پرزہ ہے......ایک بہت بڑی لکڑی کی ٹال کا مالک ہے۔ ادھر ساحلی بستی کی ٹال کا مالک ہے۔ ادھر ساحلی بستی کی طرف فش فارم بھی ہے اس کا ...... مچھیروں کا مکھ ہے۔ سب سے بڑی بات ...... وہ آپ کے بابا سائیں خیر محمد صاحب کا گہرا دوست بھی ہے۔''

وڈیرے آچر خان کی اس بات پر میں چونکا تھا۔

وہ پھر بولا۔''مجھے لگتا ہے بلکہ یقین ہے یہ اسی کی کارستانی ہے۔ وہ راتوں رات سرکاری درخت کٹوا کر اپنے ٹرکوں میں ٹال پہنچا دیتا ہے اور وہاں اسی وقت ان پر آرا مشین چلا کر تختے بنا ڈالتا ہے۔''

''اچھا......تو یہ بات ہے۔'' میں پرسوچ لہجے میں اپنے سر کو تفہیمی جنبش دیتے ہوئے بڑبڑایا۔

''ہاؤ بابا...... بلکہ مجھے تو لگتا ہے......اچھا چھوڑو اس بات کو تم ناراض ہو جاؤ گے......وہ یہ کہتے ہوئے رکا اور میری جانب ترچھی نگاہوں سے تکنے لگا۔

''ہاں سائیں ...... کہو......کہو...... میں ناراض نہیں ہوں گا۔'' میں نے اسے اپنی بات مکمل کرنے کو کہا تو وہ قدرے مکاری سے بولا۔''دیکھو بابا ......تم میری بات کو غلط مت سمجھنا...... وہ تمہارے بابا سائیں کی دوستی کی وجہ سے یہ کام بڑے

دھڑلے کے ساتھ کرتا ہوگا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ تم اس کے بیٹے ہو...... اگر ایسی ویسی کوئی بات ہوئی بھی تو وہ......"

"میں سمجھ گیا سائیں ...... میں اپنے طور پر پتہ لگانے کی کوشش کروں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تو وہ پھر بولا۔ "اور......بھی ایک بات سنو۔ وہ ندی سے ریتی بھی چراتا ہے۔ میں نے ہی نہیں بلکہ خود ہمارے رہاکوں (زمینوں پر کام کرنے والے مزدور) نے خشک ندی پر بھاری شاول مشینوں کے بلیڈوں کے نشانات بھی دیکھے ہیں ...... اب آپ ہی بتاؤ ان سوکھی ندیوں سے اگر ریت نکال دی جائے تو ...... پانی کھیتوں میں آنا کتنا مشکل ہو جاتا ہے ...... اور جھگڑے بھی آپس میں زمینداروں کے ہونے لگتے ہیں۔"

میں نے پھر اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔ اس کے بعد جب ہم وہاں سے رخصت ہونے لگے تو ایک مضطرب الحال ہاری اندر آنے لگا۔ جسے آچر خان کے دو حواریوں نے بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا۔ وڈیرے نے خشمناک نظروں سے پہلے اسے اور پھر اپنے دونوں حواریوں سے پوچھا۔ "اڑے بابا...... کیا بات ہے...... کیوں پکڑ رکھا ہے اس بے چارے کو...... چھوڑ کرواسے......"

وڈیرے کے حکم پر اسے چھوڑا گیا تو وہ غریب ہاری آچر خان کے قدموں میں گر گیا اور ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ "سس ...... سائیں وڈا ...... سائیں بھوتار ...... آپ سے عرض کرنی ہے۔" وہ کمزور اور نحیف سا ہاری دکھوں کا مارا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مجھے اس پر بے انتہا ترس آنے لگا۔

"ہاں ...... ہاں بابا بولو ...... کیا بات ہے؟" وڈیرے نے کہا۔ اس کے لہجے میں تھوڑی درشتی اتر آئی تھی۔

"سس ...... سائیں ...... میں ...... اپنی دھی ...... نوری ...... کے واسطے آیا ہوں ...... وہ ...... وہ......"

ہاری نے اتنا ہی کہا تھا کہ وڈیرا آچر خان اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"ہاں ...... ہاں بابا ...... پھر بات کرتا ہوں تجھ سے پہلے ذرا مہمانوں کو رخصت کر لوں۔"

پھر وہ میری طرف متوجہ ہو کر گویا ہمیں وہاں سے رخصت کرنے کی غرض سے بولا۔ "اچھا سائیں بگھیو صاحب......! پھر کب ہماری حویلی کو رونق بخشو گے۔"

میں ...... جو اس مذکورہ غریب ہاری کی طرف بغور تک رہا تھا جس نے "نوری" کا نام لے کر مجھے بری طرح چونکا دینے پر مجبور کر دیا تھا ...... یک دم وڈیرے کی بات پر چونکا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے سردست وہاں سے چلے جانا ہی مناسب خیال کرتے ہوئے دوستانہ مسکراہٹ اپنے چہرے پر سجا کر بولا۔ "ہاں سائیں بہت جلد دوبارہ ملاقات ہوگی بلکہ اب تو ہوتی رہے گی...... کبھی آپ بھی آؤ ...... ہمارے ریسٹ ہاؤس۔"

"ہاں ...... بابا ...... ضرور ضرور ...... کیوں نہیں آئیں گے۔" وڈیرے نے دوستانہ بے تکلفی سے کہا اور پھر میں ایک آخری نظر اس غریب ہاری پر ڈالتا ہوا جاڑو خان کے ساتھ باہر نکل آیا۔

جب ہم جیپ میں سوار ہو کر حویلی سے چند فرلانگ دور آ گئے تو میں نے جاڑو خان کو جیپ سے اتارتے ہوئے ہدایت کی۔ "جاڑو خان ...... تم نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ ایک کام کرنا ہے۔"

"ہاں سائیں مٹھا برابر...... حکم کرو۔" وہ جاں نثاری سے بولا تو میں نے کہا۔ "جاڑو خان ...... تم نے ابھی اس ہاری کو دیکھا تھا جو ہمارے وہاں سے رخصت ہوتے وقت وڈیرے کے پاس آیا تھا۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔ "تم ایسا کرنا ...... وہ ہاری جیسے ہی وڈیرے آچر کی حویلی سے باہر نکلے تم کسی طرح اسے میرے پاس لے آنا۔"

میں نے اپنی بات ختم کی تو ...... جاڑو خان نے مستعدی سے کہا۔ "حاضر سائیں ...... آپ چلو میں اسے لے کر ابھی بنگلے پر پہنچتا ہوں۔"

پھر اس کے بعد میں جیپ میں سوار ہو کر اپنے ریسٹ ہاؤس آ گیا۔

"نوری......" کا نام سن کر میں بے چین سا ہو گیا تھا۔ یہ میری دیوانگی کی انتہا

تھی۔ میں ماضی کے ان گم گشتہ خیالوں کی دنیا میں پہنچ چکا تھا جو آج بھی میرے اندر ایک یادوں کا تاج محل تعمیر کئے ہوئے تھے ...... اور پھر یہ بھی کیا ممکن تھا کہ وہ ''نوری'' وہی ہو جس کا ذکر ...... میں نے وڈیرے کی حویلی میں سنا تھا۔ اس نام نے میرے اندر ایک ہلچل سی مچا دی تھی۔ میں اس بوڑھے ہاری کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ کون تھا ...... کیا نوری کا باپ؟ آخر وہ وڈیرے کے پاس کیا عرضی (درخواست) لے کر آیا تھا۔

مجھے اب بے چینی سے جاڑو خان کا انتظار تھا۔ میں اس وقت اپنے آتش دان والے کمرے میں آ کر کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ اگر وڈیرے آچر خان کی حویلی میں ''نوری'' کا ذکر نہ چھڑتا تو میں وڈیرے کی باتوں پر غور کرنے کے بعد اپنے آئندہ کے پروگرام کا لائحۂ عمل ترتیب دیتا۔

کافی دیر بعد جاڑو خان آن پہنچا۔ وہ کامیاب لوٹا تھا کیونکہ اس کے ہمراہ وہ بوڑھا ہاری بھی تھا۔ وہ بے چارہ قدرے سہا ہوا تھا۔ اس نے پھٹے پرانے کپڑے اور میلی سی اجرک اوڑھ رکھی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ لجاجت سے ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''سائیں ...... مجھ گریب سے کوئی گلتی ہوگئی ہو تو ماپھ کر دینا......'' اس کی بات سن کر میں دکھ سے بھر گیا۔ میں بے اختیار اس کے قریب آیا اور اپنے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے اسے دونوں بازوؤں سے تھام کر ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں بابا ...... ایسی کوئی بات نہیں ...... میں نے تم کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ تم سے کچھ ضروری بات پوچھنی تھی۔''

وہ بے چارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بھی کترا رہا تھا ...... لہٰذا پشت سے ٹیک لگائے بغیر سکڑ کر بیٹھ رہا اور میری جانب رحم طلب نگاہوں سے تکنے لگا۔ اس کا انداز کسی پسے ہوئے انسان سا محسوس ہو رہا تھا میں پھر اس کا خوف دور کرنے کی غرض سے نرم لہجے میں بولا۔ ''بابا ...... آپ آرام سے بیٹھ جاؤ ...... اور مجھے اپنا دوست سمجھو۔'' پھر چند ثانیے توقف کے بعد میں نے دوبارہ کہا۔ ''بابا ...... آپ سے اگر میں ایک بات پوچھوں تو آپ ناراض تو نہیں ہوں گے۔''

میری بات سن کر ایک دم وہ لجاجت سے بولا۔ ''نہیں سائیں ...... میں بھلا

کیوں ناراض ہوں گا ...... آپ پوچھو۔''

''بابا ...... آپ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہمیں وڈیرے آچر خان کی حویلی میں دیکھا تھا ...... جہاں آپ اپنی ایک عرضی لے کر آئے تھے۔ اگر مناسب سمجھو تو مجھے بتاؤ، شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔ وڈیرا میرا دوست ہے...... وہ میری بات نہیں رد کرے گا۔ مجھے بتاؤ کیا مسئلہ ہے......'' میں نے یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں جما دیں۔ وہ بے چارہ مجھے اپنے آپ پر اس قدر مہربان پا کر پہلے تو حیران ہوا مگر پھر پریشان سا نظر آنے لگا۔ وہ کچھ کہتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ میں نے پھر اس کی ہمت بندھائی۔ ''ہاں ...... ہاں ...... بابا کہو ...... مجھے اپنا دوست سمجھو۔ میں بھی اس گوٹھ کا رہنے والا ہوں۔ زمیندار خیر محمد بگھیو کا بڑا بیٹا ...... فیض محمد بگھیو......'' میری بات سن کر ایک دم اس کے چہرے پر رونق سی آ گئی اور وہ جیسے عقیدت مندانہ نظروں سے میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''اچھا سائیں ......! آپ ...... سائیں خیر محمد کے بیٹے ہو ...... وہی جو بچپن میں میڈی دھی (بیٹی) کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔'' اس نے کہا اور جیسے میرے بھٹکے ہوئے خیالات کو منزلیں ملنے لگیں۔

میرے اندر یکا یک ہی مسرت کی لہریں اٹھیں اور میں اپنی اندرونی مسرتوں پر قابو پانے کی ناکام سعی کرتے ہوئے اس کی تائید میں بولا۔ ''ہاں ...... ہاں ...... بابا ...... میں وہی ہوں فیضو ...... نوری کہاں ہے اب بابا......'' نہ چاہتے ہوئے بھی میرے لبوں سے یہ نام پھسلا جس نے بجا طور پر میرے دل کی خفتہ اور بے قرار کیفیتوں کو آشکارا کر دیا۔ میری جوش مسرت سے پھٹی ہوئی آنکھوں میں ایک بامعنی اشتیاق کو وہ بوڑھا ہاری اپنی ...... کم مایہ نظروں سے جیسے بھانپنے کی کوشش کرنے لگا۔

میرے چہرے پر بالکل بچوں جیسی مسرت پھوٹ رہی تھی۔

جاڑو خان بھی حیرت سے میرا چہرہ تکے جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا ...... نوری کے باپ کے چہرے پر دکھ کے آثار نمایاں ہونے لگے اور وہ میری جانب دیکھتے ہوئے مغموم لہجے میں بولا۔ ''سائیں ......! بے چاری نوری پر تو قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔''

''کیا ہوا اسے؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔ اس بے چارے کی آنکھوں

سے اب باقاعدہ آنسو جاری ہو گئے تھے۔ میرا دل اس کے اشک دیکھ کر ڈوبنے لگا۔ وہ دلگیر لہجے میں بتانے لگا۔ ''سائیں......! علی بخش نے نوری کو گوٹھ کے ایک چھوکرے سائیں داد کے ساتھ کارو کرڈالا ہے۔''

اس کے انکشاف پر میرا دل و دماغ ''سائیں ...... سائیں......'' کرنے لگا۔

''بابا...... یہ ...... یہ علی بخش کون ہے۔ کیا لگتا ہے نوری کا......'' میں نے کسی خیال کے تحت پوچھا تھا۔

وہ بولا۔ ''میڈا پٹ ہے علی بخش ...... نوری کا وڈا بھرا (بھائی) ہے جس چھوکرے سائیں داد کو نوری کے ساتھ کارو کیا ہے وہ اپنی جان کے خوف سے روپوش ہوگیا ہے اور بے چاری نوری نے وڈیرے آچر خان کی حویلی میں اپنی جان بچانے کی خاطر پناہ لے لی، فیصلہ رجواڑیں تک جا پہنچا بالآخر تھر کے وڈے سرداروں نے جن میں مکھ سردار میر موریو خان تھا انہوں نے سائیں داد کے باپ رحیم داد اور دوسرے جوابدار یعنی مجھے پیش کیا۔ میڈا پٹ علی بخش جو واقع کا مکھ جوابدار تھا...... کو بھی وہاں لایا گیا...... لیکن ...... سائیں داد فرار تھا...... اس لئے کوئی آخری فیصلہ نہ ہو سکا...... مگر فی الحال یہ فیصلہ دے دیا گیا کہ سائیں داد کو تلاش کر کے رسم ''باہ پاڑیں'' (آگ پانی) کروائی جائے ...... اگر وہ سچا ہے تو ...... اس اعلان کے بعد سائیں داد خود کو پیش کر دے گا ...... لیکن اگر وہ ایک خاص مدت میں نہیں پہنچا تو...... تو اسے واقعی ...... ''کارو'' قرار دے دیا جائے گا ...... اور اُس کے وارثوں کو ...... سائیں داد کی جان کے بدلے چٹی یعنی ہرجانہ ...... دینا ہوگا ...... جو ...... اُس کی بہن کا سنگ (رشتہ) یا ...... روپے ...... زمین اور ڈھور ڈنگر (مویشی) بھی ہو سکتے ہیں۔'' وہ اتنا کہہ کر ذرا سانس لینے کو رکا......

میں اپنی جگہ ساکت، بڑے غور سے اُس کی طرف تکے جا رہا تھا...... میں جلد سے جلدی نوری کے متعلق اس کتھا کو پوری سن لینا چاہ رہا تھا ...... مجھے خود اپنی اِس قدر بدلی ہوئی کیفیت پر حیرت ہو رہی تھی کہ یہ مجھے اچانک بھلا کیا ہو گیا تھا ...... ماضی کا ایک ایسا حسین باب جس کی یاد ہنوز میرے سینے کے اندر تازہ تھی ...... کس طرح اہم...... قرار پانے لگا تھا...... میں نے اسی ...... اثناء میں ...... جاڑو خان سے

نوری کے باپ کے لئے ...... کچھ کھانے پینے کی چیزیں لانے کا کہہ دیا تھا......

وہ ''نا ...... نا'' کرتا رہ گیا مگر میں اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے ...... اضطراب آمیز بے قراری سے بولا۔ ''بابا ...... آگے بتاؤ ...... آخر پھر کیا فیصلہ ہوا ...... آخر نوری کو...... آچر خان کی حویلی میں کیوں رکھا گیا ہے......''

میرے استفسار پر بابا کے لہجے میں پچھتاوے کی جھلک عود کر آئی ...... بولا۔

''میں نے ہی بھوتار آچر خان سے اپنے ہتھ جوڑ کر عرضی دی تھی کہ وہ میڈی دھی نوری کو آپڑیں حفاظت میں رکھے ...... جب تک یہ فیصلہ نہیں ہو جاتا......''

''کیوں ...... تم نے ایسا کیوں کیا ...... بابا ...... تم نہیں جانتے ان اونچی حویلیوں میں کیا ہوتا ہے۔'' میں جیسے اس کی بات سن کر چیخ اٹھا۔

میرے اس طرح چلانے پر وہ بے چارہ سہم کر رہ گیا ...... وہ بالکل سیدھا سادہ شخص تھا ...... نہیں جانتا تھا کہ ...... اُس نے اِس طرح خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری تھی ...... علی بخش تو نوری کو ایک بار ہی کلہاڑی سے ختم کر دیتا مگر ...... وڈیرے آچر خان کی حویلی میں تو بے چاری روز ہی مرتی اور جیتی ہوگی ...... مجھے ان زیریں علاقوں میں رائج ایسی سفاک رسموں پر سخت غصہ اور دکھ محسوس ہوتا تھا ...... بالخصوص ان خود ساختہ رسموں کی چکی میں ...... غریب ہاری اور گوٹھ کے دیگر معصوم لوگ ہی پستے تھے بلکہ میرے مشاہدے میں تو یہ بھی تھا ...... بسا اوقات ...... کچھ وڈیرے ہی لکیر کے فقیر بنے ان جاہلانہ رسموں کے سامنے بے بس تھے ...... وہ ان جاہلانہ رسموں کی چھری اپنی اولاد پر ہی چلانے سے نہیں چوکتے تھے ...... ان میں بالخصوص ...... جوان لڑکیوں اور عورتوں کو ہی نشانہ بننا پڑتا تھا ......نوری کے معاملے میں بھی یہی کچھ ہوا تھا ...... اب پتہ نہیں نوری بے چاری واقعی سائیں داد نامی اُس چھوکرے کے ساتھ سچ مچ اُس کے بھائی علی بخش نے جوش غیرت میں آکر کاری کیا ہے ...... یا اس میں بھی اُس کا اپنا کوئی مفاد تھا ...... کیونکہ اس قسم کی خود ساختہ رسموں میں غیرت کے نام پر کم، ذاتی مفادات کا زیادہ دخل ہوتا تھا۔

بہرطور ...... آخر میں نوری کے باپ نے ...... جس کا نام مجھے بعد میں موگو معلوم ہوا ...... یہ بھی بتایا کہ ...... وہ اس صورت حال پر بہت پریشان ہوگیا تھا۔

جب اُس نے دیکھا کہ اُس کا بیٹا علی بخش ...... خود اپنی ہی بہن نوری کی جان کا دشمن ہو گیا ہے تو اُس نے وڈیرے آچر سے درخواست کر کے اُسے کسی حتمی فیصلے تک آچر خان کی حویلی میں چھوڑ دیا...... سائیں داد کے مقررہ مدت تک از خود پہنچ جانے یا اُسے تلاش کر کے ''باہ پاڑیں'' کرنے تک ...... نوری، آچر خان کی حویلی میں ہی رہے گی۔

''باہ پاڑیں'' کی رسم کے متعلق بتاتا چلوں کہ جس فرد کو کسی کے ساتھ کارو یعنی ملوث کیا گیا ہو...... وہ اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے ...... (بشرطیکہ وہ زندہ بچ گیا ہو) اُسے پندرہ بیس فٹ دہکتے ہوئے انگاروں کی روش پر سے گزارا جاتا ہے ...... انگاروں پہ ننگے پاؤں چلانے سے پہلے ایک بکرا ذبح کر کے اس کے خون سے ''کارو'' شخص کے پاؤں دھوئے جاتے ہیں پھر اسے انگاروں پہ چلایا جاتا ہے ...... لیکن یہ ایک حیرت انگیز حقیقت بھی ہے کہ...... اگر وہ جھوٹا ہو تو اس کے پاؤں میں آبلے پڑ جاتے ہیں ...... ''سچا'' ہونے کی صورت میں اس پر ذرا بھی آنچ نہیں آتی ...... اس طرح سچے آدمی کو ''گاڑو'' یعنی سرخ رو کہا جاتا ہے......

اب جبکہ سائیں داد کو برآمد نہیں کیا جا سکا تھا لہٰذا وہ ''کارو'' قرار دیا جا چکا تھا...... پہلے سے کئے گئے راجواڑیں فیصلے کے مطابق سائیں داد کی جوان بہن جس کا نام ''بھاگی'' تھا...... ''اسے ''چٹی'' یا ''ہرجانے'' کے طور پر علی بخش کے نکاح میں دے دیا گیا تھا اور ساتھ ہی دو بھینس، دو بیل اور نقد دس ہزار روپے علی بخش کو یا اُس کے باپ موگو کو ادا کئے گئے تھے ...... اب جب کہ اس ''خود ساختہ'' فیصلے پر عمل درآمد ہو چکا تھا تو ...... موگو کو اپنی معصوم بیٹی نوری کی یاد ستانے لگی تھی۔ موگو اب وڈیرے آچر خان سے اپنی بیٹی نوری کو واپس اپنی پناہ میں لینے کی عرضی دے رہا تھا ...... مگر وڈیرا آچر خان مسلسل ایک ماہ سے اُسے یہ ڈراوے دے رہا تھا کہ اگر وہ اپنی بیٹی نوری کو واپس اپنے گھر لے جائے گا تو کوئی بعید نہیں کہ اُس کا بیٹا ...... یعنی نوری کا بھائی علی بخش اُسے کلہاڑی سے ہلاک کر ڈالے گا ...... کیونکہ وہ بہرحال علی بخش کی نگاہوں میں ایک ''کاری'' بہن تھی ...... جس کی سزا صرف اور صرف موت تھی۔

موگو نے مجھے یہ بھی بتایا تھا علی بخش بھی اس سلسلے میں باپ کے ساتھ وڈیرے آچر خان کی حویلی آیا تھا اور اُس سے اپنی بہن ''نوری'' کو اپنے ہمراہ گھر جانے کی درخواست کی تھی ...... بہرطور وڈیرے آچر خان کا ایک غریب کی بیٹی سے کیا ''مفاد'' تھا۔ وہ نوری کو اُن کے حوالے کرنے سے کیوں انکاری تھا۔ اس کا جواب کسی کے پاس نہ تھا۔

خود نوری کی مرضی بھی اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ واپس گھر جانے کی نہیں تھی ...... جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ...... نوری کو اپنے بھائی علی بخش سے جان کا خطرہ تھا...... نوری کا یہ مسئلہ اتنا گھمبیر صورت اختیار کر گیا تھا کہ خود میرا ذہن تک جھنجھلا کر رہ گیا تھا......

مجھے اب نوری سے ملنے کی بے چینی ہو رہی تھی اور میں نے وڈیرے آچر خان سے فوری طور پر اس سلسلے میں ایک اور ملاقات کرنے کا ارادہ کر لیا تھا ...... مجھے اس بات کا بھی یقین تھا کہ بے چاری معصوم نوری بے گناہ تھی ...... وہ کسی طرح بھی سائیں داد نامی چھوکرے سے، جو ہنوز مفرور تھا...... روابط نہیں استوار کر سکتی تھی کیونکہ وہ ایسی تھی ہی نہیں ...... وہ اپنی ماں کے ساتھ ہمارے گھر کام کرنے اکثر آ جایا کرتی تھی ...... میں اُس وقت دس، گیارہ سال کا تھا...... ہم دونوں کسی ''طبقاتی تفاوت'' سے بے نیاز ایک دسرے کے ساتھ کھیلا کرتے ...... حتیٰ کہ عنفوانِ شباب میں بھی ہم ایک دوسرے کے ساتھی بن چکے تھے...... یہ الگ بات تھی کہ وہ اب مجھ سے ذرا شرمانے لگتی تھی ...... وہ اتنی معصوم اور شرمیلی تھی کہ میرے ہمراہ بھی گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی ...... تاہم میں اُس کی بڑی کشادہ اور سرگیں آنکھوں میں اپنے لئے ایک خاص قسم کی چمک محسوس کرتا رہتا تھا اور اُس وقت تو اُس کی مدھری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے ...... جب میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے ٹنڈو جام یونیورسٹی چلا گیا مگر پھر انہی دنوں جانے کیا ہوا کہ میرے بابا سائیں نے میری ماں کو ٹھٹھہ شہر کے بڑے سے مکان میں منتقل کر دیا...... اور پھر میرا اپنے آبائی گوٹھ میں آنا جانا تقریباً موقوف ہو گیا ...... میں اپنی پڑھائی میں ایسا مگن ہو گیا کہ گھر بھی کم ہی جانے لگا ...... لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ نوری کی محبت کا جو پودا بچپن سے میرے دل

میں تھا...... وہ اب ایک تن آور درخت بن چکا تھا...... اُس دن شوریدہ سر خیالات کی یلغار میرے دل و دماغ میں اس قدر رہی تھی کہ میں اور جاڑو خان معمول کے مطابق آدھی رات کو اپنے طور پر جنگل کا راؤنڈ بھی نہیں لے سکے...... اور رات کو جلدی سو گئے۔

◆❀◆

اگلے دن علی الصباح میں نے پھر وڈیرے آچر خان کی حویلی جانے کا قصد کیا...... وڈیرے آچر خان سے بہت جلد دوبارہ ملاقات کے میرے ارادے نے جاڑو خان کو حیرت سے دوچار تو کیا مگر وہ شاید نوری کے سلسلے میں...... میرے معاملہ سول کو بھانپ چکا تھا...... اس لئے وہ مجھ سے کچھ کہے بغیر...... میرے ساتھ ہو لیا...... اگر نوری کا معاملہ نہ ہوتا تو میں اتنی جلدی وڈیرے آچر خان کی حویلی نہ جاتا۔ ہم حویلی پہنچے تو وڈیرا آچر خان وہاں موجود نہ تھا...... منشی پیرل سے معلوم ہوا کہ وڈیرا آچر خان شہر (ٹھٹھہ) گیا ہوا تھا بچوں کو لینے...... تاہم منشی پیرل نے ہماری ''چاکری'' کرنا ضروری سمجھا اور ہمیں حویلی کے ہی ایک کمرے میں بٹھا دیا...... پھر خود بھی ہمارے سامنے مونڈھے پر آن بیٹھا اور حسب عادت اپنی باچھیں پھیلا کر گول عدسوں والا اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے بولا۔ ''سائیں! خیر تو ہے...... کیا کوئی ضروری کام تھا...... بھوتار سائیں سے......''

میں نے اُس کی طرف دیکھ کر جواباً چند ثانیے کچھ سوچا...... پھر بولا۔ ''ہاں...... کام تو ضروری تھا...... لیکن کوئی بات نہیں...... ہم پھر حاضر ہو جائیں گے......''

''ارے بابا......! نہیں سائیں آپ آئے ہو تو بیٹھو...... مجھے معلوم ہے آپ چائے شوق سے پیتے ہو...... میں آپ کو چائے پلواتا ہوں...... بلکہ اگر ہو سکے تو مجھ سے بھی آپ وہ ضروری بات کر سکتے ہیں......'' منشی نے پھوہڑ پنے سے کہا تو میں مسکرا کر بولا۔ ''ہاں...... آخر کو تم بھی حیثیت رکھتے ہو...... ویسے کب تک واپسی ہو گی سائیں آچر خان کی؟''

''شام...... یا پھر کل تک ہی لوٹیں گے...... دراصل سائیں وڈے کا پٹ بابل خان ولایت سے آ رہا ہے...... ایک دو روز تو ظاہر ہے وہ شاید شہر والے بنگلے

میں رہیں...... پھر سب لوگ اِدھر ہی آ جائیں گے......'' منشی پیرل نے تفصیل بتائی اور میں وڈیرے آچر خان کے بیٹے بابل خان کا نام سن کر ذرا چونکا تھا...... ماضی کے حوالوں سے یہ نام بھی مجھے نوری کے نام کی طرح عارضی طور پر میرے ذہن سے محو ہو گیا تھا مگر آج میں اسے دوبارہ سن کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا......

تاہم میں اس وقت نوری کے سلسلے میں وہاں آیا تھا اور وڈیرے کی غیر موجودگی کے باوجود منشی کے ساتھ محفل جمانے کا مقصد ہی میرا یہی تھا کہ نوری کے بارے میں اُس سے کچھ معلوم کروں...... لیکن سردست میں ابھی اِدھر اُدھر کی باتوں میں منشی کو لگانا چاہتا تھا...... میرے حق میں ایک یہ بات بھی مفید رہی تھی کہ مجھے اوطاق کی بجائے...... حویلی کے ہی کمرے میں بٹھایا جاتا تھا۔ منشی پیرل کی چائے کی دعوت میں نے خوشدلی کے ساتھ قبول کر لی تھی...... چند ثانیے اِدھر اُدھر کی گفتگو کے دوران میں نے کمرے کا گہری نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے منشی سے بولا۔ ''منشی صاحب! یہ اپنے آچر سائیں بلاشبہ اچھے ذوق کے مالک ہیں...... باہر سے حویلی جس قدر خوبصورت ہے...... اندر سے اور بھی قدیم طرز تعمیر کا شاہکار نمونہ معلوم ہوتی ہے۔''

میرے توصیفی انداز نے اُسے پھلا دیا...... اور وہ خاصا اکڑ کر بولا۔ ''ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے سائیں بگھیو صاحب یہ تو حویلی کا ایک عام سا کمرہ ہے...... اندر اس سے زیادہ خوبصورت کمرے ہیں۔''

اُس کی بات پر میں اپنے لہجے میں اشتیاق بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''دل تو بڑا چاہتا ہے...... اندر سے اس خوبصورت حویلی کا جائزہ لوں...... دراصل ایسی قدیمِ طرز تعمیر والی خوبصورت حویلی آج تک میں نے نہیں دیکھی......''

میرے یہ کہنے کی دیر تھی کہ منشی پھیل گیا۔ ''سائیں......! گھر کے آدمی ہو...... آؤ...... آپ کو اندر سے بھی دکھا دوں حویلی...... بال بچہ کوئی بھی اندر نہیں ہے...... حویلی خالی ہے...... سوائے خدمت گاروں کے......'' اس نے کہا اور میں ذرا تامل کے بعد راضی ہو گیا...... جاڑو خان کو میں نے وہیں بیٹھے رہنے دیا...... اور پھر منشی کے ساتھ اندرونی حصے کی طرف چلا گیا۔

بلند و بالا در و بام اور غلام گردشیں ...... اونچی چھتوں والے خوبصورت کمرے سبھی دیکھ ڈالے ...... چند ملازم بھی نظر آئے ......

منشی مجھے بالائی حصے میں بھی لے گیا ...... جہاں ایک بڑے ہال کمرے میں علاقائی طرز کا چوبی منقش فرنیچر بڑی خوبصورت اور انوکھی سجاوٹ بکھیر رہا تھا اس کمرے کے چاروں طرف محرابی دریچے تھے ...... یہ جگہ اتنی بلند تھی کہ ایک دریچے سے کینجھر جھیل کا منظر بھی دکھائی دے رہا تھا ...... جہاں شمالی علاقوں سے ہجرت کر کے آنے والی مرغابیاں اور دیگر آبی پرندوں کی ڈاریں اڑتی ہوئی نظر آ رہی تھیں ...... میرے ریسٹ ہاؤس میں قدیم عمارت تو بالکل صاف دکھائی دے رہی تھی ......

منشی نے مجھے بتایا کہ یہاں وڈیرے آچر خان کے امارات سے آئے ہوئے مہمان شہزادوں کے قیام و طعام کا بندوبست کیا جاتا ہے...... اب چونکہ شکار کا سیزن شروع ہونے کو تھا اور اُن کی آمد بھی قریب تھی ...... اس لئے کمرے کی روز جھاڑ پونچھ اور صفائی ستھرائی کی جاتی تھی ......

جب ہم واپس ایک راہداری سے گزر کر زینے کی طرف آئے تو دفعتاً مجھے اپنے دائیں جانب ...... ایک الگ تھلگ کمرے سے نسوانی سسکیوں کی آواز سنائی دی کمرے کا دروازہ بند تھا...... میں بری طرح ٹھٹکا۔

منشی کے چہرے پر یکایک الجھن آمیز پریشانی کے تاثرات ابھر آئے تھے......

''منشی صاحب......! کوئی ہے اس کمرے میں ...... شاید رو رہی ہے کوئی عورت ...... یا۔'' اس سے پہلے کہ منشی مجھے کوئی جواب دیا...... وہ گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز یک دم آہوں پھر ہسٹریائی چیخوں میں بدل گئی۔

اندر جو کوئی بھی تھا اس نے شاید ہماری موجودگی کا اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ نسوانی آواز اب باقاعدہ دادِ فریاد کرتے ہوئے سنائی دینے لگی ...... میں نے آواز پر غور کیا......''مجھے باہر نکالو...... میں کہتی ہوں ...... مجھے باہر نکالو...... ورنہ...... ورنہ میں ...... دروازہ توڑ ڈالوں گی......''

اس کے ساتھ ہی اس کمرے کا بند دروازہ اندر سے بڑے زور زور سے

دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

''یہ کون ہے ...... منشی صاحب......!'' میں نے قدرے چونک کر منشی سے پوچھا تو وہ اس بات کو صرف نظر کرتے ہوئے بولا۔''چھوڑو...... سائیں ...... ہے کوئی لڑکی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ زینہ اترنے لگا۔

چار و ناچار میں بھی اُس کمرے پر آخری نظریں ڈالتے ہوئے نیچے اُس کے عقب میں ہولیا۔ ساتھ ہی میرے دل میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا...... کہیں یہ نوری تو نہیں ......مگر یہ آواز مجھے نوری کی تو نہیں معلوم ہو رہی تھی ...... اتنے میں ایک بوڑھی ملازم خاتون جو وہاں موجود تھی ...... منشی نے اُس سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔''عنایتاں......! اوپر بی بی جی کے کمرے میں نوری کو بھیج دو ...... اُسے سنبھالے۔''

اور مجھے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا......نوری کے نام نے مجھے بری طرح چونکنے پر مجبور کر دیا۔

====*

منشی پیرل کے منہ سے ''نوری'' کا نام سن کر میرے ٹھٹکنے کی دو وجوہات تھیں۔ پہلی یہ کہ بی بی جی آخر کون تھیں؟ دوسری یہ کہ کیا نوری میری نوری تھی۔ موگو ہاری کی بیٹی جس کے بیٹے نے اسے ''کاری'' کیا تھا اور جو میرے بچپن کی محبت تھی۔ میں انہی حیران کن الجھی ہوئی سوچوں کے ساتھ اس کمرے میں آ گیا جہاں جاڑو خان ہمارا منتظر تھا۔

وہاں چائے اور دیگر لوازمات ایک میز پر رکھ دیئے گئے تھے۔ میں نے کنکھیوں سے منشی پیرل کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر الجھن آمیز پریشانی کے آثار ہنوز موجود تھے۔

میں نے فوراً چائے کی ایک چسکی لے کر پوچھا۔ ''منشی صاحب ...... ! یہ اوپر کمرے میں کون لڑکی تھی ......؟''

میرے استفسار پر وہ قدرے جان چھڑانے والے انداز میں بولا ...... ''چھوڑو سائیں ...... یہ سائیں بھوتار ...... کا اپنا کوئی خاندانی معاملہ ہے۔ آپ سے ایک عاجزانہ درخواست ہے کہ سائیں وڈے آچر خان سے اس بات کا ذکر نہ کرنا۔'' یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں حد درجے پریشانی کے آثار عود کر آئے تھے۔ میں نے مناسب یہی سمجھا کہ اس بات کو طول دینے کی بجائے مطلب کی بات کروں۔ لہٰذا اس کی تسلی کی غرض سے اپنے چہرے پر فوری دوستانہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا۔ ''ارے نہیں منشی صاحب! میں کیوں یہ بات سائیں آچر خان سے کرنے لگا۔'' پھر چند ثانیے توقف کے بعد اس سے پوچھا۔ ''منشی صاحب ...... یہ نوری کون ہے۔ سنا ہے اسے اس کے بھائی علی بخش نے ''کاری'' کیا ہے اور وہ اپنی جان کے خوف سے یہاں پناہ لئے ہوئے ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے بغور

منشی پیرل کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑ دیں۔

وہ میرے سوال پر چونک کر میری جانب تکنے لگا۔ پھر ...... عجیب سے لہجے میں بولا ...... ''سائیں بگھیو صاحب ...... یہ معاملات تو یہاں روز کا معمول ہے، کوئی اور بات کرو۔''

میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ میری بات ٹال رہا تھا لیکن میں نے بھی تہیہ کر رکھا تھا کہ نوری کے سلسلے میں پوری آگاہی حاصل ہونے کے بعد ہی یہاں سے جاؤں گا۔ لہٰذا اپنی بات پر زور دیتے ہوئے منشی سے دوبارہ مستفسر ہوا۔ ''میں درحقیقت نوری کے سلسلے میں ہی یہاں آیا تھا۔ چلو کوئی بات نہیں، میں خود ہی آچر خان سے پوچھ لوں گا۔'' میرا تیر نشانے پر بیٹھا تھا کیونکہ اگلے ہی لمحے منشی کچھ پریشان سا دکھائی دینے لگا۔ وہ بولا۔ ''سائیں! خیر تو ہے، بھلا آپ کو نوری سے کیا دلچسپی ہے؟''

''بات دراصل یہ ہے منشی صاحب۔'' میں پہلو بدل کر بولا ...... ''نوری کا باپ موگو ...... میرے بابا سائیں کے پاس آیا تھا اور اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا۔ کہہ رہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی نوری کو واپس اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے مگر ...... آچر خان ......''

''بے وقوف ہے ...... وہ بڈھا۔'' منشی یک دم میری بات کاٹتے ہوئے غصیلے لہجے میں بولا۔ ''وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے بیٹے علی بخش نے اسے ''کاری'' کیا ہے۔ اس کی جان کے درپے ہے۔ پھر بھی وہ بے وقوف اپنی بیٹی کو موت کے حوالے کرنا چاہتا ہے اور پھر نوری یہ بات اچھی طرح جانتی ہے اس لئے وہ اپنی مرضی سے یہاں سائیں بھوتار کی پناہ میں رہ رہی ہے۔'' منشی کی بات سن کر میں نے اپنے سر کو تفہیمی جنبش دی پھر اس کی تائید میں بولا ...... ''اچھا تو یہ بات ہے۔ پھر تو واقعی نوری کو ادھر ہی رہنا چاہیئے۔'' پھر فوراً ہی میرے دل میں ایک خیال مچلا اور دوبارہ منشی سے مخاطب ہوا۔ ''منشی صاحب ...... آپ کی بڑی مہربانی ہو گی اگر آپ ایک بار نوری کو میرے سامنے لے آئیں۔ میری بات کا آپ غلط مطلب نہ لینا۔ دراصل میں چاہتا ہوں کہ نوری کو ایک نظر دیکھ لوں تاکہ پھر میں حویلی جا کر

اپنے بابا سائیں کو تسلی دے سکوں۔'' میں نے یہ کہہ کر منشی کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اسے میری بات ناگوار گزری تھی۔ اس کے چہرے کے بدلتے تیوروں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اگر اس وقت میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اسے انتہائی نخوت کے ساتھ کہتا۔ ''تم کون ہوتے ہو ہمارے وڈے سائیں کے معاملات میں دخل دینے والے۔'' مگر چونکہ منشی مجھ سے تعلقات بگاڑنا نہیں چاہتا تھا اس لئے پہلے تو چند ثانیے میری جانب عجیب نگاہوں سے دیکھا اس کے بعد جیسے راضی ہوتے ہوئے اپنا سر اثبات میں ہلا کر ایک خدمتگار سے نوری کو پیش کرنے کے لئے کہا۔ میں نے جس مقصد کے لئے جھوٹ گڑھا تھا وہ مجھے پورا ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ خدمت گار نوری کو بلانے کے لئے جا چکا تھا اور میرے دل میں نوری کو دیکھنے کے لئے عجیب دھکڑ پکڑ ہونے لگی۔ میں سوچنے لگا کہ خود نوری کی مجھے دیکھ کر کیا حالت ہوگی۔

اثنائے راہ میں نے محسوس کیا تھا کہ منشی پیرل میری جانب بڑی گہری نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ خدمتگار کے ہمراہ ایک غریب اور معصوم سی لڑکی ...... اجرک کی میلی چادر سے چہرہ ڈھانپے اپنا سر جھکائے وہاں آئی۔

میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔

اس نے بھی غیر ارادی طور پر خفیف سا اپنا سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور پھر جیسے دو دلوں کی دھڑکنیں رک گئیں۔ زمین آسمان ایک ہونے لگے۔ لڑکی کی آنکھوں میں یکا یک ایک ٹھٹکی ہوئی چمک ابھری تھی اور شناسائی کی ایک جھلک مجھے بھی اس کی آنکھوں میں دکھائی دے گئی تھی۔ وہ مجھے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر چونکی تھی۔ بے اختیار اس نے اپنے چہرے سے اجرک کا نقاب گرا دیا تھا۔ وہ نوری ہی تھی ...... وہی معصوم ...... سندر تیکھی نوری ...... وہی کینجھر جھیل کی سی گہرائی والی بڑی بڑی کشادہ شرمیلی آنکھیں ...... جہاں فرقتوں کی شام اتری ہوئی تھی۔ سیدھی ستواں ناک ...... کھلتے گلاب کا سا دہانہ ...... صندلی رنگ ...... وہ بالکل بھی تو نہیں بدلی تھی ...... اس کے دل موہ لینے والے معصوم چہرے کے تاثرات اب بھی ویسے ہی تھے جہاں شرم وحیا کی لالی اسے ہمیشہ ملکوتی حسن بخشا کرتی تھی۔

ہم جیسے نگاہوں ہی نگاہوں میں ایک دوسرے میں کھو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے تھے۔ ہمارے کپکپاتے ہونٹوں پر مسرتیں کروٹیں لے رہی تھیں۔ سرائے دل میں محبتوں کا ''یک تارا'' بج رہا تھا۔ مجھے تو اس بات کا بھی پتہ نہیں چل سکا تھا کہ میں کب اپنی جگہ سے یک دم بے اختیار ہو کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ تب معاً...... کسی کے زور سے کھنکارنے کی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

''سائیں بگھیو صاحب! کہاں کھو گئے؟ لگتا ہے آپ اس چھوکری کو پہلے سے پہچانتے ہو۔'' یہ مکار منشی پیرل کی آواز تھی اور منشی نے لفظ ''پہچانتے ہو'' ...... پر خاصا زور دے کر با آواز بلند کہا تھا۔ پھر یک دم میں اپنے آپے میں آ گیا۔ آن کی آن میں مجھے اس بات کا بھی احساس ہو گیا تھا تاڑنے والی گھاگ نظروں نے ضرور میرے اور نوری کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے سے کچھ کچھ ''اندازہ'' لگا لیا تھا۔

''آں ...... ہاں ...... ہاں ...... منشی صاحب! مجھے لگتا ہے کہ میں نے اسے پہلے کہیں دیکھا ہے۔''

میں یکا یک ہی خیالات سے چونکا تھا۔ بے اختیار میرے لبوں سے یہ نکلا تھا مگر پھر اچانک ہی میں نے خود کو جیسے سنبھال لیا۔ منشی پیرل کے کہے ہوئے ذومعنی الفاظ پر غور کرتے ہوئے ...... عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ دوبارہ بولا۔ ''ہاں ...... یہ ہمارے گھر کام کرنے آتی تھی۔''

میرے مختصر سے جواب سے منشی کے لبوں پر عیارانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ شاید میں موضوع کو ہی طول دینا نہیں چاہتا تھا۔

ادھر میں نے پھر ...... نوری کی طرف کنکھیوں سے دیکھا ...... جو اب اجرک سر پر ڈالے اپنا سر جھکائے کھڑی تھی۔

''چھوکری ...... یہ آپڑیں معزز ...... زمیندار سائیں خیر محمد بگھیو کے وڈے پٹ ...... فیض محمد بگھیو ہیں۔ ان کو بتا دے کہ تو نے یہاں اپنی جان کے خوف سے پناہ لی ہوئی ہے ...... تا کہ ان کی تسلی ہو جائے۔'' دفعتاً منشی پیرل نے نوری کو با آواز بلند مخاطب کر کے کہا۔ پھر میں نے دیکھا کہ نوری نے اپنے سر کو دھیرے سے اثبات میں ہلایا۔ میرے دل میں خواہش مچلی تھی کہ نوری ...... کچھ بولتی تا کہ میں اس کی

میٹھی آواز کی شیرینی اپنی پیاسی سماعتوں میں انڈیلتا۔ اتنے میں منشی میری طرف دیکھتے ہوئے مجھے مخاطب کر کے بولا۔ ''ہاں سائیں ...... آپ کی تسلی ہو گئی کہ یہ یہاں بالکل ٹھیک ہے اور اپنی مرضی سے ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے خدمتگار کو نوری کو واپس لے جانے کو کہا۔ میں ابھی منشی سے نوری کے سلسلے میں مزید باتیں کرنا چاہتا تھا مگر پھر کچھ سوچ کر چپ ہو رہا اور اس کے بعد جاڑو خان اور میں واپس ریسٹ ہاؤس آ گئے۔

◆❁◆

نوری کا ''خاموش'' سامنا ہونے کے بعد میں مزید بے چین ہو گیا تھا اور اس سلسلے میں اب مجھے حتمی طور پر وڈیرے آچر خان سے ملاقات کرنی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس سلسلے میں آچر خان مجھ سے کیا کہے گا۔ میں نوری سے تنہائی میں ایک ملاقات کرنا چاہتا تھا مگر یہ سردست مجھے ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کیا نوری بھی مجھ سے ملنے کو اسی طرح بے چین ہوگی۔ وڈیرے آچر خان کے آنے تک یہ بات فی الحال آگے نہیں بڑھ سکتی تھی۔ پھر معاً مجھے بابا سائیں کی بات کا خیال آیا۔ یار محمد نے جس مجو ہاری کی بیوی کو چھیڑا تھا اس کا قضیہ بھی نمٹانا تھا ...... لہٰذا شام کے پانچ بجے کے لگ بھگ میں جاڑو خان کے ساتھ جیپ میں سوار ہو کر گوٹھ کی طرف نکل گیا۔

جاڑو خان کے ذریعے میں نے مجو ہاری کے گھر کا پتہ معلوم کر لیا تھا ...... اب ہماری جیپ گوٹھ کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر دوڑی چلی جا رہی تھی۔ دفعتاً مجھے سامنے اپنے چند دوستوں کے ساتھ یار محمد آتا نظر آیا۔ میں جیپ اس کے قریب روک کر نیچے اتر آیا۔ یار محمد ایک مضبوط جسم کا لڑکا تھا۔ عمر بیس پچیس کے درمیان رہی ہوگی ...... چہرے پر سیاہ گھنی مونچھیں اور داڑھی۔

مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح ناگواری عود کر آئی تھی۔ میں نے اس سے متانت بھرے لہجے میں کہا۔ ''یار محمد ...... ! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔''

میری بات سن کر اس نے ایک نظر اپنے ساتھ کھڑے دوستوں پر ڈالی پھر

قدرے گھمبیر لہجے میں بولا۔ ''ہاں کہو ...... میں سن رہا ہوں۔''

''تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''کہاں ......؟'' اس نے پوچھا۔

''مجو ہاری کے گھر ......''

میری بات سن کر اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا پھر وہ استہزائیہ لہجے میں اپنی گھنی بھنویں اچکاتے ہوئے بولا۔ ''اوہ ...... اس کا مطلب ہے بابا سائیں کے کان تم نے بھر دیئے ہیں۔''

''یار محمد! مجھے اس مسئلے کے بارے میں علم ہی نہیں تھا۔ انہوں نے ہی مجھے بتایا کہ تم نے مجو ہاری کی جواں سال بیوی کو ......''

''ادا ...... فیض محمد تمہیں میرے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں ...... تم اپنی آفیسری سنبھالو جا کر ......'' اس نے نہایت بدتمیزی سے میری بات کاٹ کر کہا تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی مگر میں اپنے غصے کو قابو میں رکھتے ہوئے سخت لہجے میں بولا۔ ''مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہارے فضول معاملات میں ٹانگ اڑانے کی ...... اور سنو ...... مجھ سے تمیز سے بات کرو ...... میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔''

''بھائی ...... ہونہہ ......'' وہ حقارت سے طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''بڑے بھائی ہو یا بڑے ''حصے دار'' ......؟''

اس کا لہجہ بدستور تاؤ دلانے والا تھا مگر میں چاہتا تو اسے اچھی طرح سبق سکھا سکتا تھا مگر بابا سائیں کی وجہ سے خاموش رہا اور پھر تحمل مزاجی سے بولا۔ ''دیکھو یار محمد ...... ! تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے بابا سائیں پریشان رہنے لگے ہیں ...... تمہیں معلوم ہے ...... مجو ہاری تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ وہ کلہاڑی اٹھائے تمہاری جان کے درپے ہے۔''

وہ میری بات سن کر ایک قہقہہ بلند کرتے ہوئے حقارت سے بولا۔ ''وہ ہمارا معمولی ''رہاک'' ہے، میرا کیا بگاڑ لے گا ...... وہ غریب کا بچہ ......''

''وہ غریب کا بچہ ضرور ہے لیکن غیرت مند بھی ہے ...... عزت کے نام پر سر

کاٹنا اور کٹوانا اچھی طرح جانتا ہے وہ......''

میں نے دانت پیس کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

اس کے دوست جو اپنی وضع قطع سے ہی اوباش نظر آ رہے تھے...... میری جانب کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ وہ تعداد میں پانچ تھے...... تین کے پاس بندوقیں اور دو کے کاندھوں پر کلہاڑیاں ٹکی ہوئی تھیں۔

میرے جواب نے یار محمد کو تلملا کر رکھ دیا تھا اور اس کی آنکھوں میں اب درشتی کے ساتھ کینہ توز چمک بھی عود کر آئی تھی...... لہٰذا میری بات سن کر وہ نہایت زہرخند لہجے میں بولا۔ ''میں نے کہا نا ادا فیض محمد کہ میرے معاملات میں تمہیں الجھنے کی ضرورت نہیں...... میں خود اس مجو ہاری سے نمٹ لوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے دوستوں کی طرف دیکھا پھر آگے بڑھنے لگا تو میں نے اس کا راستہ روک کر ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر متنبہ کرتے ہوئے بولا۔ ''میں مجو ہاری کے گھر جا رہا ہوں...... اگر اس کی بات درست نکلی کہ تم نے واقعی اس کی بیوی کے ساتھ کمینگی کی تھی...... تو یاد رکھو...... تمہیں اس کی ''چٹی'' بھرنی پڑے گی۔''

میری بات سن کر وہ مزید چراغ پا ہو کر ڈھٹائی سے بولا۔ ''ہاں...... میں نے اس کی بیوی کے ساتھ کمینگی کی تھی...... میں دیکھتا ہوں کون مجھ سے ''چٹی'' لیتا ہے۔ تم جیسے بزدل لوگوں نے ہی ان ننگے بھوکے ہاریوں کا دماغ خراب کر رکھا ہے...... تمہاری اور بابا سائیں کی نرمی کی وجہ سے ہی یہ لوگ اب میرے منہ کو آنے لگے ہیں۔ ذرا بھی بوائی، کٹائی میں سے کم حصہ ملے تو یہ لوگ پریشان کرنے لگتے ہیں۔ جاؤ بڑے شوق سے...... اور کرو ان کا دماغ خراب......'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے دوستوں کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا اور پھر میری جانب زہرخند نگاہوں سے گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

میں چند ثانیے اپنی جگہ کھڑا...... گردن موڑ کر یار محمد کو غصے سے جاتا دیکھتا رہا۔ پہلے مجھے اس کے اس طرح کے سلوک پر دکھ ہوتا تھا...... اور میرا دل جانتا تھا یا پھر میرا خدا کہ میں نے کبھی بھی اسے سوتیلے پن کی آنکھ سے نہیں دیکھا تھا اور ہمیشہ اسے سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر نرمی سے سمجھانے کی کوششیں کرتا تھا مگر میرے نرم

رویّے اور اچھے برتاؤ نے اس کا مزید دماغ خراب کر دیا تھا...... مگر اب چونکہ اس کی حرکتیں شرمناک حد تک بڑھ چکی تھیں کہ میرے بابا سائیں وقت سے پہلے بوڑھے دکھائی دینے لگے تھے۔ میں اپنے بابا سائیں سے بہت محبت کرتا تھا۔ حالانکہ ہماری گوٹھ میں کئی سو جریب زمینیں تھیں...... میں نے کبھی یار محمد سے اس کا حساب کتاب کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ حتیٰ کہ بابا سائیں سے کبھی کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ یار محمد انہیں اناج کا درست حساب دیتا بھی ہے یا نہیں...... لیکن اب مجھے جانے کیوں یہ احساس بھی ہونے لگا تھا کہ اس معاملے میں بھی یار محمد پر کڑی نگرانی کرنی چاہئے تھی۔ مجھے اس کے کرتوتوں کا علم تھا کہ وہ کن بیمار قسم کی عیاشیوں میں مبتلا رہنے لگا تھا۔ میں نے تو یہ بھی سن رکھا تھا کہ جب بابا سائیں ٹھٹھہ والے گھر میں آ کر ٹھہرتے تھے تو گوٹھ میں اس کی موجیں ہو جاتی تھیں...... وہ اپنے اوباش آوارہ دوستوں کے ساتھ حویلی میں رات رات بھر راگ رنگ کی محفلیں جماتا تھا اور شہر سے باقاعدہ گانے والیاں بھی بلاتا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں بابا سائیں کو آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اسے ایک طرح کا ذوق یا امیرانہ خاندانی روش سمجھ کر چپ رہتے تھے۔

میں نے بھی پھر دوبارہ اس سلسلے میں بابا سائیں سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ بابا سائیں کی بے جا ڈھیل اور لاڈ نے اس کا نہ صرف دماغ خراب کر دیا تھا بلکہ اسے اس حد تک بگاڑ بھی دیا تھا کہ اب وہ دوسروں کی عزت کے ساتھ بھی کھیلنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ اب جبکہ صحیح طور پر بابا سائیں کو پانی سر سے اونچا ہونے کا ''خطرہ'' محسوس ہوا تھا تو انہوں نے پہلی بار یار محمد کے سلسلے میں مجھ سے مدد چاہی تھی۔

آخر میں بھی ان کا بیٹا تھا۔ میری عزت کا بھی سوال تھا لہٰذا میں نے اب تہیہ کر لیا تھا کہ یار محمد کو ایک آخری بار موقع دیتے ہوئے راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گا...... بصورت دیگر سختی کے ساتھ اس کی منہ زور گھوڑے جیسی حرکتوں پر لگام ڈالنی پڑے گی۔

پھر میں نے جاڑو خان کو جیپ میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ڈرائیونگ

سیٹ سنبھال کر آگے بڑھ گیا۔ میرا ارادہ یہی تھا کہ یار محمد کو مجو ہاری کے گھر لے جا کر صلح صفائی جسے ہم ''میہڑ'' کہتے ہیں کروا دیتا...... مگر یار محمد نے بدتمیزی کے ساتھ مجھے دھتکار دیا تھا۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ مجھے خود مجو ہاری سے اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں وہ یار محمد کو کوئی جانی نقصان نہ پہنچا بیٹھے...... بہرطور ذرا دیر بعد ہم مجو ہاری کے کچے اور ٹوٹے ہوئے گھر کے قریب پہنچ گئے۔

دھول اڑاتی اس ٹیڑھی میڑھی گلی میں بے ترتیب گارے مٹی والے گھروں کی کچی دیواروں پر اپلے تھپے ہوئے تھے۔ مجو ہاری کے گھر کے دروازے پر ٹاٹ کا پردہ جھول رہا تھا۔

جاڑو خان نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ تھوڑی دیر بعد اندر سے کسی کے کھانسنے کی آواز ابھری اور ساتھ ہی کسی نے باآواز بلند پوچھا۔ ''کیرآ...... (کون ہے)؟''

جواباً جاڑو خان بھی قدرے بلند آواز سے بولا۔ ''بابا دروازہ کھولو...... چھوٹے سائیں بگھیو صاحب آئے ہیں۔''

ذرا دیر بعد ہی دروازہ کھول کر ٹاٹ کا پردہ ہٹاتے ہوئے ایک مضبوط تن و توش کا شخص نمودار ہوا۔ اس کی عمر پینتیس سے متجاوز تھی...... چہرے مہرے سے وہ ایک عام ہاری نظر آ رہا تھا...... قد و قامت میرے جتنا تھا۔ اس نے سردی سے بچنے کے لئے بوسیدہ سی میلی چادر اوڑھ رکھی تھی اور انگلی میں بیڑی دبی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر قدرے کرختگی کے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ جو ہمیں دیکھ کر مزید گہرے ہوئے تھے۔ ہم نے اس سے ہاتھ ملایا پھر میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے پوچھا۔ ''مجو تمہارا ہی نام ہے۔''

''ہاؤ......'' (ہاں)...... وہ میری آنکھوں میں گھورتے ہوئے کھرکھرایا۔

''یار محمد سے تمہیں کوئی شکایت تھی۔ میں اس کا بڑا بھائی...... فیض محمد بگھیو ہوں...... تم سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔''

''یار محمد سے مجھے شکایت نہیں ہے سائیں......! میری تو اس سے دشمنی ہے۔ اس نے جو حرکت کی ہے اس کی سزا وہ بھگت کر ہی رہے گا۔'' میری بات سن کر اس کے لہجے میں درشتی اتر آئی تھی۔

میں نے ضبط سے کام لیتے ہوئے قدرے نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ ''دیکھو مجو......! یار محمد نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا...... اس کا نہ صرف مجھے بلکہ میرے بابا سائیں کو بھی دکھ ہے...... اور انہوں نے ہی مجھے تمہارے پاس میہڑ (صلح) کے لئے بھیجا ہے۔''

وہ میری بات سن کر گونجدار لہجے میں بولا۔ ''سائیں بھوتار کی وڈی مہربانی اور آپ کی بھی...... بس سائیں وڈے کا لحاظ ہی تھا کہ یار محمد ابھی تک زندہ ہے ورنہ......'' اس نے غصے سے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کا غصہ کچھ کم ہونے لگا ہے۔

میں نے جاڑو خان کو مخصوص اشارہ کیا...... اس نے فوراً میرا اشارہ پاتے ہی اپنی جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر رکھ کر مؤدبانہ مجو ہاری کی جانب بڑھائی۔ میں نے فوراً مجو سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''اگر تمہاری تسلی نہ ہو تو میں بابا سائیں کو بھی ادھر لے آؤں گا۔''

میری بات سن کر مجو یکدم نرم پڑ گیا اور فوراً چہرے پر قدرے خفت کے آثار لاتے ہوئے بولا۔ ''ارے نہیں...... نہیں سائیں......! وڈے بھوتار کو تکلیف نہ دینا...... بس...... ذرا یار محمد کو سمجھا دینا کہ ہم غریب لوگ ضرور ہیں، پر اپنی عزت کی حفاظت کرنا خوب جانتے ہیں اور یہ روپے شاہ کی درگاہ کی نذر کر دینا، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔'' اس نے روپے لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا اور جاڑو خان نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

مجو پر میرے حسن سلوک کا کچھ اتنا اثر ہوا تھا کہ اس کی آنکھوں اور لہجے تک سے درشتی ہوا ہو چلی تھی...... وہ اب ایک غریب ہاری دکھائی دینے لگا تھا لہٰذا فوراً اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے مجھ سے لجاجت آمیز لہجے میں بولا۔ ''سائیں! آپ نے مجھ غریب کے در پہ آ کر وڈی عزت بخشی...... کوئی چاہ پاڑیں (چائے پانی) ہو جاتی......''

''نہیں مجو...... تم نے میہڑ بخش دیا، ہمارے لئے یہی کافی ہے، وڈی مہربانی...... اب ہم چلتے ہیں۔''

میں نے کہا تو وہ یکدم بولا۔ ''سائیں بس ایک منٹ ٹھہرو......'' یہ کہتے ہوئے اس نے وہیں کھڑے کھڑے دروازے سے اپنے گھر کے اندر منہ کر کے کسی کو پکارا۔ ''آڑی اللہ وسائی ...... کیدھر ہے ...... باہر آ ...... چھوٹے سائیں بھوتار آئے ہیں۔'' پھر وہ میری جانب لجا کر بولا۔ ''سائیں ...... چادر بخشوالو۔'' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں سمجھ گیا تھا مجو نے اپنی بیوی کو بلایا تھا جس کے ساتھ یار محمد نے دست درازی کی کوشش کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد مجو کی بیوی اللہ وسائی دروازے پر اجرک کی میلی چادر میں سر جھکائے نمودار ہوگئی، میں فوراً آگے بڑھ کر اپنا دایاں ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر روایتی انداز میں بولا۔ ''آدی جیجل! میں اپنے بھائی کی طرف سے تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔''

وہ بے چاری چپ اپنا سر جھکائے کھڑی رہی تو مجو یکدم بولا۔ ''بس سائیں! یہ بولنے کی ضرورت نہیں، آپ نے ہاتھ رکھ دیا یہی کافی ہے۔''

اس کے بعد میں وہاں سے بابا سائیں کو اس معاملے کے نمٹنے کی اطلاع کرنے اپنی حویلی پہنچا اور بابا سائیں کی تشفی کرنے کے بعد ان سے گذارش کی کہ وہ یار محمد کو بھی لگام ڈالنے کی کوشش کریں۔ یہاں سے فارغ ہو کر جب میں واپس اپنے ریسٹ ہاؤس پہنچا تو رات سر پہ آ چکی تھی۔

اطراف میں پھیلے ہوئے جنگل میں اندھیرا مزید گہرا ہو چکا تھا اور وہ پراسرار سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا...... دن بھر کی مدھر گونج اب دبیز سکوت میں بدل گئی تھی...... میں نے جاڑو خان کے ساتھ رات کا کھانا کھایا اور آتشدان والے کمرے میں آ کر ایک کونے میں نصب دیوار گیر سنگی میز پر آ بیٹھا اور کچھ رپورٹس تیار کرنے لگا، یہ ماہانہ رپورٹ تھی جو مجھے کنزرویٹو سندھ کو صبح ارسال کرنی ھی۔ کام سے میں بمشکل گھنٹے بھر بعد فارغ ہو کر ایزی چیئر پر آ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں جاڑو خان حسب معمول کافی کے دو مگ بنا لایا۔

آج کی رات ہمارا جنگل میں دوبارہ مہم جوئی کا ارادہ تھا، نوری سے متعلق اور دیگر حالات ...... کچھ ایسے اوپر تلے پیش آتے رہے تھے کہ مجھے پراسرار طور پر کھودے جانے والے گڑھوں کے بارے میں مزید غور وفکر کرنے کا موقع ہی نہیں

مل پایا تھا۔

ابھی ہماری مہم جوئی کے شروع ہونے میں دو گھنٹے تھے لہٰذا ان دو گھنٹوں کے وقفے کو پاٹنے کے لئے میں اور جاڑو خان آپس میں یار محمد اور صوبو خان کی خفیہ گفتگو کے بارے میں اپنے اپنے طور پر رائے زنی کرتے رہے جس کا لب لباب یہی تھا کہ آخر یار محمد اور صوبو خان کو کسی کا دوچکھرانی کی لاش ڈھونڈنے میں ان کا آخر کون سا مقصد پوشیدہ تھا اور یہ سائیں دادن شاہ ...... میرو بھنگ صوالی کون لوگ تھے، کیا یار محمد اور صوبو خان کا ان لوگوں سے کوئی خاص تعلق تھا ...... مجھے پورا یقین تھا کہ اس روز اگر میں یار محمد اور صوبو خان کی پوری گفتگو سن لیتا تو یقیناً ان دونوں ماموں بھانجے کے پراسرار ڈرامے کا پتہ چل جاتا۔

''سائیں مٹھا......! میرا خیال ہے ہمیں سائیں دادن شاہ نامی آدمی کا پتہ لگانا چاہئے ...... یہ لاش والا چکر مجھے کوئی پراسرار گھن چکر ہی نظر آ رہا ہے۔''

ایک طویل خاموش وقفے کے بعد جاڑو خان نے کہا اور میں نے اس کے خیال سے قدرے اتفاق کرتے ہوئے اپنے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اس کی بات سن کر مجھے یاد آیا کہ وڈیرے آچر خان نے مجھے مذکورہ دادن شاہ نامی شخص کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ میرے بابا سائیں کا ایک قریبی واقف کار یا دوست تھا جس کا اظہار میں نے جاڑو خان سے بھی کیا اور بولا۔ ''دادان شاہ نامی شخص کے بارے میں ہو سکتا ہے میرے بابا سائیں کے ذریعے ہی کچھ معلوم ہو جائے......؟''

میری بات سن کر جاڑو خان نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر ٹھیک بارہ بجے ہم سیاہ موٹی چادریں اوڑھے حسب معمول ریسٹ ہاؤس کے عقبی دروازے سے باہر تاریک جنگل میں نکل گئے ...... جنگل میں پرسکون سناٹا پھیلا ہوا تھا البتہ جنگلی مچھروں کی آج کچھ زیادہ ہی بہتات محسوس ہو رہی تھی ...... ہم دونوں بڑی ہوشیاری کے ساتھ اطراف کی سن گن لیتے ہوئے اندھیرے جنگل میں گشت کرنے لگے...... آج سردی کا احساس نسبتاً کچھ کم تھا شاید اس لئے ماحول میں مچھروں اور جھینگروں کی ''سائیں سائیں'' گونج رہی تھی ...... پھر دفعتاً ہمیں جنگل کے مشرقی حصے سے ایک مشینی طرز کی گونج سنائی دی۔ ''چوری'' میرے ذہن میں فوراً ہی ایک خیال بجلی کی

سی تیزی کے ساتھ گونجا۔ ''جاڑو خان! تم نے یہ آواز سنی......'' میں نے سرگوشی میں جاڑو خان سے کہا۔

وہ تائیدی لہجے میں بولا۔ ''ہاؤ سائیں......! یہ کوئی آرا مشین ہے شاید دس ہارس پاور کی......''

''آؤ میرے ساتھ......'' میں نے کہا اور آواز کی سمت چل دیا۔ وہ مشینی گونج وقفے وقفے سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ ہم بڑی احتیاط کے ساتھ نرملوں کی جھاڑیوں اور کنڈ باوری کے پودوں سے الجھتے بچتے خاصے جھکے جھکے انداز میں آگے کی سمت بڑھ رہے تھے۔

کافی دور تک چلتے رہنے کے بعد ہم دونوں کو ٹھٹک کر رکنا پڑا۔

پھر کھجوروں کے چند بلند و بالا درختوں کے عقب سے ہم نے جھانکا تو سامنے کچھ ڈھاٹا پوش دکھائی دیئے، ان میں ایک کے ہاتھ میں گیس لیمپ تھا جس کی روشنی دانستہ دھیمی رکھی گئی تھی، دو شخص نہنگ کے ایک بلند درخت کے تنے پر آرا مشین چلا رہے تھے، ان دونوں نے بھی اپنے چہروں پر اجرکوں کے ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے، وہ غیر قانونی طور پر درخت کی کٹائی میں مصروف تھے جنہیں دیکھ کر میرا دماغ غصے کی شدت سے چھنکنے لگا۔

میرا جی چاہا کہ آڑ سے نکل کر انہیں للکاروں مگر شاید جاڑو خان نے میری یہ کیفیت بھانپ لی تھی لہٰذا وہ میرا بازو دباتے ہوئے بولا۔ ''سائیں مٹھا......! ابھی ذرا ماٹھ کرو......'' اس کی بات پر میں نے دھیمے مگر قدرے درشت لہجے میں کہا۔

''جاڑو خان......! یہ کیا کہہ رہے ہو...... وہ درخت کاٹ رہے ہیں...... وہ چور ہیں ......ہمیں انہیں روکنا پڑے گا۔''

''اسی لئے تو کہہ رہا ہوں سائیں کہ ابھی ماٹھ کرو...... یہ چور ہیں اور تعداد میں بھی زیادہ اور یہ مسلح بھی ہوں گے جو ہمارے لئے خطرناک بھی ثابت ہو سکتے ہیں...... میرا خیال ہے ہمیں ان کا تعاقب کرنا پڑے گا...... یہ کہاں جاتے ہیں اور کن کے آدمی ہیں۔''

مجھے جاڑو خان کی اس بات سے اتفاق نہیں ہو رہا تھا لہٰذا بولا۔ ''اس کا کیا

فائدہ ہوگا جاڑو خان......! ان کتوں کو ابھی رنگے ہاتھوں پکڑنا زیادہ مناسب ہو گا۔'' میں نے جاڑو خان سے سرگوشی میں کہا تو جاڑو خان ایک گہری سانس کھینچ کر گویا ہتھیار ڈالتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے سائیں مٹھا...... اگر یہ بات ہے تو ایسا کرتے ہیں پہلے چوکی پہ چلتے ہیں...... آخر یہ گارڈ کس مرض کی دوا ہیں...... انہیں یہاں ساتھ لاتے ہیں۔''

مجھے جاڑو خان کی اس بات سے اتفاق کرنا پڑا تاہم مجھے اس سلسلے میں تردد تھا بولا۔ ''اس طرح تو جب تک یہ لوگ اپنا کام کر کے چلتے بنیں گے، چوکی یہاں سے کافی دور ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اچانک مجھے خیال آیا کہ ریسٹ ہاؤس میں فون کی سہولت موجود تھی جس کی ایک چار نمبروں والی لائن جنگل کی چوکی سے بھی منسلک تھی، تب میں نے جاڑو خان کو یہیں ان کی نگرانی میں بیٹھ رہنے کی تاکید کی اور واپس جلدی سے ریسٹ ہاؤس کی طرف پلٹ گیا...... ریسٹ ہاؤس پہنچ کر میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نا پہلے متعلقہ تھانے سے نفری مانگ لی جائے، تھانہ بھی یہاں سے دور نہ تھا، میں نے فوراً متعلقہ تھانے کے نمبر ملائے، کافی دیر تک دوسری کی طرف رنگ ہوتی رہی مگر کسی نے فون اٹھانے کی زحمت گوارا نہ کی تاہم پھر کافی دیر بعد شاید کسی نے ریسیور اٹھایا اور اگلے ہی لمحے دوسری سمت سے ایک غنودہ سی بیزار کن آواز آئی۔ ''کون ہے بابا...... کیا مسئلہ ہے......؟''

میں نے فوراً کڑک دار لہجے میں کہا۔ ''ہیلو...... میں فاریسٹ آفیسر فیض محمد بگھیو بول رہا ہوں...... ایک چوری کی اطلاع کرنی ہے، اٹ از ٹاپ پری یارٹی......''

دوسری جانب سے بات کرنے والا شخص میری بات سن کر یکدم الرٹ ہو گیا، وہ پھر مستعدی سے بولا۔ ''ہا...... سائیں...... ہا میں کانسٹیبل حیات محمد بول رہا ہوں...... آپ ایسا کریں سائیں! صبح ساجر (سویرے) اپنے کسی آدمی کو تھانے بھیج کر......''

''بے وقوف......! چور اس وقت جنگل میں موجود ہیں اور غیر قانونی طور پر درخت کاٹ رہے ہیں، اسی وقت نفری لے کر جنگل پہنچو......'' میں اس کی بات

کاٹتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں بولا تو دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

وہ بدتمیز مجھے ہولڈ کرنے کا کہے بغیر وہاں سے شاید کسی کو بلانے چلا گیا تھا۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور میں اندر ہی اندر پولیس کی سہل پسندی پر کڑھ رہا تھا پھر کافی دیر بعد کسی نے ریسیور اٹھایا اور بھاری اور کڑک دار غنودہ آواز میں بولا۔ ’’ہیلو...... میں اے ایس آئی محمد ارشد لاشاری بول رہا ہوں...... بابا یہ آپ ہمیں کس بات کا رعب دکھا رہے ہیں...... آپ کے گارڈ کہاں سو رہے ہیں......؟‘‘

میں اس کے جاہلانہ اندازِ تخاطب پر بری طرح تلملا کر رہ گیا تھا شاید بدتمیز کانسٹیبل نے اسے میری گفتگو کا لب لباب سمجھا دیا تھا، میں چاہتا تو مزید ڈانٹ ڈپٹ کرسکتا تھا مگر وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے غصے کو قابو میں رکھ کر بولا۔ ’’دیکھو لاشاری صاحب! میں اپنے گارڈز سے تو بعد میں اچھی طرح نمٹ ہی لوں گا مگر آپ کو بھی اپنا فرض نبھانا چاہیے۔‘‘ میرے متعدل لہجے کا اس پر خاطر خواہ اثر ہوا تھا لہٰذا جواباً وہ بھی اپنے روایتی لہجے میں لچک لاتے ہوئے بولا۔ ’’ہا ہا ہا ٹھیک ہے...... مجھے تفصیل بتاؤ۔‘‘

جواباً میں نے مختصراً وقوعہ کی تفصیل بتائی، اس کے بعد اپنی چوکی کا نمبر ملانے لگا۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، میری بے چینی سوا ہوتی جا رہی تھی۔ میں ہر قیمت پر ان لکڑی چوروں کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ ایک بار اگر چور پکڑے گئے تو پھر خاصے طویل عرصے تک کسی کو چوری کرنے کی ہمت نہ ہو گی۔ ساتھ ہی مجھے اپنے گارڈز پر بھی بری طرح طیش آ رہا تھا جو کان دبا کر جانے کس کونے کھدرے میں گھسے بیٹھے تھے۔

فون کی رنگ بدستور بج رہی تھی مگر یہاں بھی تھانے والوں کی طرح کوئی بھی فون اٹھانے کی زحمت نہیں کر رہا تھا حالانکہ چوکی پر اس وقت کسی نہ کسی کو ڈیوٹی پر موجود رہنا چاہیے تھا۔

رنگ بدستور جاتی رہی مگر کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا، اپنے گارڈز کی نااہلی پر مجھے بے انتہا غصہ آیا...... میں نے غصے سے فون پٹخا اور پھر جنگل کی طرف نکل گیا۔

میرا رخ کھجوروں کے ان درختوں کی طرف تھا جدھر لکڑی چور اپنے کام میں مگن تھے...... یہاں سے ذرا فاصلے پر جاڑو خان کو ان پر نگاہ رکھنے کے لئے کہہ کر گیا تھا مگر جب میں وہاں پہنچا تو بری طرح ٹھٹکا، سامنے وہ مشتبہ افراد تو اپنے کام میں مگن تھے لیکن جاڑو خان اپنی جگہ سے غائب تھا۔

مجھے سخت حیرت ہوئی کہ یہ جاڑو خان اچانک کدھر چلا گیا تھا، پہلے تو میں یہی سمجھا کہ کہیں آس پاس موجود ہوگا لیکن کافی دیر گزرنے کے بعد بھی وہ نہ آیا تو مجھے اس کے بارے میں تشویش لاحق ہونے لگی...... میں نے اپنے طور پر بھی ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر وہ نظر نہیں آیا...... میں حیران تھا کہ وہ یوں اچانک کہاں چلا گیا تھا۔

مجھے ایک نئی پریشانی نے گھیر لیا...... میرے ذہن میں خیال آ رہا تھا کہ وہ خود کہیں چلا گیا تھا یا اسے زبردستی لے جایا گیا تھا...... دفعتاً جنگل پولیس سائرن کی آواز سے گونج اٹھا...... اپنے کام میں مصروف چور بری طرح ٹھٹک گئے تھے ’پولیس کی اس قدر فوری کارروائی پر خود مجھے بھی حیرت ہوئی تھی بہرطور پولیس کے سائرن نے ان میں کھلبلی مچا دی اور جس کا جدھر منہ اٹھا، بھاگ گیا۔ میں نے اپنی جیب سے پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا اور جھنڈ کی آڑ سے نکل آیا تھا۔

اِدھر اُدھر بھاگتے چوروں پر میں نے بھی ہوائی فائرنگ کی...... اکا دکا پولیس کی فائرنگ کا شور بھی ابھرا تھا...... میں نے ایک شخص کی ٹانگ پر گولی مار کر اسے فرار ہونے سے معذور کر دیا تھا۔

قصہ کوتاہ...... ایک موٹا اور ٹھگنے قد کا پولیس وردی میں ملبوس شخص اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ مجھے نظر آ گیا...... انہوں نے کچھ چوروں کو دھر لیا تھا...... ان کے ہاتھوں میں طاقتور چارجر لائٹس تھیں، میں نے انسپکٹر سے ہاتھ ملایا اور اپنا سروس کارڈ دکھایا...... یہی انسپکٹر ارشد لاشاری تھا...... میں اس کی فوری کارکردگی سے خوش ہوا تھا، اس نے مجھے بتایا کہ اس کے کچھ سپاہی باقی ماندہ مفرور چوروں کے تعاقب میں گئے ہیں...... لگے ہاتھوں میں نے اسے اپنے ساتھی جاڑو خان کی گمشدگی کے بارے میں رپورٹ کر دی جس کے لئے اس نے باضابطہ طور پر مجھے متعلقہ تھانے آ کر تحریری طور پر گمشدگی کی رپورٹ درج کرنے کی ہدایت کی...... میں نے ویسے

بھی تھانے جانا تھا لہٰذا اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ مجھے کافی معقول پولیس افسر محسوس ہوا اس لئے میں ذرا مطمئن ہو گیا تھا، اثنائے راہ ...... چوکی کے دو تین گارڈز اور چند دیگر اہلکار بھی ٹارچیں اور ڈنڈے سنبھالے آن پہنچے، میں تو جیسے ان پر ادھار کھائے بیٹھا تھا...... خوب ان کے لتے لئے اور پھر ان لوگوں پر جاڑو خان کو تلاش کرنے کی ذمہ داری ڈال دی۔

میں واپس ریسٹ ہاؤس آ گیا، یہاں تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد میں نے دو ملازم اپنے ساتھ لئے اور اپنی جیپ میں بیٹھ کر ریسٹ ہاؤس سے نکل کھڑا ہوا...... میرا رخ سیدھا تھانے کی طرف تھا...... رات کی تاریکی میں سامنے ہیڈ لائٹس کی روشنی کچے ٹیڑھے میڑھے راستوں پر دور تک پڑ رہی تھی جس کی روشنی میں، میں جیپ تیزی کے ساتھ دوڑائے چلا جا رہا تھا۔

متعلقہ تھانے کا ایک شارٹ راستہ اندر جنگل سے بھی ہو کر جاتا تھا...... میں نے اسی راستے کا انتخاب کیا تھا...... گوٹھ کی جنوبی سمت شہر جانے والی مین شاہراہ کے قریب تھا، وہیں پولیس کی چوکی بھی تھی، ذرا دیر بعد میں تھانے پہنچ گیا، تھانے کی پیلی بوسیدہ عمارت کی پیشانی پر ایک بلب بیمار سی سوگوار روشنی بکھیر رہا تھا...... وقوع کے بعد تھانے میں غیر معمولی چہل پہل اور باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں، میں جیپ سے اتر کر سیدھا انسپکٹر کے کمرے کی چق اٹھا کر اندر پہنچا، اس نے خوشدلی سے میرا استقبال کیا، یہ اے ایس آئی ارشد لاشاری تھا۔

"سائیں بگھیو صاحب! آپ نے کیوں زحمت کی صبح آ جاتے ...... میں نے اپنے آدمیوں کو آپ کے ساتھی کیا نام بتایا تھا...... ہاں یاد آیا جاڑو خان کی تلاش میں روانہ کر دیا ہے۔"

"بڑی مہربانی انسپکٹر صاحب......!" میں نے بھی دوستانہ لہجے میں کہا اور مزید بولا۔ "دراصل میں اس لئے آیا تھا کہ ان چوروں کے متعلق کچھ معلوم ہو سکے، یہ لوگ کن کے آدمی ......اور......"

"ہا...... ہا...... ہا......" میری بات کاٹتے ہوئے اس نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا، میں گہری سنجیدگی کے ساتھ اس کا منہ تکنے لگا۔

"سائیں بگھیو صاحب ...... یہ لوگ اتنی آسانی سے اپنا منہ تھوڑا ہی کھولیں گے، انہیں تو ڈرائنگ روم کی سیر کروانی پڑتی ہے اور دو تین روز "سرکاری مہمان" بنانا پڑتا ہے لیکن آپ بے فکر رہیں، ہم نے ایسے چوروں کو ابھی سے ہی ڈرائنگ روم بھیج دیا ہے، وہ کمزور نظر آتے ہیں، جلدی اپنی زبان کھول دیں گے۔"

میں نے خاموشی سے اس کی بات سنی اور مزید بحث کئے بغیر میں نے جاڑو خان کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروائی اور رخصت ہوتے وقت میں گہری سنجیدگی کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"لاشاری صاحب......! مجھے امید ہے کہ آپ مجھے ان چوروں سے متعلق آگاہی دیتے رہیں گے...... ہو سکتا ہے ان کی کچھ لوگ ضمانت کروانے آئیں۔"

میری بات سن کر اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا پھر بغور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہاؤ سائیں! میں کوشش کروں گا۔"

مجھے اچانک اس کے لہجے سے منافقت کی بو آتی محسوس ہوئی۔ میں وہاں سے چلا تو آیا مگر جانے کیوں مجھے اب یہ بے چینی ہونے لگی تھی کہ کہیں یہ انسپکٹر ان لوگوں سے ملا ہوا نہ ہو، جن چوروں کو اس نے میری وجہ سے گرفتار کیا تھا۔ وہ کوئی معمولی حیثیت نہیں رکھتے تھے کیونکہ یہ لوگ میری موجودگی کے باوجود دھڑلے سے درختوں کی غیر قانونی کٹائی اور چوری میں مگن تھے ...... اس بات سے ہی میں نے ان کی حیثیت کا اندازہ لگایا تھا کہ ان لوگوں کی پشت پر کسی بااثر شخصیت کا ہاتھ ضرور ہے۔

انسپکٹر لاشاری سے رخصت ہوتے وقت مجھے اس بات کا خدشہ ہونے لگا تھا کہ وہ شخصیت انسپکٹر کو خریدنے کی کوشش نہ کرے۔ تاہم میرا ارادہ اگلے دن دوبارہ تھانے پہنچنے کا تھا۔

ٹھٹھرتی ہوئی رات اپنے آخری پہر میں داخل ہو چکی تھی ...... میں جاڑو خان کے متعلق پر تفکر سوچوں میں غلطاں جب ریسٹ ہاؤس پہنچا تو یہ دیکھ کر بری طرح ٹھٹک گیا کہ وہاں جاڑو خان موجود تھا، اس کے چہرے پر مجھے گہری سوچ اور جوش کے ملے جلے تاثرات دکائی دیئے تھے۔

✱ ═ ✱ ═ ✱

"جاڑو خان......! تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟" میں نے چھوٹتے ہی اس سے پوچھا۔

"سائیں میں لاش کے پیچھے گیا تھا......" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اپنے ان الفاظ پر وہ خود ہی ہنس پڑا۔

"کیا مطلب؟" میں نے اس کی بات سے اندازہ لگاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

ہم دونوں کمرے میں آ بیٹھے تھے۔ تھکن سے ہم دونوں کا ہی برا حال ہو رہا تھا...... ایک ملازم ہمیں کافی کے مگ پکڑا کر جا چکا تھا...... مجھے جاڑو خان کے چہرے سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ کوئی میدان مار کر ہی آیا تھا۔

"سائیں! آپ جب مجھے جنگل میں چوروں پر نظر رکھنے کے لئے تنہا چھوڑ کر ریسٹ ہاؤس چلے گئے تھے تو آپ کے جانے کے ذرا ہی دیر بعد مجھے اپنے عقب میں معنی خیز سرگوشیوں کی آواز ابھری تھی۔" جاڑو خان بتانے لگا اور میں بڑے غور اور دلچسپی کے ساتھ اس کی بات سننے لگا۔ چند ثانیے توقف کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ "ان اچانک ابھرنے والی سرگوشیوں پر میں اچانک نیچے لانبی لانبی جھاڑیوں میں دبک گیا...... پہلے میرے دل میں یہ خدشہ ابھرا کہ کہیں میں دیکھ نہ لیا گیا ہوں اور کہیں یہ چوروں کے ساتھی تو نہیں...... تب میں نے جھاڑیوں سے اپنا سر ذرا ابھار کر اپنے عقب میں سرگوشیوں کی آواز کی سمت دیکھا تو وہاں مجھے دو ہیولے نظر آئے۔ انہوں نے گرم موٹی چادروں کی بکل ماری ہوئی تھی۔ میں ان کی وضع قطع دیکھ کر فوراً انہیں پہچان گیا تھا۔ وہ دونوں یار محمد اور صوبو خان تھے۔ ان کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا...... وہ ابھی تک کا دو جکھرانی کی لاش ڈھونڈ رہے

تھے۔ وہ لاش ہی سے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ میں ان کی باتیں سننے کے لئے مزید آگے کو سرکا تو مجھے پتہ چلا کہ وہ ہمارے ریسٹ ہاؤس کے آس پاس کہیں کھدائی کا ارادہ رکھتے تھے۔"

جاڑو خان نے اتنا بتایا تو میں بری طرح اس کی بات سن کر چونکا مگر کچھ بولا نہیں۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"پھر وہ وہاں سے آگے بڑھے۔ میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ وہ دونوں چھپتے چھپاتے ہوئے ریسٹ ہاؤس پہنچے اور اطراف میں گھوم پھر کر جائزہ لینے کے بعد انہوں نے ریسٹ ہاؤس کی عقبی طرف...... جھاڑیوں میں ایک جگہ کا انتخاب کر کے کھدائی کا ارادہ کیا مگر اس وقت آپ اندر ریسٹ ہاؤس کے اس کمرے میں موجود تھے جس کمرے کی کھڑکی اس طرف کھلتی تھی۔ پھر اچانک انہیں نہ جانے کس طرح میری موجودگی کا علم ہو گیا۔ میرے لئے یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ میں بدحواسی کے عالم میں ایک جانب کو بھاگا۔ وہ دونوں ہی میرے تعاقب میں دوڑے۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ دوسری طرف سے گھوم کر ریسٹ ہاؤس میں پناہ لے لوں مگر پھر یہ سوچا کہ کہیں وہ دونوں "خبردار" نہ ہو جائیں۔ میں نے مخالف سمت دوڑ لگا دی۔ بہرحال پھر بڑی مشکلوں سے ان دونوں کو چکمہ دے کر میں ایک گھنی جھاڑیوں کے بیچ دبک کر بیٹھ گیا۔ وہ مجھے آس پاس ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد واپس چلے گئے...... ان کے جانے کے بعد بھی کافی دیر تک میں اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ اس کے بعد مجھے جنگل میں پولیس سائرن اور اکا دکا فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ میں سمجھ گیا تھا کہ آپ نے پولیس کو کسی طرح ان چوروں کے متعلق اطلاع کر دی ہو گی...... تب میں اپنی جگہ سے نکلا اور واپس ریسٹ ہاؤس پہنچا...... مگر یہاں آ کر میں نے اچھی طرح عقبی حصے کا جائزہ لیا کیا پتہ میری تلاش کی ناکامی کے بعد یار محمد اور صوبو خان دوبارہ اس جگہ آئے ہوں لیکن وہاں کسی کو موجود نہ پا کر میں نے بہتر یہی سمجھا کہ اندر ریسٹ ہاؤس میں بیٹھ کر آپ کا انتظار کروں...... یہاں پہنچا تو ایک ملازم نے مجھے بتایا کہ آپ یہاں آئے تھے اور جیپ میں سوار ہو کر دوبارہ باہر نکل گئے تھے۔" جاڑو خان اتنا بتا کر خاموش ہو گیا۔

"ہوں......تو یہ بات ہے۔" میں نے ایک ہنکاری بھر کر خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔ پھر مزید بولا۔ "اس کا مطلب ہے جاڑو خان کہ وہ دونوں اب ہمارے ریسٹ ہاؤس کے آس پاس کہیں کھدائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"برابر سائیں برابر......" جاڑو خان فوراً میری بات کی تائید کرتے ہوئے بولا۔ "اب ہمیں مزید چوکنا ہونا پڑے گا۔ وہ دونوں رات کو کسی بھی وقت اپنی پراسرار کارروائی کر سکتے ہیں۔"

میں نے پرسوچ انداز میں اپنے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اس کے بعد میں نے پہلا کام یہ کیا کہ اس وقت تھانے فون کر کے انسپکٹر ارشد کو جاڑو خان کی بازیابی کی اطلاع دے کر اس کی گمشدگی کی رپورٹ ان کے محکمے سے خارج کروائی پھر جاڑو خان کو باقی کی تفصیل بتانے لگا۔

◆❀◆

ساری رات جاگتے رہنے کی وجہ سے اگلے دن میری آنکھ بارہ بجے کھلی تھی۔ ہلکا پھلکا ناشتہ وغیرہ کرنے کے بعد میں اور جاڑو خان جیپ میں بیٹھ کر سیدھا متعلقہ تھانے پہنچے۔ انسپکٹر ارشد وہاں موجود نہ تھا۔ میں نے وہاں موجود ایک کانسٹیبل سے رات کو گرفتار کئے قیدی چوروں کے بارے میں پوچھنا چاہا تو اس نے گول مول سا جواب دے کر ٹال دیا۔ تاہم اس نے ہمیں انسپکٹر کا انتظار کرنے کو کہا...... جس کا مطلب تھا، انسپکٹر کسی لمحے وہاں پہنچنے والا تھا۔

تب میں نے اسی کانسٹیبل سے آنے والے قیدیوں کو ایک نگاہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو ذرا تذبذب کے بعد وہ راضی ہوگیا۔ میں نے اپنے ساتھ جاڑو خان کو بھی لیا اور کانسٹیبل کے ہمراہ ایک بیرک کے سلاخ دار دروازے کے قریب آ کر کھڑے ہوگئے۔ اندر پانچ قیدی فرش پر اجرکیں بچھائے آلتی پالتی مارے خوش گپوں میں مشغول تھے۔

انہیں اس قدر مطمئن اور بے فکر دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا...... مجھے ایک لمحے کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی قیدی تھے جنہیں رات میں جنگل سے لکڑی چوری کرتے ہوئے گرفتار کیا گیا تھا۔

میں نے اپنے قریب کھڑے بیزار بیزار سے کانسٹیبل سے پوچھا...... "کیا یہ تمام وہی قیدی ہیں جنہیں رات کو جنگل سے درخت کاٹتے ہوئے گرفتار کیا گیا ہے؟"

میری بات سن کر کانسٹیبل یکدم بولا...... "ہاؤ سائیں! یہ لوگ وہی ہیں۔"

"کیا ان کی ضمانتیں آ گئی ہیں؟" کسی کے خیال کے تحت میں نے پوچھا تو وہ بے ہودہ انداز میں "کھی...... کھی......" کرتے ہوئے بولا۔ "سائیں......! ضمانتیں تو ان کی ابھی نہیں پہنچیں پر لگتا ہے پہنچنے ہی والی ہیں۔"

میں نے اس بات پر اندر موجود قیدیوں کی طرف دیکھ کر دانت پیستے ہوئے سر ہلایا...... اثنائے راہ...... انسپکٹر ارشد لاشاری بھی آ گیا۔

میں اسے دیکھ کر چونک گیا تھا اس کے ہمراہ ایک منحنی سا شخص بھی تھا جس نے بے داغ شلوار قمیض اور واسکٹ پہن رکھی تھی۔ رنگت قدرے سانولی تھی اور عمر کا وہ پختہ ہی دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ایک نظر میری جانب دیکھا۔ انسپکٹر مجھے تھانے کے صحن میں دیکھ کر ذرا ٹھٹکا...... اس کا چہرہ مجھے خاصا الجھا ہوا اور سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس نے قدرے بے دلی کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملایا۔

آج اس کے انداز سے گرم جوشی عنقا تھی۔ وہ مجھ سے کوئی بات کئے بغیر اپنے کمرے کی چق اٹھا کر اندر چلا گیا۔ اس کے عقب میں وہی منحنی سا شخص اندر داخل ہوگیا۔

میں نے اور جاڑو خان نے ایک معنی خیز نظر ایک دوسرے کے چہروں پر ڈالی اور پھر ہم بھی اندر کمرے میں آ گئے اور اس کی میز کے سامنے بچھی کرسیوں پر براجمان ہوگئے۔ میرے کچھ کہنے سے قبل ہی انسپکٹر ارشد نے میری طرف گھورتے ہوئے عجیب سے لہجے میں بڑے زور سے کہا۔ "جی کیا کہنا ہے آپ نے۔" اس کے لہجے میں اجنبیت تھی۔ میں اس کے اس طرزِ تخاطب پر کڑھ سا گیا۔ تاہم جب میں بولا تو میرے لہجے میں طنز کی کاٹ صاف نمایاں تھی۔ "کمال ہے...... انسپکٹر صاحب! آپ اتنی جلدی بھول گئے کہ میں یہاں کس لئے آیا ہوں۔ مجھے ان

چوروں کے متعلق پوچھنا تھا تاکہ میں اپنے محکمے کو رپورٹ بھیج سکوں......'' میری جوابی کارروائی نے بلاشبہ اسے جز بز سا کر دیا تھا لہٰذا فوراً ہی اس نے اپنی کینچلی بدلی اور اپنے چہرے پر قدرے مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا۔ ''اچھا...... اچھا سائیں! وہ بات یہ ہے کہ ان میں سے دو چوروں نے اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ وہ کس کے آدمی ہیں اور یہی نہیں انہوں نے یہ بھی قبول کیا ہے کہ وہ اس سے پہلے بھی جنگل کی کٹائی کے جرم میں ملوث رہے ہیں۔''

میں نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گفتگو سنی پھر پوچھا۔ ''کس کے آدمی ہیں وہ؟''

''وڈیرہ آچر خان کے۔'' انسپکٹر نے چند لمحے توقف کے بعد کہا اور میں اس نام پر ذرا چونکا تھا۔ اگرچہ میرے ذہن کے کسی گوشے میں پہلے سے وڈیرے آچر خان کا نام تھا مگر جانے کیا بات تھی کہ انسپکٹر کے منہ سے آچر خان کا نام سن کر مجھے کوئی خاص تسلی نہ ہوئی۔ اس دوران میں نے محسوس کیا تھا کہ وہی منحنی سا شخص بڑے غور سے میری جانب گھور کر دیکھے جا رہا تھا۔ پھر جانے کیا ہوا کہ وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کدھر چلے بچل سائیں......'' انسپکٹر فوراً اس کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

''میں ادھر ہی ہوں، ذرا سنگت سے مل لوں......'' اس کے حلق سے باریک مگر کھرکھراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی اور وہ چق اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں نے یونہی ایک سرسری سی نظر بچل نامی شخص پر ڈالی اور اس کا نام ذہن نشین کر لیا۔ اس کے بعد میں دوبارہ انسپکٹر کی طرف متوجہ ہوا اور بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ......''انسپکٹر صاحب! کیا آپ کو پورا یقین ہے یہ چور وڈیرے آچر خان کے ہی آدمی ہیں۔''

انسپکٹر ارشد بھی ایک گھاگ شخص تھا۔ میری طرح ہی نوجوان تھا مگر تجربہ کار بھی معلوم ہوتا تھا۔ مجھے اس کے چہرے پر کچھ ایسے آثار نظر آئے تھے جیسے وہ میری بات کی غایت بھانپ گیا ہو، یہی وجہ تھی کہ وہ میرے چہرے پر اپنی چبھتی ہوئی نظریں مرکوز کرتے ہوئے عجیب سے لہجے میں بولا......''آپ کے ذہن میں وڈیرے آچر

خان کے علاوہ بھی کسی کا نام ہے۔''

جواباً میں نے نفی میں سر ہلا دیا اور بولا۔ ''ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ کسی اور کے آدمی ہوں اور وڈیرے آچر خان کو پھنسانے کی کوشش کر رہے ہوں۔'' نا چاہتے ہوئے بھی میرے لبوں سے یہ نکل گیا تھا اور یہ نادانستگی میں کہے ہوئے میرے الفاظ ہرگز نہیں تھے۔

میں نے دیکھا میری بات پر انسپکٹر ارشد کی پیشانی پر کچھ سلوٹیں ابھری تب پھر وہ خبیثانہ انداز میں میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔ ''لگتا ہے بگھیو صاحب! کہ وڈیرے آچر خان کے آپ نمک خواروں میں سے ہو۔''

''بے شک یہ درست ہے کہ آچر خان سے میری سلام دعا ہے مگر ایسی سلام دعا میری اپنے گوٹھ کے تقریباً سب بزرگ زمینداروں سے ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ میری دوستی کی آڑ میں کوئی بھی غیر قانونی کام کرتا پھرے......'' میں نے تحمل سے قدرے صراحت بھرے انداز میں کہا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے انسپکٹر سے پھر مخاطب ہو کر بولا۔ ''انسپکٹر صاحب! آپ اس کیس کو کسی حتمی نتیجے تک پہنچانے کی کوشش کرو۔ اگر آچر خان مجرم ہے تو اسے بھی سزا ملنی چاہئے اور جو قانون کی آڑ لے کر چھپنا چاہتے ہیں، وہ بھی نہیں بچ سکتے۔''

میری جارحانہ تنبیہہ آمیز گفتگو نے یقیناً انسپکٹر کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا جو میں اسے سمجھانا چاہ رہا تھا، وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کیونکہ وہ ساکت نظروں سے میری طرف تکے جا رہا تھا۔

میں اور جاڑو خان جب کمرے سے باہر صحن میں آئے تو میں ذرا ٹھٹکا...... سامنے قید خانے کی سلاخوں کے قریب کھڑا وہ بچل نامی شخص ان قیدیوں کے ساتھ ہنسی ٹھٹھول میں مصروف تھا۔ ان قیدیوں سے ہنسی ٹھٹھول کرتے ہوئے دیکھ کر میں ایک لمحے کو رکا اور بغور اس کی طرف دیکھنے کے بعد تھانے کی عمارت سے باہر نکلتا چلا گیا۔

''جاڑو خان! کیا تم نے اس شخص کو پہلے کہیں دیکھا ہے۔'' میں نے جیپ میں سوار ہوتے ہوئے جاڑو خان سے پوچھا تو وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کرتے

ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں سائیں مٹھا......! میں نے اسے پہلے کہیں نہیں دیکھا ہے۔''

میں جیپ آگے بڑھا چکا تھا کہ اچانک میرے دل میں ایک خیال آیا اور میں نے ایک جھٹکے سے جیپ روک لی۔

جاڑو خان نے قدرے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''خیر تو ہے سائیں! جیپ کیوں روک دی؟''

''جاڑو خان! ایک کام کرو۔'' میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔

''ہاؤ سائیں! حکم کرو۔'' وہ میری بات سن کر مستعدی سے بولا۔

''جاڑو خان! تم نے تھانے میں بجلی نامی آدمی کو تو دیکھا تھا نا...... وہی جو انسپکٹر ارشد کے ساتھ تھا۔''

جاڑو خان نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم کسی طرح اس شخص کا پیچھا کرو کہ وہ تھانے سے سیدھا کہاں جاتا ہے اور کس سے ملتا ہے لیکن بڑی ہوشیاری کے ساتھ تم نے یہ کام کرنا ہے، کسی کو شک نہ ہو۔''

میری بات سن کر جاڑو خان نے مستعدی سے کہا...... ''میں سمجھ گیا سائیں! آپ بے فکر رہیں...... میں ادھر ہی اتر جاتا ہوں......'' یہ کہہ کر وہ گاڑی سے اتر گیا، پھر میں نے اسے خدا حافظ کہتے ہوئے جیپ آگے بڑھا دی۔

پہلے میرا ارادہ ریسٹ ہاؤس جانے کا تھا مگر میں نے فوراً اپنا ارادہ بدل کر اپنی حویلی کی سمت جیپ موڑ دی، وہاں بابا سائیں موجود تھے اور چھوٹی ماں بھی تھی۔ ہم نے پہلے دوپہر کا کھانا کھایا اس کے بعد میں اور بابا سائیں کمرے میں آ گئے، وہ بہت خوش تھے کہ میں نے مجوہاری کا معاملہ نمٹا دیا تھا انہوں نے مجھے یہ بتایا تھا کہ بعد میں مجوہاری ان کے پاس آیا تھا اور وہ مطمئن تھا۔

تھوڑی دیر تک ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے، اثنائے راہ چھوٹی ماں چائے لے کر آ گئی۔ میں نے ازراہ احترام ان سے کھڑے ہو کر کہا۔ ''امڑ جی (پیاری ماں) آپ نے کیوں تکلیف کی چائے لانے کی کسی نوکر کو بھیج دیا ہوتا۔''

میری بات سن کر وہ پیار سے میرے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ ''نا پٹ! تکلیف کیسی، میں اپنے پٹ کے لئے خود چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر انہوں نے چائے کی ٹرے تپائی پہ رکھی اور واپس چلی گئیں۔

چائے پینے کے دوران میں نے بابا سائیں سے پوچھا۔ ''بابا سائیں! کیا دادن شاہ کو آپ جانتے ہیں؟''

میری بات سن کر وہ ذرا چونکے پھر بولے۔ ''ہاں جانتا تو ہوں اسے پر میری بنتی نہیں ہے اس سے۔''

''کیا مطلب بابا سائیں؟'' میں نے ذرا وضاحت چاہی تو وہ بولے۔ ''وہ پتھاریدار قسم کا آدمی ہے۔ سنا ہے اس کی اوطاق میں نامی گرامی ڈاکوؤں کا آنا جانا ہے۔ وہ انہیں پناہ فراہم کرتا ہے۔ ویسے خیر تو ہے پٹ! تم اس کا کیوں پوچھ رہے ہو؟''

میں گول مول لہجے میں بولا۔ ''بابا سائیں! سنا ہے وہ سرکاری درختوں کی غیر قانونی کٹائی میں ملوث ہے۔''

میری بات سن کر بابا سائیں کے چہرے پر قدرے تفکر کے سائے نمایاں ہونے لگے پھر وہ دھیمے سے بولے...... ''میڈا پٹ! یہ شاید بہت پرانی بات ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس شخص سے دور ہی رہو تو بہتر ہے بلکہ میں نے سنا ہے تم وڈیرے آچر خان کے ہاں بھی آتے جاتے ہو۔ میں تو کہتا ہوں تم اس شخص سے بھی دور ہی رہو۔ بڑی میٹھی چھری ہے وہ۔''

میں بابا سائیں کی بات پر یونہی ذرا مسکراتے ہوئے بولا۔ ''بابا سائیں! آپ بے فکر رہو، میں ایسے لوگوں کو لگام ڈالنا اچھی طرح جانتا ہوں۔'' تب مجھے احساس ہوا کہ مجھے یہ بات نہیں کہنا چاہئے تھی کیونکہ میری بات سے ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار مزید گہرے ہو گئے تھے۔ وہ بولے۔ ''دیکھو پٹ! مجھے لگتا ہے تمہارے محکمے نے دانستہ تمہیں اپنے گوٹھ میں تعینات کیا ہے۔ اس کی کوئی بھی وجہ رہی ہو لیکن میں تو کہتا ہوں یہاں سے اپنی بدلی (ٹرانسفر) کروا لو تو اچھا ہے، یہاں تم خواہ مخواہ دوسرے معاملات میں الجھ کر رہ جاؤ گے۔''

میں جانتا تھا کہ بابا نے یہ بات اپنے تجربے کے تحت کہی تھی کیونکہ وہ شاید میری طبیعت سے اچھی طرح واقف تھے۔ میں نے ان کی بات پر کچھ ایسے انداز میں سر ہلایا جیسے ان کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے بعد میں نے پھر دادن شاہ کا ذکر چھیڑتے ہوئے پوچھا۔ ''بابا سائیں! ایک گذارش اور کروں گا آپ سے کہ دادن شاہ کے بارے میں اگر آپ مزید مجھے کچھ بتائیں تو اچھا ہے کہ وہ کرتا کیا ہے اور اس کی مستقل رہائش کہاں ہے؟''

میری بات سن کر بابا سائیں میری طرف دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرائے اور بولے۔ ''تم نہیں مانو گے، بڑے ضدی ہو۔'' اس کے بعد وہ مجھے دادن شاہ کے بارے میں تفصیلاً بتانے لگے۔

◆❀◆

جب میں حویلی سے جیپ میں سوار ہو کر نکلا تو دور مغرب میں شام کے سناٹے اتر رہے تھے۔ میری جیپ کا رخ گوٹھ کی شمالی سمت تھا، جدھر دادن شاہ کی آرا مشین اور لکڑی کی ٹال تھی۔ بابا سائیں نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا کہ اس کی اصل اور مستقل رہائش شہر ٹھٹھہ میں بھٹائی آباد کے علاقے میں تھی مگر ایک پختہ اینٹوں کا مکان اس کی آرا مشین اور ٹال کے پاس بھی تھا جہاں اس کی چند سو جریب پر مشتمل زمین بھی تھی۔ ایک ٹال اس کی کسی شہر میں بھی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میں دادن شاہ کی ٹال پر پہنچا۔ ایک وسیع قطعہ اراضی پر چھ سات فٹ کچی دیواریں اٹھی ہوئی تھیں اور لکڑی کا ایک بہت بڑا گیٹ تھا جس کے بھاری بھرکم دروازے کے دونوں پٹ کچھ اس انداز میں وا ہو کر کچی زمین کی مٹی میں اندر تک دھنس گئے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ گیٹ کے دیوزاد دروازوں کو عرصے سے بند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

میں اس دروازے کے سامنے اپنی جیپ روک کر اتر آیا۔ سردی کا زور کم تھا، آس پاس سناٹا تھا، فی الحال مجھے کوئی ذی نفس نظر نہیں آ رہا تھا البتہ اندر مجھے کچھ لوگوں کے کھانسنے کی آوازیں آ رہی تھیں، وہاں جگہ جگہ لکڑی کا برادہ اور چھلتر بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے جیپ کی ڈرائیونگ والی کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر

اسٹیئرنگ پر لگے بٹن کو دو، تین بار پش کر کے ہارن بجایا۔

اتنے میں ایک مجہول سا بوڑھا برآمد ہوا، وہ کھانستے ہوئے بولا۔ ''سائیں کس سے ملنا ہے آپ کو۔''

''سائیں دادن شاہ سے......'' میں نے کہا تو وہ نفی میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں سائیں، وہ شہر میں ہیں صبح کو آتے ہیں۔''

''یہاں بھی تو ان کا گھر ہے، ہوسکتا ہے یہاں گھر پر موجود ہوں۔''

ابھی میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ اندر سے ایک بلند کھرکھراتی ہوئی آواز ابھری۔ اندر سے کسی نے اس چوکیدار ٹائپ بوڑھے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اڑے مٹھل! کون ہے باہر، اندر کیوں نہیں لے آتا۔'' آواز میرے کانوں تک بھی پہنچ گئی تھی، مجھے لگا کہ یہ آواز میں پہلے بھی سن چکا ہوں۔

''ہالا سائیں ہالا سائیں کوئی صاحب اڑیں شاہ صاحب کا پوچھ رہے ہیں۔''

اس بوڑھے نے جواباً اپنی گردن ذرا عقب میں موڑ کر کہا اور پھر مجھے اس نے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں جیپ کی کھڑکی کا شیشہ چڑھانے اور دروازے کو لاک کرنے کے بعد ٹال کے اندر وسیع احاطے میں آ گیا۔ یہاں بڑے بڑے شہتیر اور تختے موجود تھے۔ زیادہ تر شہتیر تھے، دائیں جانب ایک ہال نما کمرے کی دو کھڑکیاں نظر آئیں، جدھر سے اندر ہال کا منظر واضح نظر آ رہا تھا، اندر بلب روشن تھے اور ایک رلی بچھی چارپائی پر کچھ افراد سگریٹ پیتے ہوئے دکھائی دیئے۔

میں اس ہال نما کمرے میں آ گیا جس کی چھت قدرے نیچی تھی یہاں وسط میں بڑی بڑی آرا مشینیں نصب تھیں اندر موجود تین میں سے ایک فرد کو دیکھ کر میں قدرے چونکا تھا۔ وہ بھی مجھے کچھ مانوس سا پا کر ٹھٹکا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ کی مٹھی میں بیڑی دبی ہوئی تھی۔

تینوں نے خالص روایتی انداز میں مجھ سے باری باری ہاتھ ملایا۔ جس شخص کو میں نے پہچانا تھا یہ وہی بجل تھا جسے آج ہی میں نے تھانے میں انسپکٹر ارشد کے ساتھ دیکھا تھا جس کے تعاقب میں مَیں نے جاڑو خان کو روانہ کیا تھا۔ ''ہاں سائیں! آپ نے کس سلسلے میں شاہ صاحب سے ملنا تھا۔'' اس بجل نامی شخص نے

مجھ سے پوچھا، ساتھ ہی اس نے مجھے ایک قریب رکھی کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ وہ بغور میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

اسے یہاں دیکھ کر میرے دل میں کچھ خیالات سر ابھار رہے تھے، تاہم میں نے بھی اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے پہلے اپنا تعارف کرایا اور بولا۔

''بس یونہی ایک کام تھا ان سے، مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ یہاں نہیں ہیں۔'' بچل اپنی مٹھی میں دبی ہوئی بیڑی کا آخری کش لگا کر سگریٹ کو پیروں تلے مسلتے ہوئے بولا۔

''ہاں، وہ شہر میں ہی ہوتے ہیں، صبح آ جاتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا ضروری کام ہے تو ہمیں حکم کرو۔'' اس کا لہجہ اچانک مکاری کی حد تک دوستانہ سا ہو گیا تھا۔

میں نے کہا۔ ''نہیں ایسا بھی ضروری کام نہیں تھا، میرا خیال ہے میں صبح ہی آ کر ان سے ملاقات کرلوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے میں اپنی جگہ سے جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تو وہ جلدی سے بولا۔ ''ارے سائیں بکھیو صاحب! بیٹھو ذرا چاں پاڑیں ہو جائے۔''

''بہت مہربانی تمہاری پھر کبھی سہی، ویسے ان کی رہائش یہاں بھی ہے۔'' میں نے پوچھا۔ وہ کریدتی ہوئی نگاہوں سے میری جانب دیکھ کر مختصراً بولا۔ ''ہاں!''

پھر جب میں اس سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوا تو باہر دیوہیکل گیٹ پر میں یار محمد اور صوبو خان کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

وہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے گیٹ کے اندر آ رہے تھے، ان کی میری طرف نظر پڑی تو یار محمد ایک نخوت آمیز نگاہ مجھ پر ڈالتا ہوا میرے قریب سے گزر کر اندر چلا گیا جبکہ عیار صوبو خان فوراً ہی اپنے چہرے پر بے تکلفی سجاتے ہوئے مجھ سے معانقے کے لئے آگے بڑھا۔ ناچار مجھے اسے برداشت کرنا پڑا۔

''اڑے بابا، کہاں ہو فیضو! ملاقات ہی نہیں کرتے ہم سے تم، لگتا ہے سرکاری چاکری نے کچھ زیادہ مصروف کر دیا ہے تمہیں۔'' اس نے خوش دلی کے ساتھ منہ پھاڑتے ہوئے قدرے مکاری سے کہا تو میں سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''بس ماما سائیں! کچھ ایسی ہی بات ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

وہ بولا۔ ''ویسے خیر تو ہے یہاں دادن سائیں کے تھاک پر کیسے آئے، ان سے کوئی کام شام ہے تو بول میڈا گھرایار ہے آپڑاں دادن۔''

''کام تو تھا، شاید آپ کی بھی ضرورت پڑے، ابھی جلدی میں ہوں پھر کبھی تفصیل سے بات کروں گا۔'' میں نے گویا جان چھڑاتے ہوئے کہا اور اپنی جیپ میں سوار ہو گیا۔

◆✿◆

جب میں ریسٹ ہاؤس پہنچا تو سرد رات پورے جنگل پر ٹھٹھرتے ہوئے سناٹے کا راج قائم کر چکی تھی۔ جاڑو خان وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اس نے اپنا کام بڑی خوش اسلوبی اور ہوشیاری کے ساتھ کیا تھا مگر میں نے اسے تفصیل بتانے کی زحمت سے بچاتے ہوئے اسے بتایا کہ میں اس وقت کہاں سے آ رہا ہوں، بہرطور آج کی رات ہمارے لئے کسی سنسنی خیزی کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ ہم کوئی دس بجے کے لگ بھگ کھانا وغیرہ سے فارغ ہو کر اس کمرے میں آ کر بیٹھ گئے تھے جس کی کھڑکی جنگل والے حصے کی سمت کھلتی تھی۔ جدھر، صوبو خان اور یار محمد کا دو جکھرانی نامی شخص کی لاش کا کھوج لگانے کے لئے اپنی پراسرار کارروائی کا آغاز کر سکتے تھے۔

پھر ٹھیک بارہ بجے ہم نے کمرے کی بتی گل کر دی مگر کھڑکی کے قریب اپنی اپنی کرسیاں ڈال کر بیٹھ گئے۔ کھڑکی کے شیشے والے دونوں سلائیڈنگ پٹ بند تھے جن پر پردہ جھول رہا تھا۔ جسے گاہے بہ گاہے ذرا سا سرکا کر ہم باہر تاریک جنگل میں نظریں دوڑا لیتے۔ آسمان صاف تھا مگر جنگل میں جانے کیوں آج دبیز کہرا چھایا ہوا تھا۔ چاند کی روشنی بھی کہرے کو دودھیا بنائے ہوئے تھی۔ میں نے اپنے سامنے بیٹھے جاڑو خان سے کچھ الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ ''باہر تو بڑی دھند چھائی ہوئی ہے، لگتا ہے آج کچھ زیادہ ٹھنڈ اتر آئی ہے۔ کیا ہمیں ایک چکر باہر کا لگانا چاہئے؟''

جاڑو خان میری بات سے متفق ہوتے ہوئے بولا۔ ''ہا سائیں! آپ ٹھیک کہتے ہو، ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا کام کر کے چلتے بنیں اور ہمیں پتہ بھی نہ چل سکے۔ آپ ایسا کرو ادھر ہی بیٹھو میں باہر کا ایک چکر لگا کر آتا ہوں۔''

میں نے فوراً نفی میں سر ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں بھی ساتھ چلوں گا، آؤ۔''

میری بات سن کر جاڑو خان نے کوئی تامل نہ کیا اور پھر ہم دونوں نے سیاہ موٹی کالی چادر لپیٹی اس کے بعد عقبی دروازے سے باہر آ گئے۔

''ویسے سائیں، یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ دونوں آج رات ہی اپنی کارروائی کا آغاز کریں۔'' میرے ساتھ چلتے ہوئے جاڑو خان نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا تو میں بولا۔ ''تمہاری بات درست ہے جاڑو خان مگر ہمیں تو پھر بھی ان کی نگرانی کرنی ہوگی جب تک کہ وہ اپنا کام شروع نہیں کر لیتے۔'' میں نے کہا اور جاڑو خان چپ ہو رہا۔

باہر واقعی سردی تھی، چہار سو ٹھٹھری ہوئی دھند چھائی ہوئی تھی، اس گھنے جنگل میں سردی کا احساس تو ویسے ہی زیادہ ہوتا تھا۔

بہر طور اطراف کا جائزہ لینے کے بعد ہم دونوں ٹھٹھرتے ہوئے واپس کمرے میں آ گئے۔ ''میرا خیال ہے سائیں کم از کم آج کی اتنی سرد رات میں یار محمد اور صوبو خان ہرگز کھدائی جیسا کام نہیں کریں گے۔''

جاڑو خان نے دوبارہ اپنے پہلے والے خیال کا اظہار کیا۔ میں نے ہلکا سا پردہ سرکا کر یونہی باہر ملگجی سی تاریکی میں متلاشی نظریں دوڑائیں پھر جیسے جاڑو خان کو جوش دلانے کی غرض سے بولا۔ ''جاڑو خان! لگتا ہے تمہاری ہمت اور دلچسپی جواب دیتی جا رہی ہے مگر اتنا یاد رکھو، ہم پر ایک عام انسان اور ذمہ دار شہری کے ناتے یہ فرض بنتا ہے کہ کسی بھی ایسی سرگرمیوں کا سراغ لگائیں جن پر ہمیں شک ہو کہ وہ قانون کے منافی ہیں اور مجھے پورا یقین ہے اس گوٹھ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو ایسی کارروائیوں میں ملوث ہیں۔'' میں نے اپنی بات ختم کی تو جاڑو خان فوراً قدرے شرمساری سے بولا۔ ''ناں سائیں مٹھا نا، میرا یہ مطلب نہ تھا، میں نے تو بس ویسے ہی......'' اس سے کچھ بن نہ پڑا تو خاموش ہو رہا۔ تاہم میں اسے خجالت سے بچاتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ ''ہاں، ہاں جاڑو خان میں جانتا ہوں۔ دراصل میں نے تمہیں یونہی جوش دلانا چاہا تھا، آخر کو وقت بھی تو کاٹنا ہے۔''

میری بات پر اس نے ہلکا سا بے تکلفانہ قہقہہ بلند کر دیا اور پھر وہ ایک دم فریش نظر آنے لگا۔ کرسی سے کھڑے ہوئے ہوئے بولا۔ ''آپ بیٹھو سائیں! میں سبز چائے بنا کر لاتا ہوں۔'' اس نے کہا اور اس اثنا میں، میں نے حسب معمول پردہ ذرا سا سرکا کر باہر جھانکا تو بری طرح ٹھٹک گیا۔ میں نے فوراً جاڑو خان کو آواز دے کر بلایا جو کمرے کے دروازے تک جاتے جاتے رکا اور فوراً میرے پاس آ کر باہر تکنے لگا۔

''وہ دیکھو سامنے ...... روشنی......'' میں نے ہولے سے جاڑو خان سے کہا ...... باہر ایک روشنی کا ہالا سا جھماکے مار رہا تھا......

ہم دونوں یکدم کھڑکی سے پرے ہو گئے اور پردہ برابر کر دیا...... زیرو پاور کے بلب میں ہم دونوں کی سانسوں کی بازگشت گونج رہی تھی۔

میں نے سرسراتے لہجے میں جاڑو خان سے کہا۔ ''جاڑو خان......! بتیاں تمام بند ہیں نا......''

''ہاؤ سائیں ......! بتیاں بنگلے کی میں ساری گل کر چکا ہوں......'' اُس نے جواب دیا۔

اُس کی بات سے مجھے تسلی ہو گئی۔ ''میرا خیال ہے ...... یہ دونوں ...... وہی ہیں ...... چلو جاڑو خان ...... چل کر دیکھتے ہیں ...... یہ آج اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں کہ نہیں......'' میں نے کہا اور ہم ...... انتہائی ہوشیاری کے ساتھ باہر آ گئے ہم نے اپنے جسم اچھی طرح سے چادروں میں ڈھانپ رکھے تھے......صرف چہرے پر آنکھوں کے سامنے جھری چھوڑ رکھی تھی ...... ہم ...... روشنی کی سمت جھکے جھکے آگے بڑھنے لگے تو اچانک ہمیں رکنا پڑا...... کیونکہ...... وہ روشنی اب قریب آ رہی تھی۔

اس کا مطلب تھا وہ جو کوئی بھی تھے قریب آ رہے تھے ...... ہم نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنی جگہ دبک کر بیٹھ جائیں۔

روشنی لحہ بہ لحہ قریب آتی جا رہی تھی ...... وہ تین افراد تھے ...... چادروں میں ملفوف ایک کے ہاتھ میں گیس لیمپ تھا۔ باقی دو نے ...... کدالیں اٹھا رکھی تھیں ...... دو کو تو میں فوراً ہی پہچان گیا تھا ...... ان کی وضع قطع سے ...... کہ وہ یار محمد اور صوبو

خان تھے...... جبکہ تیسرا...... پہچاننے میں نہیں آ رہا تھا...... وہ زمین ٹٹولتے ہوئے کبھی آگے چلے جا رہے تھے اور کبھی پیچھے...... بالآخر پھر وہ...... ایک جگہ کا انتخاب کر کے......کھدائی میں مصروف ہو گئے۔

تینوں الگ الگ سمتوں میں کھدائی کر رہے تھے...... ان تینوں کا آپس کا درمیانی فاصلہ......لگ بھگ...... پندرہ بیس فٹ کا رہا ہوگا......زمین کھودتے ہوئے ان کے جسموں پر سے چادریں بھی سرک گئی تھیں...... صوبو خان اور یار محمد تو ہمارے قریب ہی تھے......سر توڑ محنت کے باعث ان کی پیشانیاں عرق آلود دکھائی دے رہی تھیں...... میری کوشش ان کے تیسرے ساتھی کو پہچاننے کی تھی...... جو وہاں سے کافی دور...... اپنے کام میں بڑی تندہی کے ساتھ مگن تھا، چادر اُس کی بھی ڈھلک کر بھربھری زمین پر گر چکی تھی......گیس کا ایک ہنڈا جس کی روشنی انہوں نے دھیمی کر رکھی تھی، درمیان میں رکھا ہوا تھا۔

میں نے جاڑو خان کو وہیں دبکے رہنے کی تاکید کی اور نہایت ہوشیاری کے ساتھ مذکورہ تیسرے شخص کے ذرا نزدیک آیا......اور پھر جیسے ہی میری نظر اُس کے چہرے پر پڑی میں بری طرح چونک گیا...... وہ بجل تھا۔

سائیں دادن شاہ کا آدمی...... ایک لمحے کے اندر ہی مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ دادن شاہ سمیت یہ دونوں یعنی یار محمد اور صوبو خان کسی پیچیدہ پراسرار سرگرمی میں ملوث تھے...... میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ آخر کادو جکھرانی کی لاش میں ایسی کیا بات تھی......جس کے حصول کے لئے یہ لوگ اتنے پریشان تھے......معاً میں نے دیکھا کہ بجل...... کھدائی کرتے کرتے اچانک رکا وہ کدال نیچے پھینک کر اور اکڑوں بیٹھ کر بڑے غور سے گڑھے کو دیکھنے لگا...... پھر وہ اپنے سامنے کھدے ہوئے گڑھے کو اپنے ہاتھوں سے اس کی مٹی کو کریدنے لگا...... اس کے انداز واطوار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے کچھ دیکھ لیا تھا......شاید کادو جکھرانی کی لاش...... اس کے حصے میں آئی تھی......

میں نے دیکھا بجل نے اپنی گردن گھما کر صوبو خان اور یار محمد پر ڈالی...... پھر اس کے بعد...... وہ مٹی برابر کرنے لگا۔

انیم تاریکی میں مَیں اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے سے عاری تھا مگر ...... میری گھورتی ہوئی نظروں نے اس کی پراسرار کیفیت کو پڑھ لیا تھا...... میرے اندازے کے مطابق...... وہ کادو جکھرانی کی لاش کو ڈھونڈ چکا تھا......مگر پھر سوچنے کی بات یہ تھی کہ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں یار محمد اور صوبو خان کو...... اس لاش کے بارے میں کیوں نہیں بتایا اور نہ ہی اس نے لاش نکالنے کی کوشش کی تھی۔

میں نے دیکھا...... مٹی برابر کرنے کے بعد وہ...... اپنی چادر اور کدال سنبھالے...... یار محمد اور صوبو خان کی طرف بڑھا...... وہ ضرور ان سے کچھ کہنا چاہتا تھا......لہٰذا میں بھی اس کی باتیں سننے کے لئے جھاڑیوں کی اوٹ لیتا ہوا جاڑو خان کے پاس آ گیا...... یہاں وہ پہلے...... یار محمد کے پاس آیا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔''مجھے تو وہاں کچھ نہیں ملا۔ میرا خیال ہے اب چلنا چاہئے...... ریسٹ ہاؤس قریب ہے کہیں کسی کو شک نہ ہو جائے......''

اس کی بات سن کر یار محمد نے بھی اپنا کام بند کر دیا...... ان کی دیکھا دیکھی ......صوبو خان بھی وہاں آ گیا...... اسے بھی ناکامی ہوئی تھی...... پھر تھوڑی دیر بعد جب وہ وہاں سے چلے گئے تو...... جاڑو خان سرگوشی میں مجھ سے بولا......''کیا خیال ہے سائیں...... لاش تو انہیں ملی نہیں...... اب ہمیں بھی واپس چلنا چاہئے......''

میرا چہرہ اس وقت خوشی سے تمتما رہا تھا...... جواباً میں سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا......''نہیں جاڑو خان......! وہ لاش مل چکی ہے......''

جاڑو خان میرے سنسنی خیز لہجے پر دم بہ خود ہو کر رہ گیا...... جب وہ بولا تو اس کی آواز میں واضح طور پر کپکپاہٹ تھی۔''کک...... کیا...... لاش مل چکی ہے ......مگر کس کو......؟''

''بجل کو......!'' میں نے ہولے سے کہا......اور اسے اپنے ساتھ اس کی جگہ پر لے آیا جدھر...... میں نے چھپ کر...... بجل کو گڑھا کھودتے ہوئے دیکھا تھا۔

تب میں نے جاڑو خان کو بتایا کہ ان کا تیسرا ساتھی بجل لاش ڈھونڈ چکا ہے ......مگر اس نے یار محمد اور صوبو خان سے یہ بات پوشیدہ رکھی ہے......

پہلے تو جاڑو خان میری بات سن کر چونکا پھر متحیر زدہ لہجے میں بولا۔''سائیں!

پھر ہمیں اب کیا کرنا چاہئے......؟''

میں پرخیال لہجے میں جواباً بولا'' مجھے لگتا ہے کہ بچل دوبارہ یہاں آئے گا...... ہمیں ادھر بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنا چاہئے......''

میری بات سن کر جاڑو خان خاموش ہو گیا...... ہم دونوں وہاں اندھیرے جنگل میں بیٹھے بچل کی متوقع آمد کا انتظار کرنے لگے......

پھر تھوڑی دیر گزری تھی کہ...... اچانک ہمیں...... سامنے ایک جانب روشنی نظر آئی...... ہم کیا دیکھتے ہیں کہ بچل وہی گیس کا ہنڈا اور کدال لئے چلا آ رہا تھا۔

اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گیس لیمپ کو زمین پر رکھنے کے بعد...... دوبارہ اسی گڑھے سے مٹی ہٹانے لگا...... اب اس کے ہاتھ میں پھاوڑا تھا۔ ہم دونوں دم سادھے اس کی کارروائی کو دیکھنے لگے......

میرا اندازہ سو فیصد درست نکلا تھا کہ بچل نعش ڈھونڈ چکا تھا۔ اِدھر بچل نے اپنا کام بند کر دیا...... اور اب گھٹنوں کے بل بیٹھا...... ایک کھرپی کی مدد سے مٹی جلدی جلدی ہٹانے لگا...... اچانک پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا...... معاً ہی فضا میں بڑی گندی سڑاندسی اٹھنے لگی...... بدبو کی شدت سے ہمارے بھی دماغ پھٹنے لگے...... ہم نے جلدی سے چادر کا ایک کونا ناک پر رکھ لیا...... ادھر بچل نے بھی اپنی ناک پر رومال سا لپیٹ لیا تھا...... ہم نے دیکھا...... وہ اب دونوں ہاتھوں سے کسی شے کو مضبوطی سے پکڑے کھودے ہوئے گڑھے سے کھینچ کر نکال رہا تھا۔ میری آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور دل و دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔

وہ شے ایک گلی سڑی لاش تھی...... بلکہ لاش کیا تھی...... نچے ہوئے گوشت کا ایک پنجر تھا...... بچل جب پوری طرح اس لاش کو نکال چکا تو...... پھر اس نے فوراً اپنی قمیض کی جیب سے باریک ربڑ کے دستانے نکالے اور انہیں اپنے ہاتھوں پر چڑھا لیا...... میں بغور اس کی حرکات وسکنات پر نظر رکھے ہوئے تھا...... اب اس کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا خنجر نظر آ رہا تھا...... مجھے یوں لگا جیسے وہ اس لاش کی کسی سرجن کی طرح چیر پھاڑ کرنے والا ہو......

بچل دستانے چڑھے ہاتھوں میں خنجر کھولتے ہوئے...... اکڑوں بیٹھا اور لاش

کا پیٹ چاک کرنے لگا...... لاش بہت پرانی معلوم ہو رہی تھی...... جس کا ماس گل سڑ گیا تھا یا...... کیڑوں مکوڑوں کی خوراک بن چکا تھا...... مجھے کرید اس بات کی ہو رہی تھی کہ...... آخر...... وہ اس لاش کا پیٹ چیر کر حاصل کیا کرنا چاہ رہا تھا؟

بالآخر یہ معمہ بھی حل ہوا...... میں نے دیکھا...... اس نے بڑی بے دردی کے ساتھ لاش کا پیٹ چیرنے کے بعد اپنے ہاتھ پیٹ کے اندر ڈال کر کوئی شے برآمد کرنے کے بعد اسے ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے لگا......

میں نے بھی بغور اس شے کو دیکھنے کی کوشش کی...... مگر پورے طور پر اسے پہچان نہ سکا...... اسی اثناء میں بچل نے وہ شے...... اپنی موٹی سی چادر میں گرہ لگا کر باندھ لی۔ بادی النظر میں مجھے وہ کوئی تھیلا نما شے محسوس ہوئی تھی جو اب چھوٹی سی گٹھڑی کی صورت میں بچل کی چادر کے اندر ملفوف ہو چکی تھی...... بچل نے جلدی جلدی لاش کو دوبارہ...... اسی قبر نما گڑھے میں دبا کر اوپر سے مٹی برابر کر دی...... آن کی آن میں......

میرے اندر کسی نے مزاحمت کے لئے اکسایا...... اور میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں...... جاڑو خان کے کان میں سرگوشی کی...... ''جاڑو خان......! بچل کو یہاں سے جانا نہیں چاہئے......''

''کیا مطلب سائیں!'' اُس نے قدرے حیرانگی سے سرگوشی کی۔

''مطلب یہ کہ...... ہم نے بچل پر حملہ کر کے اس کے قبضے سے وہ چیز برآمد کرنی ہے...... جو وہ لاش کی بے حرمتی کر کے حاصل کر چکا ہے۔''

''حاضر سائیں......! جیسا حکم...... کہو تو ابھی ہلا بول دیں...... مگر سائیں آپ نے اچھی طرح سوچ تو لیا ہے نا...... یہ بچل سائیں دادن شاہ کا ماڑوں ہے، کہیں کوئی مسئلہ......''

''ہم اس پر چھپ کر حملہ کریں گے...... پھر کسی طرح بے بس کرنے کے بعد وہ شے اس سے اڑا کر رفو چکر ہو جائیں گے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

مجھے ہنوز تجسس ہو رہا تھا کہ آخر وہ کیا شے تھی...... جسے بچل نے لاش کے پیٹ سے برآمد کیا تھا...... بہرطور...... جاڑو خان اب میری بات اچھی طرح سمجھ چکا

تھا۔

اِدھر بچل اپنا کام ''ختم'' کرنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا...... مجھے پتہ بھی نہ چلا جاڑو خان نہ جانے کب کا غائب ہو چکا تھا۔

مجھے حیرت تو ہوئی تاہم مجھے اندازہ ہونے لگا تھا کہ...... وہ کوئی ''کارنامہ'' دکھانے کی غرض سے چلا گیا تھا...... میں بچل کے تعاقب میں ہولیا...... پھر اگلے ہی لمحے میں نے دیکھا کہ......کوئی بچل کے عقب سے جھاڑیوں میں سے نکلا اور اس پر چھلانگ لگا دی۔

یہ جاڑو خان ہی تھا...... میں بھی بچل کو قابو کرنے کے لئے ایک ہی جست میں اس کے سر پر پہنچ چکا تھا ادھر جاڑو خان اسے زمین پر گرا چکا تھا...... جاڑو خان ایک تنومند شخص تھا...... جبکہ بچل ایک منحنی سا آدمی تھا...... جاڑو خان اس کی پشت پر سوار ہو چکا تھا...... ادھر میں نے یہ سوچ کر کہ کہیں بچل...... ہمیں پہچان نہ لے...... ایک لکڑی اٹھا کر اس کے سر پر دے ماری...... اس کے حلق سے کراہ سی نکل گئی...... لیکن وہ بے ہوش نہیں ہوا تھا۔

ہاں البتہ بے بس ضرور ہو چکا تھا...... ادھر اس کی پشت پر جاڑو خان سوار تھا...... میرے وار کرنے کا مقصد وہ جان چکا تھا تب اس نے اپنی ہتھیلی کا ایک جچا تلہ وار بچل کی ہنسلی پر کیا...... بچل کے حلق کی کرب ناک چیخ بڑی دلدوز تھی...... وہ ڈھیلا پڑ گیا تھا۔

مجھے اس کی جان کا خطرہ لاحق ہونے لگا...... ادھر جاڑو خان ہاتھ جھاڑتے ہوئے کھڑا ہو گیا...... ''سائیں یہ تو گھنٹے دو گھنٹوں کے لئے گیا۔''

اس کی بات سن کر میں بولا...... ''کہیں یہ مر تو نہیں گیا......'' جاڑو خان نے فوراً نفی میں اپنا سر ہلایا...... میں نے جلدی سے اپنا کام نمٹانے کی غرض سے فوراً...... بچل کی وہ چادر ہی پوری کھینچ لی تھی جس میں...... گٹھڑی بنا کر وہ پراسراری شے اس نے لپیٹ رکھی تھی...... میرا کام ہو چکا تھا...... لہٰذا ہم دونوں فوراً ہی وہاں سے کھسک لئے۔

پھر ہم نے ریسٹ ہاؤس آ کر ہی دم لیا...... مجھے چادر میں لپٹی وئی......

پراسرار شے کو جلد سے جلد دیکھنے کی بے چینی ہو رہی تھی...... جو کا دو جکھرانی کا پیٹ چیر کر حاصل کی گئی تھی۔

میرے فطری تجسس کے باعث میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو رہی تھی...... میں جلدی جلدی بچل سے چھینی ہوئی گٹھڑی کو کھولنے لگا۔

* === * === *

اس گٹھڑی کو کھولتے ہوئے میرے دونوں ہاتھ کپکپا رہے تھے...... جاڑو خان میرے ساتھ کھڑا گٹھڑی کی گرہ کھولتے ہوئے میری کپکپاتی انگلیوں کو تکے جا رہا تھا پھر گٹھڑی کھولتے ہی مجھے ایک چرمی تھیلی نظر آئی ...... کوئی پاؤ بھر کی ہو گی ساتھ ہی ناگوار سی بدبو کا ایک بھپکا بھی میرے نتھنوں سے ٹکرایا، لاش کے معدے میں ہونے کی وجہ سے اس میں سے ہنوز ناقابل برداشت بدبو اٹھ رہی تھی ...... میں نے قدرے سانس روکتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا پھر جاڑو خان سے بولا۔ ''جاڑو خان......! ایسا کرو اسے انتہائی احتیاط سے اچھی طرح دھو کر لے آؤ تا کہ اسے چیر کر دیکھا جاسکے کہ اس کے اندر ہے کیا؟''

اس نے میری بات سن کر ہولے سے گردن ہلائی پھر وہ چادر سمیت اٹھا کر کمرے سے نکل گیا...... میرے دل میں دھکڑ پکڑ سی ہو رہی تھی، ایک پراسرار معمے سے پردہ اٹھنے والا تھا، وہ تمام عوامل میرے زیر غور آ رہے تھے جو اس چرمی تھیلی کے پردے میں چھپے ہوئے تھے...... اس ضمن میں کئی معمے حل طلب تھے...... کادو جکھرانی کی لاش کہاں سے آئی ...... آیا اسے قتل کیا گیا تھا یا اس کی لاش چیر کر پیٹ میں تھیلی رکھی گئی تھی، آخر اس چرمی تھیلی میں ایسا کیا تھا جسے حاصل کرنے کے لئے یار محمد اور صوبو خان نے جنگل کا چپہ چپہ چھان مارا تھا...... بالآخر بجل کو یہ لاش مل گئی لیکن بجل نے کیوں اپنے دونوں ساتھیوں یار محمد اور صوبو خان سے یہ سب چھپایا تھا۔

اس اثناء میں جاڑو خان چرمی تھیلی کو اچھی طرح سے دھو کر اور صاف کر کے لے آیا تھا...... اسے ڈیٹول سے دھویا گیا تھا، میں لپک کر جاڑو خان سے تھیلی لے کر بغور اس کا جائزہ لینے لگا پھر اسے کانوں کے قریب لا کر ہلا کر کوئی آواز محسوس کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر کوئی شے کھڑکتی یا ٹھوس سختی محسوس نہ ہوئی تو میں نے

اسے چیرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جاڑو خان بھی اس پراسرار معمے سے پردہ اٹھانے کے لئے کام بجلی کی سی تیزی کے ساتھ انجام دے رہا تھا لہٰذا وہ فوراً چھری لے آیا۔

کمرے میں پرسکوت سناٹا طاری تھا...... میں جاڑو سے چھری لے کر اس تھیلی کو میز پر رکھ کر یوں پھیرنے لگا جیسے مرغی ذبح کر رہا ہوں۔ بہر طور وہ تھیلی نرمی کے ساتھ کٹتی چلی گئی ...... اس کے اندر تہہ کیا ہوا ایک انتہائی سالخوردہ سا کاغذ رکھا ہوا تھا...... میں نے آہستگی سے اسے باہر نکالا اور اسے کھولا تو وہ تقریباً آٹھ مربع انچ تک کھل گیا...... میں نے اسے میز پر پھیلا لیا...... اس میں کچھ آڑی ترچھی لکیروں کے علاوہ کچھ بوسیدہ سے ڈیزائن تھے جن کی شبیہہ چار خانوں اور گول گول دائروں والی اجرک سے ملتی جلتی تھی، جگہ جگہ پر مٹی ہوئی مختلف جانوروں، بیل گاڑیوں کی تصاویر بھی بنی ہوئی تھیں جبکہ ٹیڑھی میڑھی شکستہ و اجنبی سی تحریریں اس نقشے نما کاغذ کے دوسری طرف تھیں۔

جاڑو خان بھی بغور ان تحریروں کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا...... ان تحریروں کی زبان میری سمجھ سے باہر تھی تاہم میں نے جاڑو خان سے پوچھا۔ ''جاڑو خان......! تمہاری سمجھ میں کچھ آ رہا ہے، یہ ہے کیا بلا......؟''

وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔ ''سائیں مٹھا......! لگتا تو یہ کوئی پرانے دور کا نقشہ ہے اور یہ تحریر اور تصویریں مجھے ٹھٹھہ کے کئی سو سال پرانے سمہ دور کی محسوس ہو رہی ہیں۔''

اس کی بات سن کر میں امید بھرے لہجے میں بولا۔ ''کیا تم اسے سمجھ سکتے ہو ......کوشش کرو ذرا......''

میری بات سن کر وہ اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں سائیں......! یہ تحریر میری سمجھ سے باہر ہے۔''

جاڑو خان کی بات سن کر مجھے سخت مایوسی ہوئی، مجھے یوں لگا جیسے ہم نے بلاوجہ ہی ایک پہاڑ کھودا جس کے اندر سے چوہا برآمد ہوا اور وہ بھی مرا ہوا۔

میں نے بے اختیار ایک گہری سرد آہ بھری تو جاڑو خان شاید میری کیفیت کا

انداز ہ کرتے ہوئے بولا۔ ’’سائیں مٹھا...... ! اسے سنبھال کر رکھو...... انشاء اللہ اس راز سے پردہ اٹھا کر رہوں گا۔ مجھے لگتا ہے یہ کوئی نادر اور اہم شے ہے اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کا دوجکھرانی کو اس کی وجہ سے قتل کیا گیا ہے۔‘‘

اس کی صراحت بھری گفتگو سے مجھے کچھ حوصلہ ہوا اور میرا سویا ہوا فطری تجسس یکدم بیدار ہونے لگا...... میں جاڑو خان کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے بولا۔ ’’اس کا مطلب ہے اگر ہم کادوجکھرانی نامی شخص کے قتل کے بارے میں پتہ چلانے کی کوشش کریں تو یقیناً اس راز سے بھی پردہ اٹھ جائے گا۔‘‘

’’بالکل درست کہا سائیں! آپ نے...... اگر کادوجکھرانی کے قتل کا پتہ لگ جائے تو اس پرانے نقشے کے بارے میں بھی ہمیں جانکاری ہوسکتی ہے۔‘‘ وہ یکدم بولا...... پھر قدرے پرسوچ لہجے میں دوبارہ گویا ہوا۔ ’’اس نقشے کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے سائیں...... ! جیسے، جیسے یہ کسی پرانے دور کی کسی قیمتی شے کی نشاندہی کر رہا ہے۔‘‘

بہرطور کافی دیر سرکھپائی کے بعد ہم نے اسے سنبھال کر ایک طرف رکھا اور سونے کے لئے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

میں اپنے کمرے میں آ کر بتی بجھا کر لیٹ گیا، درحقیقت ان پے در پے حالات اور جنگل گردی نے میرے جاگنے سونے کے معمولات بری طرح ڈسٹرب کر رکھے تھ...... رات گئے سونا اور پھر ظاہر ہے آٹھ دس گھنٹوں کی نیند پوری کرنے کے لئے آنکھ دن چڑھے بارہ ایک بجے کھلتی، ناشتہ تو عرصہ ہوا میں بھول ہی چکا تھا البتہ دوپہر کا کھانا میں نہا دھو کر کھا لیا کرتا تھا لیکن اس دن رات سونے کے بعد صبح سویرے مجھے جاڑو خان نے آ کر جگایا۔

’’میرا ہنوز نیند سے برا حال تھا اور آنکھیں جل رہی تھیں۔

’’کیا بات ہے جاڑو خان...... ! اتنی صبح کیوں جگا دیا؟‘‘ میں نے باوجود نیند کے جاڑو خان کے انداز میں شدید اضطراب محسوس کیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب وہ بولا تو اس کی آواز میں بدحواسی کا عنصر غالب تھا۔

’’سس...... سائیں...... وہ...... وہ محمد بچل آیا ہے...... آپ سے ملنا چاہتا

ہے۔‘‘

یہ ایسی بات تھی جسے سن کر میری نیند تو کیا ہوش تک اڑ گئے تھے، بے اختیار میرے منہ سے بے ربط الفاظ نکلے۔ ’’کک...... کیا...... بچل آیا ہے...... مگر کیوں...... یہاں کیوں آیا ہے اور...... اور مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟‘‘

بچل کا نام سن کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔ ’’کیا یہ وہی بچل ہے جسے ہم گزشتہ شب جنگل میں بے سدھ چھوڑ آئے تھے۔‘‘

’’ہاؤ سائیں...... ! یہ وہی بچل ہے...... آپ ایسا کریں منہ پر چھینٹے مار کر آ جائیں، ہم اس سے نمٹ لیں گے۔‘‘ اس نے کہا اور اس کے کمرے سے نکلتے ہی میں بستر سے اٹھا...... آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے اور پھر سلیپنگ ڈریس کے اوپر گاؤن پہن کر میں مہمانوں والے کمرے میں آ گیا۔

وہاں صوفے پر بچل بیٹھا ہوا تھا، مضروب اور قدرے غصے سے بھنایا ہوا، اسے دیکھ کر یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جنگل میں رات گئے تک بے ہوش پڑا رہا تھا اور ہوش میں آتے ہی اس نے ادھر کا رخ کیا تھا۔

ایک لمحے کو میرے چور سے دل میں یہ خدشہ ابھر رہا تھا کہ آخر یہ یہاں کیوں آیا...... کیا ہم سے کوئی غلطی ہو گئی تھی...... ؟ کیا ہم پہچان لئے گئے تھے۔

جاڑو خان بھی وہاں موجود تھا، میں جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا، اس بدتمیز نے مجھے دیکھنے کے باوجود کھڑے ہونے کی زحمت گوارا نہ کی اور محض سر کے ایک خفیف سے اشارے سے مجھے سلام کرنا چاہا تو میں بھی بڑی رکھائی کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے صوفے پر براجمان ہو گیا اور اسے گھورنے لگا، اس کے رویے نے میرے اندر ایک ضد سی پیدا کر دی تھی۔

’’میں...... سائیں دادن شاہ کا ماڑوں (بندہ) ہوں سائیں...... آپ تو جانتے ہو نا اچھی طرح سائیں...... !‘‘

’’تم کسی کے بھی آدمی ہو، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے...... تمہارے لئے یہی کافی ہونا چاہئے کہ میں اتنی صبح صبح تمہیں ملاقات کا شرف بخش رہا ہوں...... بولو کیا کہنا چاہتے ہو؟‘‘ میری کٹیلی گفتگو نے اسکا دماغ درست کر ڈالا لہٰذا وہ اپنی سطح پر

اترتے ہوئے قدرے لجاجت سے بولا۔ ''سائیں بگھیو صاحب......! میں نے تو ایسے ہی دادن شاہ کا نام لے لیا تھا۔ دراصل آپ کل شام ٹال پر آئے تھے نا ان کا پوچھنے، اسی لئے میں نے سوچا......''

میں فوراً اس کی بات کاٹتے ہوئے قدرے بیزاری سے بولا۔ ''اچھا...... اچھا بولو کیا بات ہے؟''

میری بات سن کر اس کے چہرے پر ایک لمحے کو خجالت کے آثار نمودار ہوئے، اس کے بعد وہ قدرے لجلجا کر مجھ سے کہنے لگا۔ ''سائیں......! آپ غلط مت سمجھئے گا بلکہ...... بلکہ یہ آپ کے لئے بھی بہتر ہوگا...... وہ...... وہ...... میں اس بنگلے کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔''

اس نے گویا میرے سر پر بم کا دھماکہ کر دیا...... میں عالم طیش میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اسے گھورتے ہوئے باآواز بلند بولا۔ ''بچل......! یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم...... تمہاری جرأت کیسے ہوئی یہ بات کرنے کی۔''

کہنے کو تو میں نے اس پر طوفانی قسم کا رعب جھاڑ دیا تھا لیکن اس کی بات نے مجھے پریشان کر دیا تھا کیونکہ اگر وہ تلاشی لینے کی کوشش کرتا تو یقیناً اسے تھیلی کی باقیات جس میں اس کی چادر بھی شامل تھی، اس کے ہاتھ لگ جاتی اور اس کے بعد ہم اچھے خاصے ''مسئلے'' میں الجھ سکتے تھے۔ درحقیقت مجھے بچل کے اس قدر جلدی قدم اٹھانے یا یہاں صبح ہی صبح آ دھمکنے کی توقع نہ تھی ورنہ میں راتوں رات ہی خالی چرمی تھیلی اور بچل کی چادر کو غائب کروا دیتا اور مجھے خدشہ تھا کہ جاڑو خان کے ''بھیجے'' میں بھی میری طرح ان چیزوں سے فوری چھٹکارا پانے کا خیال نہیں آیا ہو گا۔

بہرطور...... میرے درشت اور یکدم بھڑک دار رویے نے اس کے چہرے کے تاثرات تکلخت بدل ڈالے تھے...... وہ کھڑے ہوتے ہوئے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے گونجدار لہجے میں بولا۔ ''سائیں...... اس میں کاوڑ (غصے) کی کیا بات ہے...... میں نے آپ پر کسی قسم کا کوئی الزام تو نہیں لگایا...... بابا...... میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ رات جنگل میں میرا اپنے دو پرانے دشمنوں سے ٹکراؤ ہو گیا تھا......

وہ مجھے مار پیٹ کر بے ہوشی کی حالت میں جنگل میں ہی پھینک گئے تھے۔ جب میں ہوش میں آیا تو دن نکل آیا تھا پھر میں آپڑیں دشمنوں کے ''پیر'' زمین میں تلاش کرتا ہوا آگے بڑھنے لگا تو وہ ''پیر'' آپ کے ریسٹ ہاؤس کے پچھلے دروازے پر آ کر غائب ہو گئے تھے، مجھے شک گزرا تھا کہ انہوں نے یقیناً رات میں چوری چھپے آپ لوگوں کی لاعلمی میں یہاں پناہ لے رکھی ہو اور شاید اب بھی کہیں چھپے بیٹھے ہوں۔''

وہ اپنی صراحت بھری گفتگو ختم کر کے اس طرح میری آنکھوں میں جھانکنے لگا جیسے میرے دل کا چور پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اس کی تفصیلی گفتگو سے مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ ہمیں پہچان گیا تھا کہ گزشتہ شب اس پر حملہ کرنے والے ہم ہی تھے لیکن وہ پہلے چالاکی سے یہاں کی تلاشی لینا چاہتا تھا اور ہو سکتا ہے کہ اس کا یوں صبح صبح یہاں آ دھمکنے کا مقصد بھی یہی رہا ہو کہ اسے یہاں کچھ نشانیاں مل جائیں تو وہ ہمارے خلاف کھل کر محاذ بنائے لہٰذا میں کسی بھی قیمت پر بچل کی یہ بات ماننے کو تیار نہ تھا...... وہ پہلے تو خوشدلی سے مجھے مناتا رہا لیکن میرے سخت اور اٹل جواب نے اسے اپنی کینچلی بدلنے پر مجبور کر دیا...... تب وہ پہلی بار قدرے معاندانہ لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''سوچ لو بگھیو صاحب......! اس طرح آپ خود کو بھی ہماری نگاہ میں مشکوک بنا رہے ہو...... یہ تو بعد میں جھگڑے والی بات ہو جائے گی سائیں......! اس لئے میں آخری بار عرض......''

''میں کہتا ہوں بکواس بند کرو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے......'' میں اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

بچل اپنے لمبوترے چہرے پر غضب کا عناد طاری کر کے ہونٹ بھینچے میری جانب تکتا رہا اور پھر پاؤں پٹختا ہوا چلا گیا۔

میں جانتا تھا کہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا اور نہ ہی وہ اس بات کو زیادہ طول دینے کی کوشش کرے گا مگر ہمارے حق میں بہرحال یہ بات صحیح نہیں ہوئی تھی کہ بچل جیسے کینہ پرور اور ہوشیار شخص کو ہم پر شک ہو چکا تھا کہ گزشتہ شب اس پر حملہ کر کے وہ گٹھڑی ہتھیانے والے ہمارے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے تھے اور یہ بھی ممکن تھا کہ بچل اب اس پراسرار نقشے کو حاصل کرنے کی خاطر ریسٹ ہاؤس میں چوری

چھپے داخل ہونے کی کوشش کرے کیونکہ وہ شے ہی ایسی تھی کہ جس کا تقاضا بجل نہ ہم سے کرسکتا تھا اور نہ ہی اس کا اعلان کر کے ہمارے خلاف کہیں مقدمہ داخل کرسکتا تھا۔

بہرطور بجل جیسی اچانک نازل ہونے والی بلائے ناگہانی کا یہاں سے جاتے ہی میں نے فی الفور جاڑو خان کو ہدایات جاری کر دیں کہ سب سے پہلے بجل کی چادر اور چرمی تھیلی کی باقیات کو ضائع کر دے، اس کے بعد ہم نے گزشتہ شب جو جوتے استعمال کیے تھے، انہیں بھی تلف کر ڈالے۔

جاڑو خان نے فوراً میری ہدایات پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ میں واپس اپنے کمرے میں بستر پر آ لیٹا...... نیند آنے کا تو اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... بجل کے اچانک یہاں پہنچ جانے کے خیال سے میرا دماغ خاصا پریشان کن سوچوں کی آماجگاہ بننے لگا تھا ورنہ میں اور جاڑو خان کل رات جس پھرتی اور مستعدی کے ساتھ بجل کو اپنا چہرہ دکھائے بغیر اسے قابو کر کے بے سدھ کرنے کے بعد اس قبضے سے اپنی مطلوبہ شے لے کر جب واپس ریسٹ ہاؤس پہنچے تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ بجل صبح صبح ہمارے سروں پہ نازل ہو جائے گا۔

تھوڑی دیر بعد جاڑو خان اپنا کام بہ احسن طریقے سے مکمل کرنے کے بعد میرے کمرے میں آ گیا۔

میں نے اس سے کہا۔ ''تم فوراً ناشتے وغیرہ کا بندوبست کرو، میں جب تک غسل سے فارغ ہو کر آتا ہوں۔''

اس کے بعد جب میں نہانے کے لئے باتھ روم میں گھسا تو میرے دماغ میں نوری کے مسئلے سے نمٹنے کا خیال جاگزیں ہو گیا، میں نے اپنے ملازم کے ذریعے پتہ کروا لیا تھا کہ وڈیرا آچر خان شہر سے اپنے بال بچوں کے ساتھ واپس حویلی میں آ چکا تھا اور میں نے آج اس سے مل کر نوری کو ہر قیمت پر اس کے قبضے سے آزاد کروانے کا تہیہ کر لیا تھا۔

◆❁◆

باہر چہار سو چمکیلی خوشگوار سی دھوپ پھیلی ہوئی تھی...... دور جنگل کی سمت خوش

رنگ پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں گونج رہی تھیں...... میں اور جاڑو خان تیار ہو کر جیپ میں سوار ہوئے اور وڈیرے آچر خان کی حویلی کی سمت چل دیئے...... حویلی میں خاصی گہما گہمی دیکھنے میں آئی...... باہر ایک گرے رنگ کی پجیرو کے علاوہ پرانے ماڈل کی سفید لینڈ کروزر بھی کھڑی تھی۔

پجیرو تو میں نے پہچان لی تھی کہ وہ وڈیرے آچر خان کی تھی جبکہ سفید رنگ کی لینڈ کروزر بھی مجھے مانوس سی محسوس ہوئی تھی مگر مجھے صحیح طور پر یاد نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس کی تھی۔

باہر میں نے دو گورے چٹے بچے بھی کھیلتے کودتے دیکھے تھے، وہ بالکل کسی انگریز کی اولاد دکھائی دے رہے تھے...... انہیں دیکھ کر مجھے یہ اندازہ لگانے میں چنداں دیر نہ لگی کہ وہ وڈیرے آچر خان کے ولایت پلٹ بیٹے بابر خان کی فرنگن بیوی کے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ بابر خان بھی اپنے بیوی، بچوں کے ساتھ حویلی میں فروکش تھا...... ایک ملازم کے ذریعے میں نے اندر وڈیرے آچر خان کو اپنے آنے کی اطلاع بھجوائی...... میرا خیال تھا کہ وڈیرا مجھے ہمیشہ کی طرح اندر بلا لے گا لیکن جب ملازم نے مجھے اوطاق میں لے جا کر بٹھا دیا تو مجھے تھوڑا اچنبھا ہوا تاہم میں خاموش رہا۔

تھوڑی دیر بعد وڈیرے آچر خان کا منشی پیرل اپنا باریک فریم والا چشمہ سنبھالتا ہوا خلاف توقع سنجیدہ صورت لئے وہاں آیا تو میں ذرا چونکا...... وہ سپاٹ لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''بگھیو صاحب......! سائیں بھوتار تو اس وقت مصروف ہیں کوئی ضروری بات ہے تو میں کہہ دوں گا ان سے...... بتاؤ مجھے۔'' اس کے چہرے پر ہر وقت کھلنے والی خوشامدانہ مسکراہٹ اس وقت عنقا تھی۔

میں نے اس کی سرد مزاجی کو فوری محسوس کرتے ہوئے گھمبیر لہجے میں کہا۔ ''بات تو ضروری ہی تھی اور کرنی بھی میں نے سائیں آچر خان سے تھی...... ٹھیک ہے ان سے کہنا کہ میں پھر آ جاؤں گا۔'' اتنا کہہ کر میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

جاڑو خان بھی میرے ساتھ کھڑا ہوا تھا، میں نے محسوس کیا کہ منشی پیرل میری بات سن کر شش و پنج میں مبتلا ہو گیا تھا۔

بالآخر بولا۔ ’’سائیں...... ! اگر نوری والا کوئی معاملہ ہے تو میرا خیال ہے یہ بات سائیں بھوتار پسند نہ کریں گے، خواہ مخواہ ہی آپ کا دوبارہ وقت ضائع ہو گا۔‘‘

منشی کی بات میری سمجھ میں اچھی طرح آ گئی ...... صاف ظاہر تھا کہ اس نے وڈیرے آچر خان سے اپنے تئیں نوری کے معاملے میں میری دلچسپی کو قدرے نمک مرچ لگا کر بتایا ہو گا اس لئے آچر خان مجھ سے ملاقات کرنے سے پہلو تہی کر رہا تھا۔ مجھے منشی پیرل کی وقت ضائع کرنے والی بات پر غصہ تو بہت آیا کیونکہ اس کا مطلب تھا کہ وڈیرے آچر خان کو پتہ تھا کہ میں اس کے پاس کس سلسلے میں آیا ہوں اسی لئے اس نے مصروفیت کا بہانہ کرتے ہوئے اپنے چمچۂ خاص منشی پیرل کو یہاں بھیج دیا تھا۔ بہرطور میں منشی کے مکار چہرے پر اپنی برماتی ہوئی نظریں مرکوز کرتے ہوئے بولا۔ ’’تو ٹھیک ہے ...... اپنے بھوتار سائیں سے یہ بھی کہہ دینا کہ اگر وہ نوری کے سلسلے میں مجھ سے ملاقات نہیں کرنا چاہتے تو مجبوراً مجھے راجواڑیں کے مکھ سردار رئیس موریو خان سے بات کرنی پڑے گی۔‘‘ اتنا کہہ کر میں وہاں سے لوٹ آیا۔

◆❀◆

میری جیپ کا رخ اب سیدھا پولیس تھانے کی طرف تھا۔ آج وڈیرے آچر خان کے برتاؤ نے مجھے ہی نہیں جاڑو خان کو بھی خاصا پریشان کر دیا تھا۔

’’سائیں مٹھا...... ! یہ آخر خان اب اپنی کینچلی بدل رہا ہے ورنہ کہاں وہ ہم سے ملنے کی خاطر اپنے آدمی ریسٹ ہاؤس بھیجا کرتا تھا۔‘‘

جاڑو خان کی بات سن کر میرے ہونٹوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور میں اپنی نظریں بدستور سامنے کچے راستے پر مرکوز رکھتے ہوئے بولا۔ ’’جاڑو خان...... ! وقت پڑن پر جو لوگ جوتے چاٹنے پر اتر آتے ہیں ناں ...... ان سے ہر قسم کی توقع رکھنی چاہئے۔ ویسے وڈیرے نے اپنا اچانک رویہ تبدیل کر کے ہمیں ایک کھیل کھیلنے کا موقع دیا ہے۔‘‘

میرے اسرار بھرے لہجے نے جاڑو خان کو قدرے چونکا دیا۔ بولا۔ ’’کیا مطلب سائیں مٹھا...... !‘‘

’’دیکھتے جاؤ ...... سمجھ جاؤ گے خود ہی۔‘‘ میرے ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ دیکھ کر جاڑو خان ہونقوں کی طرح اپنا سر اثبات میں ہلانے لگا۔

اثنائے راہ ہم تھانے آ پہنچے ...... تھانے کی عمارت کے باہر مجھے ایک بھاری بھرکم جیپ کھڑی دکھائی دی ...... اندر انسپکٹر ارشد موجود تھا اپنے کمرے میں ...... لاک اپ کا میں نے گزرتے ہوئے جائزہ لیا تو ذرا ٹھٹکا، وہاں صرف دو عدد قیدی تھے جبکہ مجھے یاد تھا کہ ان قیدیوں کی تعداد پانچ چھ تھی۔ بہرطور وہاں موجود ایک سپاہی مجھے خاصے احترام کے ساتھ انسپکٹر ارشد کے کمرے کے اندر تک چھوڑنے آیا ...... انسپکٹر ارشد اس وقت اپنے سامنے بیٹھے ایک قوی الجثہ شخص سے مصروف گفتگو تھا۔ اس کے دائیں بائیں کرسیوں پر دو افراد اور بھی براجمان تھے جو بلاشبہ اسی شخص کے ساتھی معلوم ہو رہے تھے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی انسپکٹر ارشد کے چہرے پر ایک لمحے کو عجیب تاثرات ابھرے تھے جیسے وہ میری آمد پر خوش نہ ہوا ہوتا ہم بادل نخواستہ مجھ سے مصافحہ کرنے کے بعد وہ ہم دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے دوبارہ مذکورہ شخص کے ساتھ محو گفتگو ہو گیا۔ میں نے بغور اس بھاری بھرکم شخص کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ مجھے کسی قدر مانوس سا لگا ...... مجھے یہاں تک یاد آ گیا کہ اس شخص کو میں نے اپنی حویلی کی اوطاق میں بابا سائیں کے پاس دیکھا تھا ...... جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو جیسے اسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو اور وہ اپنی گینڈے جیسی گردن پر ہاتھی نما سر میری جانب گھما کر یکدم کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور فوراً میری جانب معانقے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ کھولتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوا۔ ’’آخاہ ...... سائیں بجھیو صاحب ...... کیا حال چال ہیں بابا ...... مجھے پہچانا نہیں شاید تم نے ......‘‘

میں اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے چہرے پر قدرے دوستانہ مسکراہٹ لئے اس سے بغلگیر ہوا، اس کے بعد بولا۔ ’’ہا...... سائیں ...... ! کچھ دیکھے ہوئے تو معلوم پڑتے ہو مگر...... !‘‘

’’مگر یاد نہیں آ رہا......‘‘ وہ میری ادھوری بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔ پھر اس کے دونوں ساتھیوں نے بھی مصافحہ کیا۔

''اڑے بابا......! میں دادن شاہ ہوں، تمہارے مجان وارے (عزت والے) بابا سائیں خیر محمد صاحب کا دوست......تم فیضو ہو شاید......معاف کرنا فیض محمد نام ہے نا تمہارا......'' وہ خاصی بے تکلفی سے بولا اور دھپ سے کرسی میں پھنس کر بیٹھ گیا اور میں اس کا نام سن کر چونکا۔

''اڑے بابا......تم اور یارو (یار محمد) تو میری گود میں کھیلے ہو...... مجھے بچل نے بتایا تھا کہ تم مجھ سے ملنے بھی آئے تھے، میری ٹال پر......کیا کوئی کام تھا مجھ سے......؟''

اس نے پوچھا تو میں نے اثبات میں اپنا سر ہلاتے ہوئے مختصراً جواب دیا۔

''ہاں سائیں آیا تھا......''

اس کے بعد میں اپنی جانب تکتے ہوئے انسپکٹر ارشد سے مخاطب ہو کر بولا۔

''انسپکٹر صاحب......! ان چوروں کا کیا بنا......؟ وہ تو نظر نہیں آ رہے مجھے......''

میری بات سن کر وہ بولا۔ ''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، وہ لاک اپ میں ہی موجود ہیں، ابھی تک۔''

''مگر وہ تو صرف دو ہیں جبکہ مجھے یاد ہے وہ پانچ چھ تھے، کیا باقی فرار ہو گئے۔'' بے اختیار میرے لہجے میں طنز اتر آیا۔

مگر وہ میرے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی ڈھٹائی سے بولا۔ ''بگھیو صاحب......! ہمارے تھانے کی عمارت میں اتنی جگہ نہیں ہے کہ فضول میں لوگوں کو رکھیں، ان میں دو کام کے قیدی تھے، انہیں میں نے تفتیش کے لئے ابھی بند کر رکھا ہے۔''

''اور یقیناً یہ دونوں خود کو وڈیرے آچر خان کا آدمی بتاتے ہوں گے۔'' میرے لہجے میں بدستور طنز کی کاٹ نمایاں تھی......اس بار انسپکٹر ارشد تلملائے بغیر نہ رہ سکا اور میری جانب قدرے گھور کر بولا۔ ''کیا مطلب ہے آپ کا......؟''

''میرا مطلب صاف ہے انسپکٹر ارشد صاحب......آپ کو باقی چوروں کا بھی بیان قلمبند کرنا چاہئے تھا۔'' میں جواباً اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔

تو اس بار دادن شاہ نے مداخلت کرتے ہوئے کھنکار کر مجھ سے کہا۔ ''ارے بگھیو صاحب! باقی چار آدمی میرے تھے جو بے قصور تھے، انہیں وڈیرے آچر خان کے آدمیوں نے ورغلا کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا مگر میں نے بھی ان کی خوب خبر لی ہے۔ کہو تو ان سب کو آپ کے سامنے پیش کر دوں، خود ہی ان کے سروں پر جوتیاں مار کر پوچھ لینا۔'' میں اس کی بات سن کر ایک لمحے کو چونکا پھر گھمبیر لہجے میں اس سے بولا۔ ''دادن شاہ! یہ کام تو پولیس کے کرنے کا ہے...... ویسے آپ نے کیا اپنے آدمیوں کی ضمانت کروالی ہے؟''

میری بات سن کر اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا......ادھر انسپکٹر ارشد حیرت سے دادن شاہ کا چہرہ تکے جا رہا تھا......اسے شاید میری طرح دادن شاہ کا اس ڈھٹائی کے ساتھ اعتراف کرنے پر حیرت ہو رہی تھی۔

تب پھر میں انسپکٹر ارشد سے دوبارہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ''انسپکٹر صاحب! پھر بھلا ان دونوں کا کیا قصور ہے، انہیں بھی آپ چھوڑ دیتے۔''

''بالکل نہیں اصل مجرم وہ دونوں ہی ہیں اور مسٹر فیض محمد! آپ کو ہمارے معاملے میں نکتہ چینی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم اپنا کام بہتر طریقے سے کرنا جانتے ہیں۔'' انسپکٹر ارشد نے قدرے سخت لہجے میں مجھ سے کہا تو مجھے بھی غصہ آ گیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ ''انسپکٹر......! یہ صرف تمہارا معاملہ نہیں، سرکاری جنگلات کی حدود میں کچھ چوروں نے غیر قانونی طور پر درخت کاٹنے کا جرم کیا ہے جس کی باقاعدہ میں نے نہ صرف رپورٹ درج کروائی تھی بلکہ چوروں کو گرفتار کرنے میں قانون کی مدد بھی کی تھی...... جہاں تک آپ اپنے ''طور طریقوں'' کے ذریعے من پسند مجرموں کو رہا کرتے ہیں، میں اس کے بارے میں بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔''

میرے شعلہ فشاں بیان نے انسپکٹر کو پہلے تو پریشان اور پھر تلملا کر رکھ دیا، وہ بے اختیار دانت پیس کر رہ گیا پھر بولا۔ ''میں آج ہی وڈیرے آچر خان کے خلاف عملی کارروائی کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

''اور دادن شاہ کے بارے میں کیا خیال ہے...... ان کے بھی تو آدمی اس

چوری میں ملوث تھے۔'' میں نے صاف گوئی سے جواباً کہا تو قریب بیٹھے دادن شاہ کا بھاری پہاڑ جیسے جثے میں زلزلہ آ گیا، اسے غالباً مجھ سے ایسی بے رخی کی امید نہ تھی، اس نے مجھے جواب دینے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھنے کی پہلے تو ایک ناکام کوشش کی پھر اپنی جگہ کسمسا کر رہ گیا اور بیٹھے بیٹھے ہی اپنا رخ میری طرف موڑتے ہوئے بولا۔ ''بگھیو صاحب......! آپ کو بھلا مجھ سے کیا دشمنی ہے اصل مجرم تو وڈیرے آچر خان کے آدمی ہیں نا بابا......لگتا ہے اس کی اوطاق پر آپ نے خوب دعوتیں اڑائی ہیں، اگر اس دوران تمہاری مجھ سے بھی ملاقات ہو جاتی تو میں بھی آپ کے اعزاز میں وڈیرے آچر خان سے بھی زیادہ ''جشن پارٹیں'' کا بندوبست کر لیتا پھر یقیناً آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہوتی۔''

چالاک اور عیار دادن شاہ نے مجھ پر اپنے تئیں بڑا کاری حملہ کیا تھا مگر میرے پاس بھی اس کا خاطر خواہ جواب تھا، میں بولا۔ ''دادن شاہ......! اچھا ہوا آپ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ آچر خان کی طرح تمہیں بھی میری دعوت کر کے مایوسی ہی ہوتی کیونکہ اس قسم کی دعوتوں کا مطلب میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں اور اب تم نے میرا شک یقین میں بدل دیا ہے کہ ان دو آدمیوں کو دانستہ جو یہاں قید رکھا گیا ہے، وہ بھی تمہارے ہی آدمی ہیں۔''

میری جوابی کارروائی نے پہلی بار دادن شاہ کو طیش میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ گونجدار لہجے میں بولا۔ ''تمہارے بابا سائیں کا خیال نہ ہوتا تو میں تم سے اچھی طرح نمٹتا۔''

''میری بھی یہی مجبوری ہے، دادن شاہ کہ تم میرے بابا سائیں کے دوست ہو اسی لئے اب تک خاموش ہوں لیکن اتنا یاد رکھنا، میں ذرا بدلحاظ قسم کا شخص بھی ہوں۔''

میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تو دادن شاہ عجیب زہرخند مسکراہٹ کے ساتھ اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''تو ٹھیک ہے پھر ہم بھی کوئی لحاظ نہیں کریں گے۔'' اتنا کہہ کر وہ خاصے سنسنی خیز انداز میں انسپکٹر ارشد کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''انسپکٹر صاحب......! کل رات میری ٹال کے منیجر بچل پر کسی نے

حملہ کیا تھا اور اسے بے ہوش کر کے اس کے قبضے سے دو لاکھ روپے کی رقم چھین کر بھی لے گئے تھے اور اسی واردات والی رات حملہ آوروں نے فاریسٹ آفیسر فیض محمد بگھیو کے ہاں پناہ لی تھی۔''

اس کی بات سن کر میرا دماغ بھنا کر رہ گیا...... وہ میری طرف شاطرانہ نظروں سے دیکھنے لگا...... ''فاریسٹ آفیسر'' اس نے خاصا چبا چبا کر ادا کیا تھا جیسے کہہ رہا ہو کیسی رہی بگھیو صاحب......!

مگر میں اس کی عیاری کو بھانپ گیا تھا کیونکہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا لہٰذا میں بھی جواباً دادن شاہ کو سنانے کے لئے انسپکٹر ارشد سے بولا۔ ''انسپکٹر......! یہ بھی سن لو کہ ان کا وہ بدمعاش آدمی بچل آج صبح میرے ریسٹ ہاؤس آیا تھا اور مجھے دھمکیاں دینے کے بعد چلا گیا تھا۔''

انسپکٹر ارشد ہم دونوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''میرا خیال ہے پہلے آپ دونوں جھگڑا کر لو، میں پھر کوئی کارروائی کرتا ہوں۔''

دادن شاہ چند ثانیے تک میرے چہرے کی طرف گھورتے رہنے کے بعد غصے سے اپنا پاؤں پٹختا اپنے دونوں حواریوں کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ انسپکٹر ارشد خاصا پریشان سا ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر اپنے لئے پانی کا ایک گلاس منگوایا...... تھوڑی دیر بعد پانی کا گلاس حاضر کر دیا گیا جسے غٹاغٹ چڑھانے کے بعد اس نے مجھ سے بھی پانی کا پوچھا مگر میں نے سر کے اشارے سے منع کر دیا...... ذرا دیر بعد وہ ایک تھکی تھکی سی اضطراب آمیز سانس کھینچتے ہوئے بولا۔ ''چھوڑو بگھیو صاحب......! آپ کیوں ان دونوں ہاتھیوں کے بیچ پسنا چاہتے ہو...... میری طرح آپ بھی ایک سرکاری آفیسر ہو اور آپ کو پتہ ہے کہ ہماری کیسی کیسی مجبوریاں ہوتی ہیں...... یہ تو دریا میں رہ کر مگرمچھوں سے بیر لینے والی بات ہے۔''

میں نے قدرے سنجیدگی سے اس کی بات سنی، اس کی بات غلط تھی۔ وہ یقیناً دادن شاہ اور وڈیرے آچر خان کو دو ہاتھیوں اور مگرمچھوں سے تشبیہہ دے رہا تھا اور میں اس کی بات کا مطلب اچھی طرح سے سمجھ گیا تھا۔ بہرطور میں بھی ذرا معتدل ہو

کر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''انسپکٹر صاحب......! اگر ہم اسی طرح اپنی مجبوریوں کو دیکھتے رہے تو جرائم یونہی پھلتے پھولتے رہیں گے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ ان دونوں ہاتھیوں کو پورا جنگل روندنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔''

میری بات سن کر انسپکٹر جلدی سے بولا۔ ''اب ایسی بات بھی نہیں ہے بہرحال آپ بےفکر رہیں، میں اپنے طور پر ان دونوں کو ''دادن'' کرنے کی کوشش کروں گا۔''

میں نے اندازہ لگایا کہ انسپکٹر غلط نہیں کہہ رہا تھا اسی لئے میں نے سردست بہتر یہی سمجھا کہ انسپکٹر کو اپنی حکمت عملی کے جوہر دکھانے کے لئے اکیلا چھوڑ دیا جائے، اس کے بعد میں اور جاڑو خان وہاں سے لوٹ آئے۔

تھانے میں اچانک دادن شاہ سے ملاقات اور اس کے بعد ہم دونوں کے درمیان بدمزگی میرے لئے غیر متوقع تھی بہرطور میرا دماغ ایک بار پھر نوری کی طرف چلا گیا جو بےچاری جانے کن حالوں میں وڈیرے آچر خان کی حویلی میں زندگی گزار رہی تھی...... نوری کے بارے میں سوچتے ہوئے مجھے یاد آیا کہ جب منشی پیرل مجھے وڈیرے آچر خان کی حویلی کی بالائی منزل پر لے گیا تھا تو وہاں کوئی عورت مقید تھی جسے بی بی جی کہہ کر منشی نے مخاطب کرتے ہوئے نوری کو اس کے کمرے میں اسے سنبھالنے کے لئے بھیجا تھا۔ مجھے خواہ مخواہ ہی کرید سی لگ گئی کہ آخر وہ روتی سسکتی لڑکی کون تھی؟ کیا وڈیرے آچر خان نے اسے قید کر رکھا تھا؟

مگر میں فی الحال نوری کے لئے متفکر تھا، مجھے اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ نوری کے معاملے میں میری غیر معمولی دلچسپی کو بعض شر پسند لوگ ضرور اچھالنے کی کوشش کریں گے مگر میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر کبھی ایسا موقع آیا تو نوری کو میں ہی تحفظ دوں گا...... میں وڈیرے آچر خان کے منشی کو نوری کے سلسلے میں مکھ سردار موریو خان کے پاس جانے کی دھمکی جھوٹی نہیں دے کر آیا تھا لہٰذا میں نے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھا، ابھی دن کا ایک ہی بجا تھا، میں نے آج ہی موریو خان سے بھی ملاقات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

پہلے تو میرے جی میں آئی کہ اپنی حویلی جا کر بابا سائیں سے ملاقات کروں

اور موریو خان کے سلسلے میں ان سے تھوڑی گفتگو کروں مگر پھر یہ سوچ کر کہ وہ بلاوجہ پریشان ہوں گے، میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اب میرا رخ رئیس موریو خان کی اوطاق کی طرف تھا۔ نوری کی محبت نے میرے دل و دماغ میں کچھ ایسا شب خون مارا تھا کہ میں اس کی خاطر بڑے سے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔

موریو خان کی اوطاق گوٹھ کے جنوب میں شہر جانے والی پختہ سڑک کی دوسری جانب لگ بھگ پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھی...... جاڑو خان کو میں نے اپنے آئندہ پروگرام کے بارے میں بتا دیا تھا، وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

ہماری جیپ درمیانی رفتار سے سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے کچے راستے پر دوڑی چلی جا رہی تھی، ہمارے دائیں جانب ساتھ ساتھ گھنا جنگل تھا۔ کہو، کیکر، کھجور اور آسریں کے پیڑ نگہبانوں کی طرح ایستادہ تھے...... بائیں طرف نہر کا چوڑا پاٹ تھا جس کے دوسری طرف گندم، جوار اور باجرے کے کھیتوں سے ذرا آگے اپلے تھپی گارے مٹی کے مکانوں کی بے ترتیب قطاریں دکھائی دے رہی تھیں...... ذرا دیر بعد قدرے میدانی اور بھربھری مٹی والے مسطح قطعات کا سلسلہ شروع ہو گیا...... سامنے ہی شہر کو جانے والی پختہ سڑک دکھائی دی...... میں نے اپنی جیپ سڑک پر چڑھا دی...... متواتر کچے اور ناہموار راستوں پہ ہچکولے کھاتے رہنے کے بعد جیسے ہی ہموار پختہ سڑک پر جیپ آئی تو مجھے سکون سا مل گیا...... لگ بھگ کوئی سات آٹھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد دائیں طرف ایک بورڈ لگا ہوا نظر آیا جس پر ''گوٹھ الھیار'' لکھا تھا، موریو خان یہیں رہتا تھا...... میری نگاہیں ونڈ اسکرین پر مرکوز تھیں اور دل و دماغ میں ایک جوش کی سی کیفیت تھی جو میرے چہرے پر بھی سمٹ آئی تھی۔

موریو خان سے میں نے نوری کے سلسلے میں حتمی طور پر کیا بات کرنی تھی شاید یہ کیفیت اسی بات کی وجہ سے ہی ہو رہی تھی۔

میں دعا مانگ رہا تھا کہ موریو خان سے آج میری ملاقات ہو جائے...... یہاں چاروں اطراف کھیتوں، کھلیانوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا...... جدھر

ہاری عورت مرد کام میں مصروف تھے کہیں ٹریکٹر چل رہے تھے تو کہیں گندم گاہنے والے بیلوں کو کھدیڑا جا رہا تھا۔ میتھی، ساگ اور لوسٹر خوب اتری ہوئی تھی پھر ایک جانب ہرے بھرے لوسٹر کے کھیت میں دھوپ سینکتے ہوئے چند خوش فکروں کی ٹولی کے قریب جا کر میں نے جیپ روک لی۔

جاڑو خان نے بھی میری تقلید کی تھی، وہ لوگ تعداد میں پانچ چھ رہے ہوں گے۔ انہوں نے سروں پر سرخ اور زرد رنگوں کی سندھی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں، وہ سب ایک دم مرعوب ہونے والے انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے ...... پھر ''بسم اللہ'' ''بھلی کرے آیو'' کہتے ہوئے سلام دعا کے بعد میں نے ان سے رئیس موریو خان کی اوطاق کے بارے میں پوچھا نیز یہ بھی معلوم کیا کہ کیا اس وقت ان سے ملاقات ہوسکتی ہے، میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ بھوتار رئیس موریو خان گوٹھ میں ہی موجود ہے۔

ازراہ نوازش ان میں سے ایک شخص ہمیں اوطاق تک لے جانے کی خاطر ہمارے ساتھ ہی روانہ ہوگیا...... میں ان کا شکریہ ادا کرنے اور ہاتھ ملانے کے بعد جیپ میں سوار ہوگیا۔ مشکل سے چند فرلانگ کے بعد مجھے سامنے ایک وسیع قطع اراضی پر پھیلا ہوا قدیم طرز کا حویلی نما گھر نظر آیا...... حویلی مکمل طور پر اس لئے نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ حویلی کی طرز کا تھا ہی نہیں البتہ وسیع رقبے پر ضرور پھیلا ہوا تھا ...... جدھر ایک خاصے بڑے احاطے میں جیپ اور ذرا فاصلے پر بھینسیں اور گھوڑے بھی نظر آ رہے تھے...... ایک بڑے سے کمرے کے باہر دھوپ میں نقشین پایوں والی دو چار پائیاں اور تقریباً آٹھ دس مونڈھے بچھے ہوئے تھے، اس وقت وہاں صرف دو مجہول سے آدمی اجلے لباسوں میں بیٹھے ہوئے تھے ...... ایسا لگتا تھا جیسے ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں کوئی کچہری لگی تھی اور اس کے بعد مجمع چھٹ گیا۔

میں نے جیپ اس جگہ کے قریب روک دی ...... سب سے پہلے میں نے اپنے ساتھ آئے ہوئے ''راہ نما'' کا شکریہ ادا کر کے اسے رخصت کیا۔ اس کے بعد سامنے آپس میں محو گفتگو وہ دونوں منحنی سے اشخاص ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔

جب ہم قریب پہنچے تو انہوں نے کھڑے ہو کر معانقہ اور مصافحہ کیا پھر ہمیں

مونڈھوں پہ ہاتھ رکھ کر ہماری اور ہم نے ان کی خیریت پوچھی، اس کے بعد میں نے رئیس موریو خان کے بارے میں استفسار کیا تو ان میں سے ایک شخص بولا۔ ''بھوتار سائیں ابھی ابھی اپنے مہمانوں کو ذرا آگے تک چھوڑنے گئے ہیں، ابھی آتے ہوں گے۔''

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا پھر وہ دونوں شخص آپس میں گفتگو ہو گئے ......

ان کی باتوں سے میں نے یہی اندازہ لگایا کہ وہ کسی فیصلے کے سلسلے میں موریو خان کے پاس آئے تھے اور میری طرح ہی عرضدار تھے ...... مجھے ان کی گفتگو سے کوئی سروکار نہ تھا لہٰذا میں یونہی جاڑو خان سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔

تب اچانک میری سماعت سے ''کادو جکھرانی'' کا نام ٹکرایا اور میرے ساتھ جاڑو خان نے بھی چونک کر اپنے قریب مونڈھوں پر بیٹھے ہوئے محو گفتگو ان دو آدمیوں کی طرف دیکھا۔ ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ ''میکوں پورا یقین ہے ادا...... آپڑیں کادو کو دادن شاہ نے ہی مروایا ہے یا پھر کہیں غائب کر دیا ہے۔'' جواباً دوسرا بولا۔ ''ہاؤ ماسات (خالہ زاد) توں صحیح آکھتا ہے...... مجھے بھی شک ہے پورا آپڑیں کادو جکھرانی کو غائب کرنے میں دادن شاہ یا اس کے آدمیوں کا ہی ہاتھ ہے۔''

وہ دونوں اس بات سے لاتعلق تھے کہ ہم ان کی باتوں پہ کان لگائے ہوئے تھے ...... درحقیقت ایسے مسئلے مسائل یہاں کا معمول تھے اور گوٹھ کے لوگوں کی اکثریت پولیس تھانوں پر تکیہ کرنے کی بجائے گوٹھ کے وڈیرے جنہیں یہاں کی مقامی زبان میں ''چنگا مڑس'' کہا جاتا ہے، کے پاس جا کر اپنا مسئلہ بیان کرتے تھے۔

میری ان کی گفتگو میں دلچسپی لینے کی وجہ کادو جکھرانی نامی شخص تھا جس کے ہمراہ دادن شاہ کا نام بھی لیا جا رہا تھا۔

تب میرے اندر ایک خواہش جاگی ...... ہونا ہوا ان کے ذریعے کادو جکھرانی کے قتل کا معمہ کسی حد تک حل ہوسکتا ہے مگر میں ان کی گفتگو میں دخل اندازی کرنے سے قبل ان نازک اور حساس پہلوؤں پر بھی سوچ رہا تھا جو میں کسی بھی صورت میں

ان پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا سب سے پہلے میں نے فوراً اپنے ذہن میں ایک محتاط حکمت عملی ترتیب دی۔

اس کے بعد کھنکار کر اپنی جانب قدرے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ''سائیں معافی چاہتا ہوں آپ لوگوں نے ابھی جس کادو جکھرانی نامی شخص کا نام لیا تھا، کیا وہ قتل کر دیا گیا ہے؟''

میری بات سن کر وہ دونوں ہکا بکا ہو کر میرا چہرہ تکنے لگے ...... میرے منہ سے ''قتل'' جیسے الفاظ سے جانے کیوں ان کے بشروں پر تاریکی سی چھا گئی تھی۔

یہ حقیقت تھی کہ انہیں ابھی تک کادو جکھرانی کی موت کے بارے میں ذرا بھی علم نہ تھا مگر ان میں سے ایک قدرے ہکلا کر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''سائیں...... ! آپ کون ہو اور کادو کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟''

مجھے معلوم تھا وہ یہی سوال کریں گے اس لئے محتاط لہجے میں بولا۔ ''میرا نام فیض محمد بگھیو ہے اور میں ادھر سڑک پار کے جنگل میں ایک سرکاری بنگلے (ریسٹ ہاؤس) میں بطور فاریسٹ آفیسر رہائش پذیر ہوں ...... کادو جکھرانی کا نام میں نے وہاں بھی کچھ لوگوں کے منہ سے سنا تھا مگر یاد نہیں آ رہا مگر میں اس کے بارے میں اپنے طور پر تھوڑا بہت جانتا ہوں۔''

میری اس بات نے جیسے دھماکہ کر دیا۔ وہ اب پوری طرح میری جانب متوجہ ہو گئے تھے اور مجھ سے کادو کے بارے میں استفسار کرنے لگے لیکن چونکہ مجھے بھی ان سے بہت کچھ پوچھنا تھا اسی لئے سر دست میں نے انہیں اپنے پیچھے لگا کر ٹالتے ہوئے کہا۔ ''آپ کسی وقت میرے ریسٹ ہاؤس آئیں تو زیادہ بہتر طریقے سے باتیں ہو سکتی ہیں کیونکہ ابھی فی الحال میں اپنے ایک ضروری کام سے یہاں آیا ہوں لہٰذا تسلی سے گفتگو نہ ہو سکے گی۔''

میری بات سن کر ان دونوں کی تسلی تو ہو گئی تھی مگر پھر بھی ان کا پریشان کن اضطراب کم نہیں ہوا تھا۔ اثنائے راہ سامنے سے ایک لمبی جیپ آتی دکھائی دی، اس کے عقب میں وہ مزید بغیر ہڈ کے جیپیں بھی نظر آ رہی تھیں، تب ہمیں اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ یہ موریو خان کی سواری تھی اسی لئے ہم سب ذرا سنبھل کر بیٹھ گئے۔

پھر جب وہ گاڑیاں ہمارے قریب آ کر رکیں تو ہم بھی اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جانے کیوں میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا کیونکہ اس سے پہلے رئیس موریو خان جیسی بھاری بھرکم شخصیت سے کبھی نہیں ملا تھا ...... نہ جانے کس مزاج کا انسان تھا نیز یہ کہ کیا وہ نوری کے سلسلے میں میری بات مان لے گا؟ جس کا فیصلہ وہ کافی عرصے پہلے بھاری جمعیت کے سامنے دے چکا تھا۔

آچر خان سے مایوس ہونے کے بعد اب نوری کے سلسلے میں یہی شخص میری مدد کر سکتا تھا ...... اس کے انکار کا مطلب تھا کہ نوری ساری عمر وڈیرے آچر خان کی حویلی میں کنیز بن کر زندگی گزار دے۔

لمبی سی جیپ کا دروازہ کھلا ...... میرا دل انجانے اندیشوں سے کپکپایا پھر موریو خان نے جیپ سے باہر قدم نکالا اور اگلے ہی لمحے وہ اپنے پورے قد و قامت اور بارعب شخصیت کے ساتھ میرے سامنے کھڑا تھا، اس کے گن مین بھی نیچے اتر آئے تھے۔

✵ ═══ ✵ ═══ ✵

دراز قامت، چھریرا جسم، داڑھی اور مونچھوں کے بال سفید، گھنی سفید بھنوؤں سے ڈھکی چمکدار آنکھیں، سرخ و سفید رنگت، عمر 70 سے متجاوز تھی ...... کھلے پائینچوں والی شلوار اور قمیض پر اجرک اوڑھی ہوئی تھی، سر پر زرد شیشوں والی ٹوپی پیشانی تک پہنی ہوئی تھی۔ یہی چوحدے اور راجواڑیں کا سردار رئیس موریو خان تھا جواب نپے تلے انداز میں قدم برھاتا ہوا ہماری جانب آ رہا تھا۔ اس کے مسلح باڈی گارڈ دائیں بائیں چل رہے تھے۔

میں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ لے کر روایتی انداز میں بسم اللہ کہتے ہوئے، سلام کیا پھر باری باری وہ جاڑو خان اور وہاں موجود دیگر دو افراد سے بھی ملا۔ اس کے بعد مونڈھوں کی قطار کے درمیان سے شاہانہ تمکنت کے ساتھ چلتا ہوا سامنے رلی بچھی نقشین پایوں والی چارپائی پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

میں دانستہ خاموش تھا ...... درحقیقت میں پہلے مذکورہ ان دو افراد کو اپنی عرض پیش کرنے کا موقع دینا چاہتا تھا پھر میں اطمینان سے اپنی بات شروع کرنا چاہتا تھا۔

پھر وہی ہوا ...... ان دونوں میں سے ایک انتہائی مؤدبانہ انداز میں رئیس موریو خان سے مخاطب ہو کر بولا۔

''سائیں وڈے بھوتار کے سر کی خیر ہووے ...... ہک عرضی لے کر آئے تھے ...... سائیں کے پاس......'' وہ ذرا رکا تو موریو خان کی گھمبیر خاموشی کا پردہ چاک ہوا اور وہ خاصی گونجدار آواز میں بولا۔ ''ہا ...... بابا ...... ہا ...... بولو ...... کیا کہنا ہے۔''

وہ شخص جلدی سے بولا۔ ''سائیں وڈا! میڈا ناں سوڈھل ہے اور یہ میڈا

ماسات رحیم بخش ...... ہمارے ایک ماڑوں (آدمی) قادر بخش عرف کادو جکھرانی کو سڑک پار کے گوٹھ کے ایک آدمی دادن شاہ نے غائب کروا دیا ہے لیکن سننے میں یہی آیا ہے کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے اور لاش چھپا دی گئی ہے...... سائیں وڈا...... ہم گریب لوگ ہیں ...... سفید پوشی کا بھرم لئے شرافت کی زندگی گزار رہے ہیں، اب آپ کے پاس آئے ہیں ...... ہمیں انصاف چاہئے۔'' سوڈھل نامی اس شخص کا انداز بڑا کرب انگیز تھا...... اس کے لہجے میں آخر میں غم کی پرچھائیں نمایاں ہو گئی تھی۔

رئیس موریو خان نے گھمبیر اور برماتی ہوئی آنکھوں سے سوڈھل کی داد فریاد سنی تھی، اس کے بعد کھرکھراتی آواز میں مختصراً بولا۔ ''ہالا بابا ہالا ...... تیکوں (تم کو) انصاف ضرور ملے گا ...... پر میکوں حقیقت ذرا تفصیل سے کرنا بابا......''

اس بار سوڈھل کے ساتھ رحیم بخش نامی شخص نے ہاتھ جوڑ کر کہنا شروع کیا، وہ بولا۔ ''سائیں وڈے بھوتار کی خیر ہووے ...... ہمیں دادن شاہ پر شک نہیں بلکہ یقین ہے اور اس کے گوٹھ کا ایک سرکاری آفیسر بھی اس بات کا گواہ ہے۔'' اس کی یہ بات سن کر جیسے مجھے بچھو نے ڈنک مار دیا۔

میں نے دل میں سوچا کہیں یہ کم بخت مجھے اس معاملے میں نہ الجھا ڈالے۔

وہ بتا رہا تھا...... ''دراصل سائیں وڈا......! دادن شاہ سے ہمارے آدمی کادو کی آپس میں دوستی تھی مگر پھر اچانک کسی بات پر دونوں میں ان بن سی ہو گئی اور کادو، دادن شاہ کے نام تک سے نفرت کرنے لگا مگر ہمیں کچھ نہیں بتاتا تھا۔ ایک دن اچانک پھر دادن شاہ خود اس کے پاس آیا۔ ہم بھی اپنی اوطاق میں موجود تھے۔ دونوں کے درمیان علیحدگی میں جانے کیا باتیں ہوئیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہنسنے بولنے لگے پھر کادو، دادن شاہ کے ساتھ جیپ میں بیٹھ کر کہیں چلا گیا۔ اب اس کو تیسرا مہینہ ہونے کو آ رہا ہے، اس کا کچھ پتہ نہیں لگا اب تک......''

رحیم بخش اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گیا۔ سردار موریو خان کے چہرے پر چند ثانیے گھمبیر خاموشی چھائی رہی۔ اس کے بعد اس نے ان دونوں کو مسئلہ حل کرنے کی تسلی دی اور ساتھ ہی اگلے دن کے وقت دوبارہ آنے کو کہا۔

وہ دونوں سردار رئیس موریو خان کا شکریہ ادا کر کے رخصت ہونے لگے تو مجھ سے بھی انہوں نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور پھر وہ ریسٹ ہاؤس میں آنے کا وعدہ کر کے وہاں سے چلے گئے۔

ادھر موریو خان نے سر کے خفیف سے اشارے سے مجھے آنے اور قریبی مونڈھے پر بیٹھنے کو کہا...... میں شکریہ ادا کرتا ہوا مونڈھے پر براجمان ہو گیا۔

''ہاں بابا...... کیا کیا حال چال ہے...... کیسے آنا ہوا؟''

''سائیں آپ کا سن رکھا تھا...... پورے ''لاڑ'' اور ''تر'' میں آپ کی انصاف پسندی اور معاملہ فہمی سے کون واقف نہیں ہے بلکہ تھانے، کچہریوں کے بڑے بڑے سرکاری افسران بھی آپ ہی کے ذریعے معاملات طے کرواتے ہیں۔'' اتنا کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔

رئیس موریو خان دھیرے دھیرے انداز میں اپنا سر ہلانے لگا اور کھردرے لہجے میں بولا۔ ''ٹھیک ہے بابا! آپ بتاؤ تمہارا کیا مسئلہ ہے اور تم کون ہو؟''

جواباً میں نے روایتی لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''سائیں وڈے کے سر کی خیر ہو...... میرا نام فیض محمد بگھیو ہے شاید آپ نے میر خیر بخش بگھیو کا نام سنا ہو...... میں ان کا پوتا ہوں۔'' میں نے دانستہ اپنے دادا کا نام لیا تھا کیونکہ میں نے موریو خان کی عمر کا اندازہ لگا لیا تھا، وہ میرے باپ سے زیادہ دادا کا واقف کار ہو سکتا تھا، دادا کا نام سن کر پہلی بار اس کے سرخ وسفید چہرے پر خوش خلقی نظر آنے لگی اور وہ بولا۔ ''اچھا...... اچھا تو تم خیر بخش کے پوتے ہو...... بابا بڑا اچھا انسان تھا وہ، رب سائیں جنت نصیب کرے، ہاں بابا...... بول کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ......؟''

تب میں نے ہولے سے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کہنا شروع ہوا۔

''سائیں......! آپ کو یاد ہو گا تین چار ماہ پہلے آپ نے چوحدہ کے ایک راجواڑیں فیصلے میں ''کارو کاری'' کا معاملہ نمٹایا تھا جو سائیں داد ولد رحیم داد اور مساۃ نوری بنت مگوہاری کے مابین تھا۔ نوری چونکہ اپنے بھائی علی بخش سے خوفزدہ تھی اسی لئے وہ وڈیرے آچر خان کی پناہ میں، چلی گئی ہے۔'' میں اتنا کہہ کر ذرا خاموش ہوا...... شکر تھا کہ اتنی عمر کے باوجود سردار رئیس موریو خان کی یادداشت اچھی تھی لہٰذا اسے

فوراً یاد آ گیا۔

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں...... بابا...... یاد آ گیا مجھے...... کیا ہوا...... پھر...... کیا وہ چھوکرا جو کارو تھا سائیں داد...... واپس آ گیا؟''

''نہیں سائیں وہ ابھی تک مفرور ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ نوری کو اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا حق دے دیں۔'' آخری جملے میں نے ذرا ڈرتے ڈرتے ادا کئے تھے۔

درحقیقت مجھے سردار رئیس موریو خان کے رویے نے خاصا حوصلہ بخشا تھا...... وہ پہلے تو میری بات پر گڑبڑایا پھر بولا۔ ''اڑے بابا...... میں نے کب اس چھوکری سے اس کا جینے کا حق چھینا ہے...... وہ تو آپڑیں مرضی سے آچر خان کی حویلی میں زندگی گزارتی پڑی ہے بلکہ میں نے تو سنا ہے کہ وہ اپنی جان کے خوف سے وہیں رہنا چاہتی ہے۔'' موریو خان نے کہا اور مجھے قدرے حیرت ہوئی کہ موریو خان، نوری کے سلسلے میں بے خبر نہ تھا اس لئے میں نے یہ کہنا فضول ہی سمجھا کہ اب نوری کا باپ مگوہاری اسے واپس اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے مگر آچر خان اسے برابر ٹال رہا ہے۔

بہرصورت میں لاجواب سا ہو گیا تھا مگر میں نوری کو ہر صورت میں وڈیرے آچر خان جیسے شخص کی حویلی سے نکالنا چاہتا تھا اور اس کی میرے پاس ایک ہی صورت تھی جو چند ثانیے توقف کے بعد میں موریو خان کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے بولا۔ ''لیکن سائیں...... اس طرح وہ کب تک حویلی میں اکیلے زندگی گزارے گی...... وہ تو مجبوری کی بناء پر وہاں رہ رہی ہے۔'' میری بات کا مطلب جہاندیدہ موریو خان سمجھ چکا تھا، وہ فوراً بولا۔ ''بھلا ایک ''کاری'' لڑکی کا اور کیا مستقبل ہو سکتا ہے......؟ اسے کون تحفظ دے گا اور کون اس کے ساتھ شادی کرے گا۔''

میں موریو خان کے منہ سے یہی سننا چاہتا تھا لہٰذا پرسکون اور مضبوط لہجے میں بولا۔ ''سائیں اگر یہ بات ہے تو...... تو...... میں نوری سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔'' میں نے کہا اور سردار موریو خان بغور میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

یہ فیصلہ کن گھڑی تھی......نوری کے لئے اور خود میرے لئے بھی......

''تب سردار موریو خان بولا۔''کیا تم سنجیدہ ہو......؟''

''ہا سائیں......! میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔'' میں نے فوراً کہا......

میرا دل عجیب طرح دھک دھک کرنے لگا تھا...... میرے لہجے کی پختگی نے موریو خان کو اپنی جگہ سے یکدم کھڑے ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

خود میں بھی اس کے کھڑے ہوتے ہی اپنے مونڈھے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا ......سردار موریو خان کے چہرے پر پہلے تو گہری سنجیدگی امڈ آئی، اس کے بعد اس کی جگہ ایک مسرت اور خوشی نے لے لی، اس نے فوراً آگے بڑھ کر مجھے اپنے گلے سے لگا لیا اور خوشی سے لبریز لہجے میں بولا۔''واہ ......بکھیو صاحب واہ......! تم نے میرا دل خوش کر دیا...... درحقیقت خود مجھے بھی ذاتی طور پر ایسی چھوکریوں پر بڑا ترس آتا ہے لیکن ہم اپنی روایتوں کے آگے مجبور ہوتے ہیں...... ہمارے بعض فیصلے خود ہمارے دلوں پر بوجھ بن جاتے ہیں...... میں آج ہی اپنا ایک خاص ماڑوں (آدمی) آچر خان کے پاس روانہ کرتا ہوں، تم شادی کی تیاری کر لو۔''

میرے لئے یہ خوشی کا ایسا لمحہ تھا جسے میں بیان نہیں کر سکتا۔ سردار رئیس موریو خان میری توقعات سے بڑھ کر اچھا اور سلجھا ہوا انسان ثابت ہوا تھا...... مجھے پورا یقین تھا کہ آچر خان کو اب نوری کے سلسلے میں انکار کرنے کی جرأت نہ ہو گی لہٰذا میں موریو خان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کر کے چلا آیا۔

جاڑو خان کو بھی سردار موریو خان کے اس رویے پر دلی خوشی محسوس ہوئی تھی لہٰذا جب جیپ میں سوار ہو کر روانہ ہوئے تو وہ توصیفی لہجے میں بولا۔''واہ سائیں مٹھا......! سردار موریو خان تو بڑا بھلا مانس ثابت ہوا...... اگر ہمارے گوٹھوں کے سردار اور وڈیرے سارے موریو خان جیسے ہو جائیں تو ان بے چارے غریب ہاری لوگوں کی زندگی بدل جائے۔''

میں اس کے خوش کن تبصرے پر جواباً بولا۔''تم صحیح کہتے ہو جاڑو خان......! اس میں کوئی شک نہیں کہ سردار موریو خان کے دل میں ان غریب ہاریوں کے لئے بڑا درد ہے......تم نے دیکھا اس کا چہرہ کس قدر کھل اٹھا تھا، میرے فیصلے پر......''

''برابر سائیں مٹھا برابر......'' جاڑو خان اثبات میں اپنا سر ہلاتے ہوئے مخصوص لہجے میں بولا۔

ہماری جیپ اب کچا اور ناہموار راستہ چھوڑ کر پختہ سڑک پر آ گئی تھی پھر جب چند فرلانگ سفر طے کرنے کے بعد میں نے اپنے گوٹھ کی طرف جیپ کو کچے راستے پر اتارا تو سامنے چار پانچ اجرک پوش افراد کو راستہ روکے کھڑے پایا۔

میرا دل یکبارگی کسی انجانے خطرے کے پیش نظر زور سے دھڑکا...... جاڑو خان بھی ان لوگوں کو دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا...... ان کے کاندھوں پر بندوقوں کی لمبی لمبی نالیں صاف نظر آ رہی تھیں...... میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی فوراً بریک لگا دیئے...... جیپ دھول اڑاتی ہوئی ایک جھٹکے سے رک گئی۔

میں نے اپنی نگاہیں ان کے چہروں پر مرکوز کر دیں اور تب مجھے ایک جھٹکا سا لگا......ان میں دو افراد کو میں فوراً پہچان گیا تھا...... وہ سوڈھل اور رحیم بخش تھے جن سے تھوڑی دیر پہلے میری سردار رئیس موریو خان کی اوطاق میں اچانک ملاقات ہوئی تھی، وہ دونوں میرے قریب آ گئے...... میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا رہا۔

سوڈھل میرے قریب آیا۔''سائیں معافی چاہتے ہیں......اگر برا نہ منائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں...... دراصل ہم کادو جکھرانی کے سلسلے میں بہت پریشان ہیں، بڑی مہربانی ہو گی۔''

مجھے ان کی دلی کیفیت کا اندازہ تھا، سو میں نے سوچا ویسے ہی میں اب سیدھا ریسٹ ہاؤس کی طرف جا رہا تھا لہٰذا بولا۔''ٹھیک ہے......مگر صرف تم اکیلے میرے ساتھ چلو گے۔'' میری رضامندی پا کر وہ خوش ہو گیا اور بولا۔''ہا سائیں ہا...... صرف میں ہی چلوں گا۔'' پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا، اس کے بعد جیپ کا عقبی سنگل ڈور کھول کر اندر سوار ہو گیا اور میں نے جیپ آگے بڑھا دی۔

شام سر پہ تھی......تھوڑی دیر بعد ہم ریسٹ ہاؤس پہنچ گئے...... سوڈھل کو گیسٹ روم میں بٹھایا گیا، اس کے بعد میں بھی ذرا تھکان وغیرہ اتار کر فریش ہو کر گیسٹ روم میں آ گیا۔

حسب معمول جاڑو خان بھی میرے ہمراہ تھا۔''ہاں سوڈھل......! اب بولو''

...... کیا کہنا چاہتے ہو؟'' میری بات سن کر وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگا...... پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''سائیں......! ہم نے کیا کہنا ہے، آپ نے ہی کہا تھا کہ کادو جکھرانی کے سلسلے میں آپ ہمیں کچھ جانکاری دیں گے۔''

''ہم......'' میں نے ہنکاری بھری پھر پرخیال لہجے میں بولا۔ ''کادو جکھرانی تمہارا کیا لگتا تھا......؟''

''سائیں میرا سوٹ (چچازاد) تھا۔''

''دادن شاہ سے کادو کی کس نوعیت کی معاملے داری تھی...... میرا مطلب ہے ان کی آپس میں گہری دوستی کی وجہ......!'' میں باقاعدہ اس کے ساتھ جرح پر اتر آیا تھا۔ یہ سب ضروری تھا۔ وہ بھی شاید ان باتوں کی اہمیت سمجھتا تھا لہٰذا بلاچوں و چراں بولا۔

''کوئی خاص تو وجہ ہمیں معلوم نہیں تھی مگر......'' وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

اس کا اچانک ادھوری بات چھوڑ کر خاموش ہو جانا میرے دل میں شبہ پیدا کرنے لگا...... میں اس کے چہرے کی طرف تکتے ہوئے گھمبیر لہجے میں بولا۔ ''دیکھو سوڈھل...... تمہارے سوٹ کادو جکھرانی کی گمشدگی یا اس کے قتل کا سراغ لگانے کے لئے یہ سب ضروری ہے کہ تم اس سے متعلق کوئی بات نہ چھپاؤ۔'' میری بات سن کر اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا، وہ بولا۔ ''سائیں بگھیو صاحب......! یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ دادن شاہ ایک بدنام پتھاریدار ہے، اس کے ایک صوبائی شہرت یافتہ بدنام دھاڑیل عاربو سے تعلقات ہیں مگر اس سے زیادہ عاربو دھاڑیل ہمارے سوٹ کادو جکھرانی کا جگری یار تھا...... بس یوں سمجھو اس دھاڑیل (ڈاکو) کی وجہ سے دادن شاہ اور کادو کی آپس میں گہری دوستی ہو گئی تھی...... ہم اپنے سوٹ کادو کو سمجھاتے بھی تھے کہ ایسے لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا ختم کر دے...... پر سائیں وہ مانتا کب تھا۔'' آخر میں اس کے لہجے میں گہرا دکھ اتر آیا تھا، اپنے چچازاد کے لئے...... اس کے لہجے کا غم اور اس کی تلاش کے سلسلے میں اس کی جان توڑ محنت سے میں نے اندازہ لگایا کہ ان کے درمیان معاملہ صرف چچازاد کا ہی نہ تھا۔

''کادو چچازاد کے علاوہ بھی تمہارا کچھ لگتا تھا؟'' بالآخر میں نے اپنے اندر کی ایک پیچ نکالنے کی غرض سے پوچھا تو وہ قدرے دکھ آمیز لہجے میں اثبات میں اپنا سر

ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہا سائیں......! کادو میرا بہنوئی بھی لگتا ہے...... اس بے چارے کے تو چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں۔''

اس کی بات سن کر مجھے خاصا دکھ پہنچا تھا...... یہ دکھ اس بات کا تھا کہ اب وہ بچے یتیم ہو چکے تھے لیکن میں ابھی کسی خاص وجہ کے تحت سوڈھل کے سامنے یہ بات ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا حتیٰ کہ یہ بھی نہیں کہ کادو کی لاش اس جنگل میں اور ریسٹ ہاؤس کے قریب ہی دفن ہے، پہلے تو میرے جی میں آئی کہ اسے وہ جگہ دکھا دوں جدھر کادو کی لاش دفن تھی تاکہ وہ اس کی شناخت کر سکے لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ یہ سوچ کر تبدیل کر دیا تھا کہ سردست اس کا وقت نہیں آیا، پہلے سوڈھل اور اس کے دوسرے ساتھی رحیم بخش کو اعتماد میں لینا تھا۔

مجھے خاصی دیر تک خاموش پا کر سوڈھل دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوا۔

''سائیں! اگر آپ کو کادو کے بارے میں کچھ پتہ ہے تو آپ کو دھڑیں (اللہ) سائیں کا واسطہ ہمیں بتا دو...... وہ زندہ بھی ہے یا نہیں...... کم از کم کچھ تو دل کو تسلی ہو جائے گی۔'' مجھے اس کی بات سن کر اس پر ترس سا آنے لگا لیکن میں بھی سردست مجبور تھا کہ ابھی اسے حقیقت بتانے کا وقت نہیں آیا تھا۔ مجھے سوڈھل سے اتنی عجلت کی توقع نہ تھی...... میں کادو جکھرانی کی موت یا اس کی لاش سے متعلق حالات گوش گذار کر دینا چاہتا تھا لیکن ساتھ ہی میں نے یہ تہیہ بھی کر رکھا تھا کہ اس سے سمہ دور کے نقشے والی بات کسی قیمت پر نہیں بتاؤں گا۔

مجھے اب سوڈھل کی دلی کیفیت کا اندازہ ہونے لگا تھا کہ وہ یہ سننے کے لئے کس قدر بے چین تھا کہ کادو زندہ ہے یا مر چکا ہے۔ میں ابھی ان الفاظ کو ترتیب نہیں دے پایا تھا کہ سوڈھل سے کس طرح کادو کی موت یا لاش کا ذکر کروں کہ نقشے والی بات بھی دبی رہ جائے۔

مجھے ایک بار پھر کسی گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر سوڈھل دوبارہ مجھے مخاطب کر کے بولا۔ ''سائیں......! بڑی مہربانی ہو گی، میری معصوم بہن...... وہ بے چاری ابھی تک اپنے مڑس کادو کی راہ تکتے ہوئے سکتے میں بیٹھی ہے۔'' اس کا لہجہ حد درجہ ملتجیانہ اور کرب انگیز تھا۔ مجھ سے اب چپ نہ رہا گیا اور میں نے نپے تلے

انداز میں کہنا شروع کیا۔

''دیکھو سوڈھل......! تمہیں معلوم ہے ناں ایک شریف انسان اگر اتفاق سے کوئی واردات ہوتی دیکھ لے تو وہ اپنی عافیت اسی میں سمجھتا ہے کہ اپنی آنکھیں اور زبان بند کر لے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرے تو الٹی وہ بات اس کے گلے پڑ جاتی ہے ......بس یوں سمجھو کہ وہ واردات میری آنکھوں کے سامنے ہی ہوئی ہے۔''

''کون سی واردات سائیں......!'' سوڈھل ترنت بولا تو میں ایک گہری ہنکاری بھرتے ہوئے بولا۔ ''پہلے تم اپنے مرشد کی قسم کھا کر کہو کہ میرا نام بیچ میں نہیں آنے دو گے اور کیونکہ یہ معاملہ خالصتاً تمہارا ہے اسی لئے مجھے درمیان میں بالکل نہیں گھسیٹو گے۔''

میری بات سن کر سوڈھل ذرا خاموش ہوا...... میں جانتا تھا وہ اپنے مرشد کی جھوٹی قسم نہیں کھائے گا لہٰذا چند لمحے توقف کر کے بولا۔ ''ٹھیک ہے سائیں مجھے آپ کی بات منظور ہے۔''

اور پھر اس نے اپنے مرشد کی قسم اٹھائی تب میں بتانے لگا۔

''سنو تمہارے بہنوئی کادو جکھرانی کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔'' میری بات سن کر اس کے چہرے پر بے اختیار گہرے رنج کے آثار طاری ہو گئے اور پھر وہ زیر لب کچھ بڑبڑا کر خاموش ہو گیا، چند لمحوں بعد قدرے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''کک...... کس نے اسے قتل کیا ہے......؟''

''میں نے اسے قتل ہوتے نہیں دیکھا ہے۔'' میں بولا اور مزید بتانے لگا۔

''چند روز پہلے رات کو گشت کرنے کے دوران جنگل میں مَیں نے کچھ لوگوں کو زمین میں گڑھا کھودتے ہوئے پایا تب ان کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کسی کادو جکھرانی نام کے شخص کی لاش کو ڈھونڈ رہے تھے جسے کسی نے قتل کرنے کے بعد اسی جنگل میں گاڑ دیا تھا اور وہ لوگ کافی دنوں سے راتوں کی تاریکی میں جنگل میں اس کی لاش ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے تھے...... ان کی زبان سے میں نے سائیں دادن شاہ اور کسی میرو بھنگ موالی نامی افراد کے نام سنے تھے۔ بہرحال مجھے بھی کھد بد لگ گئی تھی اور میں تقریباً ہر روز رات کو ان کی یہ پراسرار کارروائی چھپ کر

دیکھنے لگا آخر ایک دن انہوں نے اس کی لاش دریافت کر لی مگر میری اچانک مداخلت نے انہیں وہاں سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔'' اتنا بتا کر میں چپ ہو رہا۔

سوڈھل جو میری بات غور سے سن رہا تھا، جوش سے بولا۔ ''وہ لوگ کون تھے سائیں......!''

میں بولا۔ ''میرا خیال تھا کہ وہ دادن شاہ کے آدمی تھے لیکن میں ان میں سے صرف ایک شخص کو پہچان پایا اور وہ شخص محمد بچل تھا۔'' میں نے دانستہ یار محمد اور صوبو خان کا ذکر گول کر دیا کیونکہ مجھے تھوڑا بہت اندازہ تھا کہ کم از کم ان دونوں کا ہاتھ کادو جکھرانی کے پراسرار قتل میں نہیں تھا۔

پوری بات سنتے ہی سوڈھل کا چہرہ غیظ و غضب کی غمازی کرنے لگا تھا پھر وہ اس لہجے میں بولا۔ ''سائیں آپ کو معلوم ہے کادو جکھرانی کی لاش کو کہاں دفن کیا گیا ہے؟''

''ہاں......'' میں نے مختصراً کہا اور اسے ذرا صبر کی تلقین کرتے ہوئے بولا۔

''دیکھو سوڈھل......! یہ بہت پراسرار، الجھا ہوا معاملہ ہے جس کے بارے میں ابھی تک یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ اسے آخر کس نے قتل کیا ہے، ہاں اس میں شبے کی اتنی گنجائش ہے کہ اس قتل میں دادن شاہ یا اس کے آدمی ملوث ہو سکتے ہیں لیکن اس سلسلے میں مَیں تم سے درخواست بلکہ امید کرتا ہوں کہ تم جوش کے بجائے ہوش سے کام لو گے ورنہ قاتل صاف بچ جائے گا اور تم جانتے ہو کہ دادن شاہ ایک بااثر آدمی ہے تاہم تم اس پر اور اس کے ایک خاص آدمی محمد بچل پر نگاہ رکھ سکتے ہو۔''

میری بات سن کر سوڈھل نے اپنے امڈتے ہوئے طیش پر قابو پایا اور قدرے تحمل سے بولا۔ ''ٹھیک ہے سائیں آپ گڑتی (فکر) نہ کریں، ہمارے لئے یہی نشانیاں بہت ہیں...... پر سائیں میری آخری گزارش یہ ہے کہ مجھے اسی وقت اس جگہ پر لے چلو جدھر کادو جکھرانی دفن ہے۔''

اس کی بات سن کر میں چند ثانیے کے لئے ایک گہری سوچ میں ڈوب گیا اور پھر حامی بھرتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے...... آؤ میرے ساتھ......'' میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور یونہی اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھنے لگا، اس وقت شام کے 6 بج چکے

تھے، سردیوں کی وجہ سے باہر رات جلد اتر آئی تھی...... میں نے احتیاطاً ٹارچ سنبھال لی اور پھر ریسٹ ہاؤس کے عقبی دروازے سے سوڈھل کو ہمراہ لئے باہر جنگل میں آ گیا۔

جاڑو خان بھی ہمارے ساتھ تھا...... جنگل میں شام کا اندھیرا اترا ہوا تھا...... میں نے اچھی طرح سے ٹارچ روشن کئے بغیر گردوپیش کا جائزہ لیا...... دور دور تک ہمارے علاوہ اور کوئی ذی نفس موجود نہ تھا حتیٰ کہ دن بھر مدھر بانیاں بکھیرتے ہوئے پرندوں کی چہچہانے کی آوازیں بھی بند تھیں پھر ہم تینوں نہایت ہوشیاری کے ساتھ جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان چلتے ہوئے اس مقام پر آ گئے جہاں کادو جکھرانی کی لاش دفن تھی۔ سوڈھل نے فوراً میرے ہاتھ سے ٹارچ لے کر روشن کی اور پھر اس زمین کا بغور جائزہ لینے لگا جدھر بھربھری مٹی پر اس وقت ان گنت ننھے منے گوشت خور چیونٹوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں...... سوڈھل کے چہرے پر اس وقت جوش اور کرب کی کیفیت کھنڈ آئی تھی۔

خود میری اپنی بھی حالت ناقابل بیان سی ہو رہی تھی، چند ثانیے بعد میں سوڈھل سے بولا۔ ''سوڈھل......! یہی وہ مقام ہے جدھر کادو جکھرانی کی لاش دفن ہے...... میرا خیال ہے تم فی الحال اس جگہ کو ذہن نشین کر لو پھر بعد میں آ کر یہاں سے لاش نکال لینا۔''

سوڈھل کے چہرے پر گھمبیر چپ سی طاری تھی لیکن جب وہ بولا تو اس کے لہجے سے عجیب غراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ ''ٹھیک ہے سائیں...... میں آج ہی رات اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ادھر آؤں گا...... سائیں آپ کی وڈی مہربانی مگر میرا یہ وعدہ ہے کہ آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہونے دوں گا۔''

اس کی بات سن کر میں بہت متاثر ہوا...... میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ بڑے حوصلے اور ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا ورنہ تو اس کے چہرے سے یوں ظاہر ہونے لگا تھا جیسے وہ ابھی اپنے ہاتھوں سے زمین کھودنا شروع کر دے گا۔

پھر اس کے بعد ہم تینوں واپس ریسٹ ہاؤس میں آ گئے...... سوڈھل خاصا بھلا مانس ثابت ہوا تھا، اس نے خود پر قابو پا رکھا تھا لیکن میں ذہنی ہیجان سے واقف تھا کہ وہ اس وقت دادن شاہ کی بوٹیاں نوچنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے لہٰذا جب

وہ ایک بار پھر تہہ دل کے ساتھ شکریہ ادا کر کے جانے لگا تو میں نے اسے دوبارہ صبر کے ساتھ باقی کے معاملات نمٹانے کی نصیحت کی پھر میں نے اخلاقاً جاڑو خان سے کہا کہ وہ سوڈھل کو جیپ میں ذرا آگے تک چھوڑ آئے۔

ان دونوں کے جانے کے بعد میں نڈھال سا ہو کر اپنے کمرے میں بیڈ پر گر گیا، ایک بوجھ میرے سر سے اتر گیا تھا، میں اس بدنصیب کادو جکھرانی کی لاش کو ان کے وارثوں کے حوالے کرنے کا بندوبست کر چکا تھا لیکن اب بھی میری نگاہوں سے وہ پراسرار ڈرامہ اوجھل تھا جس کی خاطر کادو جکھرانی کو قتل کیا گیا تھا اور جس سے پردہ بھی مجھ کو ہی اٹھانا تھا، اس پراسرار نقشے کی مدد سے جسے بدنصیب کادو جکھرانی کی لاش کے معدے سے برآمد کیا گیا تھا۔

◆❁◆

چوحدے اور راجواڑیں کچہری کے مکھ (بڑے) سردار رئیس موریو خان سے ملاقات کے بعد میرا ارادہ اب وڈیرے آچر خان سے ایک دو روز بعد ملنے کا تھا۔ درحقیقت میں چاہتا تھا کہ پہلے سردار موریو خان کا قاصد وڈیرے آچر خان تک نوری کے سلسلے میں اپنا پیغام پہنچا دے۔

یہ اسی رات کا ذکر ہے جب جاڑو خان، سوڈھل کو جیپ میں بٹھا کر ذرا آگے تک چھوڑنے کے بعد واپس آ چکا تھا...... حسب معمول ہم دونوں دیر تک آتشدان والے کمرے میں بیٹھے باتیں کرنے کے بعد سونے کی تیاری کرنے لگے...... جاڑو خان کا کمرہ میری خواب گاہ کے برابر ہی تھا...... میں لائٹ آف کر کے اپنے بستر پر جانے ہی لگا تھا کہ اچانک میری نگاہ اندھیرے جنگل کی طرف کھلنے والی کھڑکی کی طرف اٹھی...... مجھے وہاں ایک سایہ حرکت کرتا نظر آیا، میں بری طرح ٹھٹک گیا...... پستول میرا دیوار پر ٹنگے کیس کے اندر تھا...... یکبارگی میرا دل کسی انجانے خدشے کے تحت زور سے دھڑکا اور میں لپک کر کھڑکی کی طرف آیا۔

حیرت کی بات تھی کہ وہ پراسرار سایہ ہنوز وہاں موجود تھا...... اس نے بھی شاید شیشوں کے مضبوط پٹ والی بند کھڑکی سے مجھے کھڑکی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا، اس نے چادر کی بکل ماری ہوئی تھی...... کھڑکی پر مضبوط آہنی گرل بھی لگی

ہوئی تھی، میں اب کھڑکی کے بالکل قریب گویا سائے کے سامنے کھڑا تھا اور میرے دل کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی ...... سردی کی وجہ سے شیشے پر دھند چھائی ہوئی تھی اسی لئے میں سائے کو پہچاننے سے قاصر تھا ...... ہم دونوں خاموش کھڑے ایک دوسرے کے دھندلے ہیولوں کو تکے جا رہے تھے ...... مجھے اس بات کا بھی خدشہ تھا کہ کہیں وہ باہر سے ہی مجھ پر فائرنگ نہ کر ڈالے ...... پتہ نہیں وہ کون تھا۔

صورت حال بڑی گھمبیر اور ڈرامائی ہو گئی تھی پھر اچانک اس سائے نے پہل کرتے ہوئے گرل کے اندر اپنا ہاتھ ڈالتے ہوئے شیشے کے بند پٹ پر دستک دی ...... میں نے انجانے سے خوف اور تجسس کی ملی جلی کیفیت میں سوچا جانے یہ سایہ کون تھا جو دروازے کی طرف سے آنے کی بجائے ریسٹ ہاؤس کے عقبی حصے کی طرف سے کھڑکی کی سمت آن کھڑا ہوا تھا۔

کھڑکی کے پٹ ایئر ٹائٹ تھے اس لئے ہم دونوں ایک دوسرے سے بات کرنے سے بھی قاصر تھے ...... میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، میں نے کھڑکی تو نہ کھولی البتہ قدرے محتاط ہو کر میں اپنے ہاتھ کھڑکی کے شیشے پر پھیرنے لگا جیسے اس پر لگی ہوئی دھند کی تہہ کو صاف کرنا چاہ رہا ہوں، درحقیقت میں نے اس طرح باہر کھڑے اس پراسرار سائے کو بھی ترغیب دی تھی کہ وہ بھی اس طرح شیشے کو اپنے ہاتھ سے صاف کرے ...... درحقیقت کھڑکی کھولنے سے قبل میں اس کی شناخت کرنا چاہتا تھا۔

وہ خاصا سمجھدار تھا اس لئے فوراً اپنے ایک ہاتھ سے باہر سے شیشے پر چھائی دھند کی دبیز تہہ کو صاف کرنے لگا، اب باہر کا منظر بالکل واضح تھا ...... میں نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ سائے پر نظریں گاڑ دیں ...... اس نے بھی مجھے پہچان کر اپنے چہرے سے موٹی گرم چادر ہٹا دی اور اس کا چہرہ نظر آتے ہی مجھے جیسے سکتہ ہو گیا۔ وہ چہرہ تو میں لاکھوں میں بھی پہچان سکتا تھا ...... باہر تاریکی کے باوجود وہ چہرہ چاند کی طرح روشن تھا مگر قدرے اداس اور سوگوار ...... وہ نوری کا چہرہ تھا ...... میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے میرے اندر کی تیز یورش نے میرا سکتہ توڑا اور میں نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیئے، نوری بھی باہر سے کھڑکی کی گرل کے ساتھ چپک کر مجھے تکنے لگی۔ اس کی جھیل جیسی گہری شفاف

آنکھوں میں اداس اور حد درجے حسرت و یاس کی شام اتری ہوئی تھی۔

اس کے دونوں گورے گورے نازک ہاتھوں نے باہر سے آہنی گرل کو یوں پکڑ رکھا تھا جیسے انہیں اکھیڑ کر میرے سینے سے لگ جانا چاہتی ہو۔

یہ حقیقت تھی کہ مجھے اس انہونی حقیقت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ فرقتوں کے مارے ہوئے دل کو اس قدر اچانک دیدار یار نصیب ہو جائے گا ...... میں نے فرط جذبات سے اپنے کپکپاتے ہوئے ہاتھ سلاخوں پر جمے ہوئے نوری کے نرم ہاتھوں پر رکھ دیئے اور لرزیدہ سے لہجے میں بولا۔ ''نن ...... نوری ...... تم ...... یہاں ...... ٹھہرو ...... میں ابھی دروازہ کھولتا ہوں۔''

نوری کا ہاتھ مجھے برف کی طرح سرد محسوس ہوا تھا ...... باہر سردی اتری ہوئی تھی، میں نے اس سے اتنا کہا اور بجلی کی تیزی کے ساتھ اپنے کمرے سے نکلا اور عقبی دروازے سے باہر جنگل میں آ گیا۔

عجلت میں مَیں بغیر کچھ اوڑھے نکل آیا تھا ...... سرد ہوا کا ایک ٹھٹھرتا ہوا جھونکا میرے چہرے سے ٹکرایا مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی ...... نوری مجھے سردی کے مارے کپکپاتی ہوئی نظر آ گئی، میں اسے جلدی سے ساتھ لئے ایک نیم تاریک راہداری سے گزر کر اسے اپنے کمرے میں لے آیا اور کمرے کی لائٹ جلا دی۔

اور نوری کا گلنار معصوم سا چہرہ تکنے میں محو ہو گیا ...... اسے میں نے بیڈ پر بٹھا دیا تھا اور خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا ...... اس قدر قریب کہ اس کے سانسوں کی تپش میں اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا ...... وہ مجھے دیکھنے میں محو تھی۔

ہم دونوں نگاہوں ہی نگاہوں میں ایک دوسرے کی پیاس بجھا رہے تھے ...... اس کی بے ربط سانسوں میں مخفی شوریدہ سر جذبوں کی مہک میرے دل کو اتھل پتھل کر رہی تھی ...... آن کی آن میں ہمارے خاموش چہروں نے صدیوں کے تلاطم خیز طوفانی اور گم شدہ فاصلوں کو سمیٹ کر رکھ دیا تھا۔

''نوری ......!'' دور کہیں بہت دور دل کے عمیق گوشے سے نکل کر میرے لبوں سے یہ نام نکلا تھا۔

''فف ...... فیضو ......!'' بے اختیار نوری کے شدت جذبات سے تھرتھراتے

ہوئے ہونٹوں سے میرا نام برآمد ہوا۔ نام میں اور انداز تخاطب میں کہیں بچپنے کی شرارتیں اور لڑکپن کی حلاوتیں پنہاں تھیں۔

ہم دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں جیسے کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گئے تھے۔

پھر دور کہیں خاموش مگر متلاطم جذبات کے محبت کدوں میں حضرت شاہ لطیفؒ کے معروف سروں میں ایک ''سر کا موڈ'' جس میں نوری (نوری جام تماچی) کے راز و نیاز کے اشعار میرے دل پر اترنے لگے۔

میں جلاتی رہی چراغ سحر
پو پھٹی ہو گیا اجالا سا
پوچھتی رہی پرندوں سے
ہائے لیکن ترا نشان نہ ملا
مر رہی ہوں تری تمنا میں
آ بھی جا، میرے دوست آ بھی جا

میرے اندر ایک گونج سی پیدا ہونے لگی تھی...... میں سمجھ رہا تھا کہ ہم دونوں ہی اسی کیفیت بے خودی کے گزر رہے تھے۔

رقص میں محور خودی پر ہے
فہم ادراک ابن آدم کیا؟
اک تری شعبدہ گری کے سوا
میرے مولا بساط عالم کیا؟
(شاہ لطیفؒ)

اثنائے راہ نوری کا گل دہن پھر وا ہوا...... ''فیضو تم کہاں تھے......؟ کیا...... کیا مجھے بھول گئے تھے؟'' اس کا لہجہ لرزیدہ تھا۔

میں بے قرار ہو کر بولا۔ ''نہیں نوری نہیں...... میں بھلا تمہیں کیسے بھلا سکتا ہوں...... یہ ساری تکرار...... یہ یورش...... میری جستجو سب تمہارے لئے ہی تو تھی مگر تم...... تم یہ بتاؤ کہ یہاں اس وقت کس طرح آ گئیں۔'' میں آہستہ آہستہ اپنے آپے میں آنے لگا تھا۔

نوری کی گھنیری پلکیں جام تماچی کے جال کی طرح گریں پھر گلاب سی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ کپکپائے اور وہ بولی۔ ''فیضو! تمہیں اس دن وڈیرے آچر خان کی حویلی میں دیکھ کر جیسے میں دوبارہ جی اٹھی تھی اور میرا دل تمہیں ایک بار پھر قریب سے دیکھنے کے لئے بے چین ہو اٹھا تھا...... سوچا صرف ایک بار...... صرف ایک بار اپنے محبوب کا قریب سے دیدار کر لوں تا کہ میں آرام سے ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لوں۔''

میں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا گئے تھے، اسکا معصوم چہرہ خوشی اور غمی کی عجیب تفسیر بنا ہوا تھا۔

میں اس کے آخری جملے پر تڑپ اٹھا اور بے اختیار محبت پاش لہجے میں بولا۔

''نہیں...... نوری تمہاری آنکھیں اب اندھیرے نہیں روشنیاں دیکھیں گی...... کیا...... کیا تم اپنی ان حسین آنکھوں میں میرا چہرہ، میری تصویر نہیں سجانا چاہتی!''

میرا بات سن کر اس نے اچانک اپنی گھنیری پلکوں کا جال اٹھایا اور اس کی دلکش نگاہیں میری نظروں سے ٹکراتی ہوئی سیدھی دل کی گہرائیوں میں اتر گئیں پھر وہ فرط جذبات سے بولی تو اس کی لرزتی ہوئی آواز میں حسرت کی پرچھائیاں تھیں۔

''نہیں فیضو! یہ کیسے ہو سکتا ہے، تم نے تو میرے دل کا چراغ روشن کر دیا ہے۔ میری بے نور آنکھوں میں تمہاری صورت کے دیپ جل اٹھے ہیں مگر...... مگر فیضو......! تمہیں نہیں معلوم مجھے ''کاری'' کر دیا گیا ہے مگر میرا رب جانتا ہے میں کاری نہیں ہوں...... میرے بھائی علی بخش کو کسی نے ورغلایا ہے، میں بے گناہ ہوں فیضو...... میں بے گناہ ہوں...... میرا دل چیر کر دیکھ لو۔'' وہ سسک پڑی۔

میں محبت سے لبریز لہجے میں بولا۔ ''میں جانتا ہوں نوری...... میں جانتا ہوں، تم بے گناہ ہو تمہارا دل تمہاری صورت کی طرح شفاف ہے...... تمہیں کسی صفائی کی ضرورت نہیں...... مجھے فیصلہ چاہئے تمہارا نوری...... میں...... میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، بولو...... کرو گی مجھ سے شادی......؟''

میرے لہجے کی تپش نے اس پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری کر دی...... اس کا نازک وجود میرے بازوؤں میں خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرزنے لگا پھر وہ

بولی۔ ''فیضو ......! میرے سجن ......تم تو میرے سر کے سائیں ہو...... میرا دم بھی نکل جائے تو میرے لب پر تمہارا ہی نام ہوگا۔''

''بس نوری بس ...... کہیں میرا دل نہ پھٹ جائے ...... یہی اعتبار میرے لئے کافی ہے۔'' میں بے خودی کے عالم میں بولا۔

محبت کی گرمی نے سردی کو پچھاڑ دیا تھا ...... پہر رات کے پرسکوت سناٹے میں کمرے کا ماحول بڑا جذبات آگیں ہو رہا تھا ...... بچھڑے ہوئے دو دلوں کی ادھوری کہانی کا تب تقدیر قرطاس دل پر مکمل کر رہا تھا ...... مجھے اپنی زبان اور حلق خشک ہوتا محسوس ہوا...... سائیڈ ٹیبل سے میں نے شیشے کا جگ اٹھا کر گلاس میں پانی ڈالا اور نوری کو دیا۔

نوری اسے آب حیات کی طرح غٹا غٹ پی گئی......اس کے بعد میں نے بھی گلاس بھر کر پانی اپنے حلق میں انڈیلا ...... ایک بہاؤ کی کیفیت قدرے کم ہوئی تو ہوش وخرد نے بند باندھے......عقل وشعور نے فوری فکر وفردا سے نمٹنے کے لئے دل ناداں کو مائل بہ سوچ کیا۔

''نوری! یہ تو بتاؤ تم ٹھیک تو ہو نا ...... یہ ...... یہ تم اس وقت رات کے اندھیرے میں کس طرح حویلی سے یہاں تک پہنچی......؟''

میں نے پوچھا تو وہ ہولے سے بتانے لگی۔ ''وڈیرے آچر خان کی حویلی میں میری ذمہ داری ''بی بی جی'' کی دیکھ بھال کرنا ہے۔ جب تم اس حویلی میں مجھے دیکھنے آئے تھے تو میں نے اسی وقت دل میں پکا ارادہ باندھ لیا تھا کہ تم سے ملنے کی کوشش کروں گی پھر اسی دوران مجھے معلوم ہوا کہ تم مجھے وہاں سے نکالنے کے لئے کوششیں کر رہے ہو تو تم سے ترنت ملنے کی میرے دل میں شدت خواہش جاگی اور پھر آج رات پوری حویلی کے لوگ گہری نیند سو گئے تو میں یہاں نکل آئی۔'' اتنا بتا کر وہ خاموش ہوئی تو پھر میں ے اسے تسلی دینے کی غرض سے اسے اپنی کتھا سنا ڈالی کہ میں اسے حاصل کرنے کے لئے سردار رئیس موریو خان سے بھی معاملات طے کر آیا ہوں اور عنقریب اس کا ایک خاص ایلچی اس سلسلے میں وڈیرے آچر خان سے ملاقات کرنے والا ہے۔

میری بات سن کر اسے حوصلہ ہوا اور وہ قدرے خوش بھی نظر آنے لگی مگر باوجود اس کے وہ اب واپس حویلی نہیں جانا چاہتی تھی۔

میں نے اُسے پیار سے سمجھایا۔ ''دیکھو نوری......! اس طرح بنا بنایا کھیل اور میری محبت اکارت چلی جائے گی......سب کچھ بگڑ جائے گا......بس تھوڑا اور صبر کر لو ......اب ہمیں ایک ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا ...... مجھے پورا یقین ہے کہ وڈیرا آچر خان، سردار موریو خان کا حکم نہیں ٹال سکے گا...... میں تمہیں اس گوٹھ میں سب کے سامنے عزت کے ساتھ بیاہ کر اپنی حویلی لے جاؤں گا۔''

نوری میری بات سن کر چپ ہو رہی، اب مجھے یہ فکر ستانے لگی کہ نوری کو کس طرح واپس حویلی پہنچایا جائے۔ اگرچہ میرا جی یہی چاہ رہا تھا کہ نوری اسی طرح میرے سامنے بیٹھی رہے مگر یہ سب ہمارے لئے بلکہ خود نوری کے لئے مناسب نہیں تھا۔

بہرطور اس دوران مجھے اچانک اس ''بی بی جی'' کا خیال آیا جس کی دیکھ بھال کے لئے نوری کو مامور کیا گیا تھا اور میرے خیال کے مطابق اس کا شاید ذہنی توازن درست نہیں تھا کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد تھا جب میں نوری کے سلسلے میں حویلی گیا تھا تو اس بی بی جی نے چیخ و پکار مچا رکھی تھی، اسے وڈیرے آچر خان کی حویلی کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں گویا مقید رکھا گیا تھا۔ میں نے جب اپنے فطری تجسس سے مجبور ہو کر اس سلسلے میں نوری سے استفسار کیا تو اس نے اس سلسلے میں بڑا روح فرسا انکشاف کیا۔

اس نے مجھے بتایا کہ ''بی بی جی'' جس کا اصل نام ماروی تھا...... وہ وڈیرے آچر خان کی جوان بیٹی تھی ...... اس کا ذہنی توازن اس لئے بگڑ گیا تھا کہ اس کا نکاح وڈیرے آچر خان کے بھائی جمعہ خان کے بیٹے سہراب خان سے کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک تو بات ٹھیک تھی مگر جب نوری نے مجھے یہ بتایا کہ ماروی کا شوہر جس کا نام سہراب خان تھا، اس کی عمر بمشکل گیارہ سال تھی تو میں اپنی جگہ بھونچکا سا رہ گیا تھا۔

✵ ═ ✵ ═ ✵

مقام افسوس تھا کہ ایسی جاہلانہ اور خود ساختہ رسموں میں ذاتی مفادات کا زیادہ دخل تھا۔ نوری نے آچر خان کی بیٹی ماروی کے بارے میں جو اندوہناک حقیقت مجھے بتائی تھی، اسے سن کر مجھے خاصا دکھ ہوا تھا۔ وہ اس سلسلے میں مزید کرب انگیز انکشاف کرنا چاہتی تھی مگر اس وقت مجھے نوری کی فکر تھی، میں نے اسے ایک بار پھر حوصلہ دیا، اس کے بعد میں اسے باہر لے آیا۔

باہر ہر سو ٹھٹھرتی ہوئی تاریکی کا راج تھا، چھائے ہوئے سکوت سے یوں لگتا تھا جیسے ابھی کوئی دھماکہ ہو جائے گا...... نوری نے مجھ سے کہا۔ ''فیضو......! تم اندر چلے جاؤ، میری فکر نہ کرو، میں چلی جاؤں گی۔''

مگر میرا دل اسے تنہا حویلی کی طرف جانے پر راضی نہیں ہو رہا تھا لہٰذا بولا۔

''نہیں نوری......! میں تمہیں حویلی تک چھوڑ آتا ہوں ...... دیکھو اس طرح مجھے بھی تسلی ہو جائے گی ورنہ مجھے ساری رات یہی فکر ستاتی رہے گی کہ تم حویلی پہنچ گئی ہو یا نہیں......''

پھر میری تسلی کی خاطر وہ چپ وہ گئی۔ ہم دونوں رات کی تاریکی میں چھپتے چھپاتے جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ لیتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

آسمان پر چاند دمک رہا تھا، اس کی ٹھنڈی طلسماتی روشنی بڑی پراسرار سی محسوس ہو رہی تھی ...... رات کی تاریکی اور نوری کا ساتھ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً یہ لمحات میرے لئے کیف آور ثابت ہوتے مگر اس وقت ہم پر ایک فکر سوار تھی۔

بالآخر ہم وڈیرے آچر خان کی حویلی کے قریب پہنچ گئے ...... ایک مقام پر نوری رک گئی اور مجھے بھی رکنا پڑا۔ ''فیضو......! اب تم یہاں سے لوٹ جاؤ، میں اندر چلی جاؤں گی۔''

''مگر نوری......! تم اندر کس طرح داخل ہو گی......؟'' میں نے قدرے تفکر سے پوچھا تو وہ کھنکتے لہجے میں بولی۔ ''جس طرح اندر سے باہر آئی تھی اسی طرح اندر بھی چلی جاؤں گی ......تو میری گڑتی نہ کر......''

پھر چند ثانیے ہم نے مزید ایک دوسرے سے الوداعی گفتگو کی اور اس کے بعد نوری آہستہ آہستہ حویلی کی جانب بڑھنے لگی پھر جب وہ حویلی کی دیوار کی پچھلی سمت مڑ گئی تو میں واپس لوٹ آیا۔

◆❂◆

نوری سے یوں غیر متوقع ملاقات کے بعد میرے اندر جیسے ایک نئی ترنگ نے جنم لیا...... ایک ولولہ تھا، ایک جوش تھا اور ناقابل بیان خوشی کا احساس تھا مگر اس کے باوجود یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میری زندگی کسی تلاطم کی زد میں آنے والی ہے ...... بظاہر پرسکون نظر آنے والے حالات اچانک دگرگوں ہونے کا پتہ دیتے محسوس ہو رہے تھے۔

اگلے دن صبح میں نے جاڑو خان کو رات والے واقعے کا ذکر کیا تو پہلے وہ حیران ہوا اور پھر بعد میں خوش ہوتے ہوئے مجھے مبارکباد دی پھر قدرے پرخیال لہجے میں بولا۔ ''سائیں مٹھا......! مسئلہ تو اب آپ اپنا حل ہی سمجھو مگر وڈیرے آچر خان سے ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے ...... اب وہ نوری کو آپ کے حوالے کرنے سے انکار کی جرأت تو نہیں کر سکتا مگر اس سلسلے میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ ضرور ڈالنے کی کوشش کرے گا۔''

مجھے جاڑو خان کی بات سے سو فیصد اتفاق تھا لہٰذا ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''تمہاری بات درست ہے جاڑو خان......! لیکن وڈیرے آچر خان کو اب میں نوری کے معاملے میں مزید ٹال مٹول کرنے نہیں دوں گا۔'' میرے لہجے میں ایک عزم مصمم کی تپش تھی۔

بہر طور ہم گیارہ بجے کے لگ بھگ وڈیرے آچر خان کی حویلی پہنچے...... آج میرے اور آچر خان کے درمیان کچھ گرما گرمی متوقع تھی بلکہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ ہم سے ملاقات ہی نہ کرے مگر میں نے بھی تہیہ کر رکھا تھا کہ آج وڈیرے آچر خان

سے نوری کے سلسلے میں حتمی بات کر کے ہی رہوں گا۔

ہم حویلی پہنچ گئے۔ حسب معمول اس کے مصاحب خاص منشی پیرل سے ہماری ملاقات ہوئی، اس کے لمبوترے چہرے پر کچھ تفکر آمیز تاثرات پھیلے ہوئے تھے، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ہم سے کچھ کہنا چاہ رہا ہو مگر کہہ نہیں پا رہا ہو۔ بالآخر ہمیں ایک طرف بیٹھنے کا کہتے ہوئے وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''سائیں وڈے سے ملنا ہے......؟''

مجھے اس کا یہ انداز تخاطب سخت ناگوار گزرا اور میں نے جاڑو خان کی طرف دیکھا، میری نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے وہ بولا۔ ''ظاہر ہے منشی صاحب! اب آپ سے تو ہمیں کوئی کام ہونے سے رہا...... آپڑیں سائیں وڈے کو اطلاع کر دو سائیں بگھیو صاحب ملنے آئے ہیں۔''

منشی پیرل نے خاموشی سے جاڑو خان کی بات سنی اور پھر باہر نکل گیا، اس کے باہر نکلتے ہی جاڑو خان نے میری طرف دیکھ کر اپنی ایک آنکھ ہولے سے دبائی اور میں زیرلب مسکراتے ہوئے دھیرے سے بولا۔ ''تم نے بھی خوب پیرل کو اس کی اوقات یاد دلائی...... اب وہ کبھی مجھ سے ایسا احمقانہ سوال کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔''

پھر تھوڑی دیر بعد وڈیرا آچر خان آ گیا...... اس کا چہرہ سپاٹ تھا، ہم نے کھڑے ہو کر اسے احترام دیا اور سلام کیا۔

''ہا...... بابا...... بگھیو صاحب......! تم آخر سردار موریو خان تک پہنچ ہی گئے۔'' وہ عجیب سی نظروں سے میری جانب تکتے ہوئے خاصے برماتے لہجے میں بولا...... میں نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''مجبوری تھی...... آپ نے نوری کے سلسلے میں مجھے صاف جواب جو دے دیا تھا اس لئے مجھے سردار صاحب کے پاس جانا پڑا۔''

''ہوں......'' اس نے گھمبیر سے انداز میں ایک لمبی ''ہوں'' نکالی اور مجھے جانے کیوں جھرجھری سی آ گئی۔ ''میں نے تمہیں انکار تو نہیں کیا تھا بابا بلکہ تم سے تو ہم دوستی کے خواہاں تھے۔'' اس نے مجھے گھور کر دیکھا تو میں جواباً اس کے منشی کی

طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''مجھے تو آپ کے اس منشی پیرل نے کہا تھا کہ آپ مجھ سے نوری کے سلسلے میں کوئی بات حتیٰ کہ ملاقات بھی کرنا نہیں چاہتے۔''

''بکواس کرتا ہے یہ گدھا......'' آچر خان نے یکدم کہا تو میں نے اس کے دوغلے پن پر استہزائیہ مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولا۔ ''تو ٹھیک ہے سائیں اب تو میں آپ کے روبرو عرض کر رہا ہوں کہ میں نوری سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

میرے دوٹوک لہجے پر پہلے تو وہ چونکا پھر خیشانہ ہنسی ہنستے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''واہ سائیں واہ...... بگھیو صاحب...... آپ کا عشق تو بڑا طوفانی قسم کا ہے، وہ بھی ایک غریب ہاری کی بیٹی سے جو ''کاری'' قرار دی جا چکی ہے۔ پھر تو بے چارہ سائیں داد کو علی بخش نے خواہ مخواہ ہی ''کارا'' کر کے بھگا دیا ہے۔ یہی نہیں اس نے تو بے چارے سائیں داد کا اس جرم میں سب کچھ چھین لیا ہے، اس کی جوان بہن...... اس کی زمین......''

وڈیرے کی بات کا مطلب میں اچھی طرح سمجھ چکا تھا، اگر کوئی اور موقع ہوتا تو میں اسے منہ توڑ جواب دیتا مگر نوری کی وجہ سے میں نے اپنے طیش پر قابو پایا اور اٹل لہجے میں بولا۔ ''سائیں آچر خان! میرا خیال ہے فضول قسم کی بحث میں پڑنے کی بجائے کام کی بات کر لیں تو زیادہ بہتر ہے...... آپ کے پاس سردار موریو خان کا ایلچی تو آ گیا ہوگا، اب آپ کیا کہتے ہیں...... بارات لے آؤں پھر میں آپ کی حویلی میں......'' نہ چاہتے ہوئے بھی میرے لہجے میں طنز کی کاٹ عود کر آئی تھی۔

وڈیرا آچر خان شاید میرے طنز کو سمجھ گیا تھا اس لئے فوراً بھڑک کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور گرجدار لہجے میں بولا۔ ''میری حویلی میں بارات لانے کی جرأت کبھی نہ کرنا بگھیو صاحب......! ورنہ سب کو گولیوں سے بھون ڈالوں گا میں...... تمہیں اتنی تکڑ (جلدی) کاہے کی ہے بابا...... میں پہلے نوری کے پیو (باپ) سے اس سلسلے میں بات کروں گا...... اسے راضی کرنا ہوگا تاکہ وہ اپنی بیٹی نوری کو پہلے اپنے گھر لے جائے۔''

اس کی منافقانہ روش پر مجھے بھی طیش آ گیا، مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ آنا کانی سے کام لیتے ہوئے اپنے مذموم مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مہلت لینا چاہتا

تھا لہٰذا میں بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا اور وڈیرے آچر خان کے چہرے پر اپنی نظریں گاڑتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ ''آچر سائیں......! نوری کا باپ تو اپنی بیٹی کو یہاں سے لے جانے پر تیار تھا مگر آپ نے مسلسل انکار کیا ہے اور ویسے بھی نوری کا اپنے باپ کے گھر جانا اس کی جان کو خطرے میں ڈالنے کے برابر ہے ...... آپ پھر ایسا کریں کہ نوری کو سردار موریو خان کے پاس بھیج دیں ...... میں بارات وہیں لے جاؤں گا۔''

میری بات نے ایک بار پھر وڈیرے آچر خان کو تلملا کر رکھ دیا اور وہ مجھے گھور کر دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اڑے بابا بگھیو صاحب......! آپ کو اتنی جلدی کس بات کی ہے...... مہینے دو مہینے ٹھہر جاؤ...... ابھی ہم اپنے ذاتی مسئلوں میں الجھے ہوئے ہیں۔''

اس کی بات سن کر مجھے غصہ آنے لگا...... میں جان گیا تھا کہ وہ ایسے نہیں مانے گا لہٰذا ایک گہری ہنکاری بھرتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے سائیں پھر میں ابھی سردار موریو خان کے پاس چلا جاتا ہوں، وہ خود ہی اچھے طریقے سے یہ معاملہ نمٹا دے گا۔ آؤ جاڑو خان......'' میں وڈیرے آچر خان کو جلتا کڑھتا چھوڑ کر اوطاق سے باہر آ گیا۔ اس کے بعد میں جیپ میں سوار ہو کر سردار موریو خان کے گوٹھ کی طرف عازم سفر ہوا۔

''میں نے کہا تھا نا سائیں مٹھا! یہ وڈیرا آچر خان بڑی ٹیڑھی کھیر ہے، آسانی سے نہیں مانے گا۔'' میری برابر والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے جاڑو خان نے کہا تو میں سامنے ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے دانت پیس کر بولا۔ ''لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے...... ابھی اس کا فیصلہ ہو جاتا ہے...... تم ذرا مجھے سردار موریو خان کی حویلی تک تو پہنچنے دو۔''

میں جیپ کو شکستہ اور ناہموار راستے پر دوڑائے چلا جا رہا تھا...... گوٹھ کے کچے پکے بے ترتیب مکانوں کی قطاریں اب پیچھے رہ گئی تھیں...... ابھی ایک میل کا سفر شہر جانے والی پختہ سڑک تک کا باقی تھا پھر وہاں سے سڑک کے دوسری طرف سردار موریو خان کے گوٹھ کی حدود شروع ہو جاتی تھیں۔ ہمارے دائیں جانب کیکر اور

آسریں کا گھنا جنگل تھا جبکہ بائیں طرف بھربھری مٹی والا میدان اور اس کے پار کھیتوں کا سلسلہ تھا...... ابھی ہم نے نصف میل کا سفر طے کیا ہوگا کہ معاً جاڑو خان نے جیپ کے بیک ویو مرر پر نظریں جماتے ہوئے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''سائیں! ایک جیپ ہمارے پیچھے دوڑی چلی آ رہی ہے۔''

اس کی بات سن کر میرا دل کسی انجانے خطرے کے پیش نظر زور سے دھڑکا اور میں نے جیپ کی رفتار قدرے کم کرتے ہوئے مرر میں دیکھا تو واقعی ایک بغیر ہڈ والی جیپ ہمارے عقب میں آندھی طوفان کی طرح دوڑی چلی آ رہی تھی...... اچانک مجھے کسی خطرے کی بو محسوس ہوئی اور میری چھٹی حس نے مجھے محتاط کر دیا پھر میں نے بھی اپنی جیپ کی رفتار بڑھا دی...... تب اچانک ہی مجھے عقب سے فائرنگ کی آواز سنائی دی جو یقیناً ہمارے تعاقب میں آنے والی جیپ سے کی گئی تھی۔

اگلے ہی لمحے ہماری جیپ کے بیک ڈور کا شیشہ چھناکے سے ٹوٹا اور بے اختیار میں نے اور جاڑو خان نے اپنے سر نیچے جھکا دیئے تھے...... عقب سے آنے والی گولیاں ہماری سیٹوں اور چھت سے ٹکراتی ہوئی محسوس ہوئیں...... ایک آدھ شاید ونڈ اسکرین سے بھی ٹکرائی تھی...... مقام شکر تھا کہ کوئی گولی ہمیں نہیں لگی تھی مگر میرے نیچے سر کرنے سے میرے ہاتھ اسٹیئرنگ سے ذرا بہک گئے...... یہ ناہموار راستہ چونکہ زیادہ چوڑا نہ تھا اور کچھ جیپ کی رفتار بھی تیز تھی اسی لئے جب تک میں سنبھلتا، جیپ داہنی جانب کی گھنی اور قدآدم جھڑیوں میں اتر گئی...... جیپ کو زبردست جھٹکے لگے...... میں نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ اسٹیئرنگ پر اپنی گرفت مضبوط کی مگر مجھے جیپ کو زوردار بریک لگانے پڑے کیونکہ سامنے بلند و بالا کھجوروں کے درختوں کا جھنڈ سا نظر آ رہا تھا لیکن بدقسمتی سے جیپ رکتے رکتے ایک درخت سے ٹکرا گئی...... ہمارے جسموں کو ایک جھٹکا لگا جو زیادہ شدید نہیں تھا۔

''جاڑو خان باہر کودو۔'' میں اپنی سائیڈ کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا، دوسری طرف سے جاڑو خان بھی گھوم کر مجھ سے آن ملا...... شکر تھا کہ میری جیپ میں ریوالور موجود تھا جسے میں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا...... ہم جھاڑیوں میں دبک گئے...... میں نے عقب میں کچے راستے پر نظریں دوڑائیں جدھر گمنام حملہ

آوروں کی جیپ دوڑی چلی آ رہی تھی ...... میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں، میں نے ریوالور والا ہاتھ بلند کر کے جیسے ہی وہ جیپ میرے نشانے پر آئی، یکے بعد دیگر دو تین فائر جھونک ڈالے ...... میرا نشانہ خطا نہیں گیا تھا کیونکہ اگلے ہی لمحے فضا میں گولیوں کے دھماکوں کے ساتھ جیپ کی ونڈ اسکرین کے ٹوٹنے کی بھی آواز آئی تھی، حملہ آوروں کی جیپ اب ایک جھٹکے سے رک گئی تھی ...... میں نے جھاڑیوں سے ذرا سر ابھار کر دیکھا تو بری طرح ٹھٹک گیا، جیپ سے لگ بھگ پانچ چھ مسلح افراد بندوقیں سنبھالے نیچے اتر رہے تھے۔

وہ یقیناً ہماری جان کے درپے تھے ...... مجھے حیرت تھی کہ آخر یہ کون لوگ ہیں......؟ پھر معاً میرا شک وڈیرے آچر خان کی طرف چلا گیا...... ہوسکتا ہے یہ اس کے گرگے ہوں جو ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ ہم موریو خان کے ہاں نہ جاسکیں۔

یقیناً یہی بات ہوگی۔

معاً مجھے میری چھٹی حس نے اس خیال کی تائید کی ...... ہم اب دوبارہ جیپ میں سوار نہیں ہوسکتے تھے اس لئے ہم جھاڑیوں ہی جھاڑیوں میں آگے بڑھتے چلے گئے، عقب سے پھر ہم پر فائرنگ کی گئی، ہم نیچے جھک کر ایک لمحے کو اپنی جگہ ساکت کھڑے ہو گئے ...... ہم دونوں میں سے صرف میرے پاس ہی اسلحے کے نام پر ایک ریوالور تھا اس لئے میں ان گمنام حملہ آوروں کے ساتھ جوابی کارروائی کرنے کی بجائے فرار پر ترجیح دے رہا تھا مگر عقب سے ان کی فائرنگ نے ہمیں اپنی جگہ پر محبوس ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

''سائیں اب کیا کریں......؟'' جاڑو خان نے میرے کانوں میں سرگوشی کی، ٹھیک اسی لمحے ہمارے سامنے سے کچھ لوگ رائفلیں سنبھالے نظر آئے، انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔

اب وہ اپنی رائفلیں اور بندوقیں ہم پر تانے اسی طرف آ رہے تھے...... میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا...... ان کے قریب آتے ہی میں ان میں سے دو افراد کو پہچان گیا...... وہ سوڈھل اور رحیم بخش تھے، ان دونوں نے بھی مجھے پہچان لیا تھا،

اب ان کے چہروں پر حیرت تھی۔

''سائیں بگھیو صاحب......! تم......؟''

میں فوراً ان سے بولا۔ ''ہم پر نامعلوم افراد نے حملہ کر دیا ہے۔'' میں نے کہا اور ٹھیک اسی لمحے ہمارے عقب سے فائرنگ کی تڑتڑاہٹ گونجی اور ان کا ایک ساتھی کریہہ انگیز چیخ کے ساتھ تیورا کر گرا۔ تب انہوں نے بھی پوزیشنیں سنبھال کر سامنے فائرنگ شروع کر دی ...... عقب سے بھی نامعلوم حملہ آوروں کی چیخیں گونجی تھیں۔

پھر تو باقاعدہ دوطرفہ فائرنگ کا تبادلہ شروع ہوگیا...... میں اور جاڑو خان بھی اب بالکل زمین کے ساتھ چپک گئے تھے ...... خوفناک فائرنگ سے ہمارے دماغ جھنجھنا اٹھے تھے......صورت حال انتہائی مخدوش ہوگئی تھی ...... اسی لمحے سوڈھل نے چلا کر ہمیں لیٹے لیٹے اپنی جانب بڑھنے کو کہا...... اس کے بعد ہم دونوں کہنیوں اور گھٹنوں کے بل ان سے جا ملے تھے پھر اچانک ہمارے عقب سے فائرنگ کی آواز یک لخت بند ہوگئی...... فائرنگ کے بند ہوتے ہی فضا میں پرہول سناٹا چھا گیا تھا پھر عقب سے جیپ اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی شاید وہ نامعلوم حملہ آور اب فرار ہو رہے تھے ...... یہ بات سوڈھل اور ان کے ساتھیوں نے بھی محسوس کر لی تھی۔ نتیجتاً انہوں نے سامنے آ کر حملہ آوروں کی جیپ پر فائر کھول دیئے مگر بے سود ...... وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو چکے تھے پھر سوڈھل کے سوا اس کے باقی ساتھی آگے کی طرف دوڑے مگر انہیں وہاں کچھ بھی نہیں ملا البتہ وہاں انہیں کچھ خون گرا ہوا نظر آیا جس کا مطلب تھا وہ نامعلوم افراد اپنے زخمی ساتھیوں یا ان کی لاشوں کو اپنی جیپ میں ڈال کے جا چکے تھے......ان کا ایک ساتھی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہلاک ہو چکا تھا ...... ہماری جیپ بھی وہاں موجود تھی جس کی باڈی پر بھی گولیوں کے نشانات نظر آ رہے تھے حتیٰ کہ اس کے ٹائر بھی برسٹ کر دیئے گئے تھے۔

ہم نے سوڈھل اور رحیم بخش کو ساری تفصیل بتا دی، ان کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ حرکت وڈیرے آچر خان کے حواریوں کی تھی......سوڈھل نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا تو ان میں سے ایک آدمی نامعلوم حملہ آوروں کی جیپ کے نشانات کے

ساتھ ساتھ آگے بڑھ گیا۔ باقیوں نے اپنے ساتھی کی لاش اٹھائی اور واپس چل دیئے۔

اب ہمارے ساتھ سوڈھل اور رحیم بخش کھڑے تھے پھر سوڈھل مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”سائیں......! میرا تو خیال ہے کہ اسی وقت پہلے سردار موریو خان کے پاس چلا جائے۔“

میں بھی یہی چاہتا تھا لہٰذا میں نے اس کی بات پر اثبات میں اپنا سر ہلایا اور ہم پیدل ہی سردار موریو خان کی طرف چل دیئے...... اسی دوران میں نے سوڈھل اور رحیم بخش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کے ایک ساتھی کی موت کا دلی افسوس کا اظہار کیا...... یہ درست تھا کہ ہماری وجہ سے ان کے ایک ساتھی کی جان چلی گئی تھی۔ ”سائیں بگھیو صاحب......! اس کی ضرورت نہیں...... ہمیں بھی اپنے ساتھی کی موت کا غم ہے مگر ہم اپنے دشمنوں سے بدلہ لینا اچھی طرح جانتے ہیں۔“ سوڈھل نے دوستانہ لہجے میں کہا مگر اس کے لہجے سے آتش انتقام سلگ رہی تھی۔

کوئی آدھ گھنٹے کے بعد ہم سردار موریو خان کی اوطاق میں موجود تھے...... خوش قسمتی سے وہ وہاں موجود تھا...... اس نے ہماری ساری کتھا غور سے سنی...... اس کے بعد وہ بولا۔ ”اگر یہ آچر خان کی حرکت ہوئی تو اسے اس کا بہت بڑا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔“ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”بگھیو صاحب......! آپ گڑتی (فکر) نہ کرو...... ہم خود ابھی تم لوگوں کے ساتھ آچر خان کی حویلی چلتے ہیں...... دیکھتے ہیں وہ نوری کو ہمارے حوالے کیسے نہیں کرتا۔“ اس کے لہجے میں غضب ناکی عود کر آئی تھی۔

مجھے ذرا حوصلہ ہوا...... بس پھر کیا تھا اسی وقت سردار موریو خان نے اپنے مسلح آدمیوں کی بھاری جمعیت تیار کی اور پھر ہم بھی جیپ میں سوار ہو گئے...... راستے میں ہم نے سردار موریو خان کو وہ جگہ بھی دکھائی جدھر ان حملہ آوروں نے ہم پر فائرنگ کی تھی۔ اُدھر میری جیپ بھی موجود تھی۔

اس کے بعد ہم وڈیرے آچر خان کی حویلی پہنچ گئے...... سب سے پہلے سردار کے مسلح باڈی گارڈ اترے اور بعد میں سردار موریو خان کے ساتھ ہم بھی اتر آئے

...... سب سے پہلے وڈیرے آچر خان کا منشی پیرل اپنے چند ملازموں کے ساتھ بدحواسی کے عالم میں باہر آیا اور سردار موریو خان کو دیکھتے ہی اس کی سٹی گم ہو گئی اور وہ ہاتھ جوڑے ”بھلی کرے آیو...... سردار سائیں...... بھلی کرے آیو“ (خوش آمدید) کہتا ہوا اس کے قریب آیا تو سردار موریو خان نے انتہائی کڑک دار لہجے میں اس سے کہا۔ ”اڑے بابا جاؤ...... آچر خان کو بلا کر لاؤ ادھر......“

منشی پیرل ہانپتا کانپتا اور گرتا پڑتا اندر چلا گیا پھر ذرا دیر بعد ہی وڈیرا آچر خان بھی باہر آ گیا۔ اس کے ہمراہ ایک جوان شخص بھی تھا، وہ خاصا خوبرو شخص تھا اور چہرے مہرے سے ایک پڑھا لکھا آدمی دکھائی دے رہا تھا، مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ وہ وڈیرے آچر خان کا ولایت پلٹ بیٹا بابر خان تھا، باپ کی طرح وہ بھی خاصا پریشان نظر آ رہا تھا...... کچھ اور لوگ بھی حویلی سے نکل کر وہاں اکٹھے ہو گئے تھے۔

وڈیرے آچر خان کے چہرے پر خاصے تفکر کے آثار تھے، وہ بظاہر معتدل نظر آنے کی کوشش کرتا ہوا سردار موریو خان سے ملا تو سردار موریو خان نے اس کے چہرے پر اپنی برماتی ہوئی نگاہیں گاڑتے ہوئے گونجدار لہجے میں کہا۔ ”آچر خان......! اسی وقت اس چھوکری کو ہمارے حوالے کر دو۔“

سردار موریو خان کے بارعب لہجے کے آگے وڈیرے آچر خان سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو وہ نہایت احترام سے بولا۔ ”سردار سائیں......! برابر...... پر آپ آؤ تو سہی اندر بیٹھیں...... آرام سے باتیں کرتے ہیں۔“

آچر خان نے عجیب سنسناتی ہوئی نظروں سے ایک لمحے کو میری جانب دیکھا تھا۔ ”میں نے تو اس چھوکری کے سلسلے میں اپنے آدمی کو تمہارے پاس بھیجا تھا مگر اس کے باوجود تم نے بگھیو صاحب کو کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔“ سردار موریو خان گرجدار لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔ ”تمہیں معلوم ہے آچر خان......! جب بگھیو صاحب تمہاری اوطاق سے نکل کر ہماری طرف آنے لگا تو اس پر کچھ نامعلوم لوگوں نے فائرنگ کر ڈالی...... ان کا ایک دوست قتل کر دیا گیا مگر وہ معاملہ ہم بعد میں سلجھا لیں گے کیونکہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے، پہلے تم اس

چھوکری کو ہمارے حوالے کرو۔'' سردار موریو خان کی بات سن کر وڈیرے آچر خان کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

اس کے ساتھ کھڑا اس کا بیٹا بابر خان بڑے غور سے سردار موریو خان کی طرف دیکھے جا رہا تھا...... وہ ابھی تک خاموش تھا۔ ادھر آچر خان نے ایک گہری سانس خارج کی اور سردار موریو خان کی طرف دیکھ کر عجیب لہجے میں بولا۔ ''سردار سائیں! یہ تو آپ میری بے عزتی کر رہے ہیں ...... وہ چھوکری اپنی مرضی سے میرے پاس رہ رہی ہے...... میں نے کوئی زبردستی اسے اپنے پاس نہیں رکھا ہوا۔''

وڈیرے آچر خان کے احتجاج کو قطعی نظرانداز کرتے ہوئے سردار موریو خان نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس چھوکری کو ادھر لاؤ، ابھی فیصلہ ہو جاتا ہے۔''

اس کی بات سن کر وڈیرے آچر خان کے چہرے پر ایک لمحے کو سناٹا سا پھیل گیا...... میرے دل و دماغ میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ پھر بادل نخواستہ وڈیرے آچر خان نے اپنے منشی پیرل کو ایک مخصوص اشارہ کیا، وہ اشارہ پاتے ہی روبوٹ کی طرح اندر حویلی میں چلا گیا اور ذرا ہی دیر بعد نوری کو لئے آن پہنچا۔

نوری کو دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں ...... اس نے سر پہ اجرک، چادر کے طور پر اوڑھ رکھی تھی ...... ایک لمحے کے لئے اس نے اپنا سر خفیف سا اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھر جھکا دیا۔

سردار موریو خان ذرا بلند آواز میں نوری کو مخاطب کر کے بولا۔ ''ڑی گودی...... ! فیض محمد تیرے سے پرڑاں (نکاح) کرنا چاہتا ہے کیا تو راضی ہے؟''

نوری نے ایک لمحے کے لئے اپنا سر اٹھا کر میری جانب دیکھا اور پھر سردار موریو خان کی طرف دیکھا پھر دوبارہ اپنا سر جھکا دیا...... سردار موریو خان، نوری کی مرضی جان گیا...... پھر اس کے بعد اس نے نوری کو اپنی جیپ میں بیٹھنے کا حکم دیا...... نوری چپ چاپ سردار موریو خان کی جیپ میں جا کر بیٹھ گئی۔

وڈیرے آچر خان کے چہرے پر شدید تذبذب کی کیفیت طاری تھی مگر وہ سردار موریو خان کے آگے کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا پھر موریو خان مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''بگھیو صاحب...... ! آپ ایسا کریں پہلے نوری کے گھر جا کر اس

کے باپ کو خبر کریں کہ تم اس کی بیٹی نوری سے شادی کرنا چاہتے ہو...... اگر ہو سکے تو اسے میرے ہاں لے آئیں۔''

جواباً میں نے اپنا سر دھیرے سے اثبات میں ہلا دیا۔ اس کے بعد سردار موریو خان اپنے سامنے کھڑے وڈیرے آچر خان سے گھمبیر لہجے میں بولا۔ ''آچر خان...... ! تم نے چھوکری کی رضامندی دیکھ لی، اب یہ معاملہ ختم سمجھو لیکن ایک بات کا جواب ذرا سوچ سمجھ کر دینا۔'' اتنا کہہ کر سردار موریو خاموش ہوا...... ماحول میں اعصاب شکن سناٹا چھا گیا...... وڈیرا آچر خان اپنی اندر کی سلگتی کیفیت پر جیسے قابو پائے خاموش کھڑا سردار موریو خان کی طرف دیکھ رہا تھا پھر سردار نے کہنا شروع کیا۔ ''بگھیو صاحب کی جیپ پر آج اس وقت کچھ نامعلوم مسلح افراد نے فائرنگ کی تھی، جب وہ تم سے نوری کے سلسلے میں غیر مطمئن ہو کر تمہاری حویلی سے میری طرف آ رہے تھے اور نا کا ایک ساتھی بھی ان نامعلوم افراد کی فائرنگ کے نتیجے میں ہلاک ہوا ہے، کیا تم اس واقعے کی ذمہ داری قبول کرتے ہو؟'' سردار موریو خان نے اپنی بات ختم کی۔

اور مجھے یوں لگا جیسے وہ کسی چور سے پوچھ رہے ہوں کہ کیا تم نے چوری کی ہے مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اس طرح کی صورت میں ایسی گفتگو کسی بھی راجواڑیں مکھ سردار کا معمول ہوتی ہے...... سردار کی اس بات پر وڈیرا آچر خان یک لخت گڑبڑا سا گیا پھر اپنے بشرے پر حیرت سموتے ہوئے بولا۔ ''سردار سائیں...... ! میں بھلا ایسے واقعے کی کیوں ذمہ داری قبول کروں گا جس میں میرا یا میرے کسی آدمی کا ذرا بھی ہاتھ نہ ہو...... میری بگھیو صاحب سے بھلا کیا دشمنی ہے، باقی رہا یہ چھوکری والا معاملہ تو ہمارے لئے تو یہ ایک بہت ہی معمولی حیثیت رکھتا ہے۔''

اس کی بات سن کر سردار موریو خان ایک لمحے وڈیرے آچر خان کی طرف پرسوچ نگاہوں سے تکتا رہا پھر اس کے بعد قریب کھڑے سوڈھل اور میری جانب ایک نظر دیکھا۔ اس کے بعد مجھے مخاطب کرتے ہوئے گھمبیر لہجے میں بولا۔ ''بگھیو صاحب...... ! تمہیں کسی پر شک ہے کہ یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے......؟'' اس کی

بات سن کر مجھے جیسے سانپ سونگھ گیا ...... اگر اس حملے میں سوڈھل کا بے گناہ آدمی ہلاک نہ ہوا ہوتا تو شاید میں وڈیرے آچر خان کا نام سردست نہ لیتا لیکن اب میں بھی مجبور تھا لہٰذا بولا۔ ''سردار سائیں! میری واقعی کسی سے کوئی جانی دشمنی نہیں ہے اور آچر خان سے بھی نہیں لیکن چونکہ اس قاتلانہ حملے میں میرے قریبی دوست سوڈھل کا آدمی بے گناہ قتل ہوا ہے اور وہ بھی اس وقت جب میں آچر خان سے غیر مطمئن ہو کر اس کی اوطاق سے واپس آپ کی طرف نوری کے سلسلے میں حتمی گفتگو کرنے آ رہا تھا لہٰذا محض شک کی بنیاد پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ حرکت آچر خان کی ہو سکتی ہے۔''

میری نپی تلی گفتگو سے سردار موریو خان متاثر نظر آنے لگا ...... وہ گھاگ اور جہاندیدہ شخص تھا، جان گیا کہ میں کیا چاہتا ہوں ...... درحقیقت ہمارے ''تر'' کے علاقوں میں رواج تھا کہ اگر کوئی کسی کی جان لے لیتا تھا تو چٹی کے طور پر بدلے میں یا قصاص کی صورت میں ایک بھاری رقم بطور جرمانہ دی جاتی تھی اور یہ قتل وغیرہ کا معاملہ پولیس تک جانے سے پہلے یہ دو فریقین کے درمیان بغیر کسی جھگڑے کے حل ہو جایا کرتا تھا چونکہ میں آچر خان سے کسی قسم کی ذاتی دشمنی میں نہیں پڑنا چاہتا تھا مگر سوڈھل کے بے گناہ ساتھی کا خون بہا بھی لینا ضروری تھا اس لئے میں حتی المقدور یہ کوشش کرتا رہا کہ کسی طرح آچر خان بھلے ہی اپنے کسی سر پھرے حواری کے سر قتل کا الزام لا کر سوڈھل وغیرہ کو اس کے ساتھی کا خون بہا دے کر معافی مانگ لے۔

میں نے دیکھا وڈیرا آچر خان عجیب خاموشی کے ساتھ میری جانب دیکھ رہا تھا ...... تب وہ سردار موریو خان سے بولا۔ ''سردار سائیں ......! اگر یہ کام میرے کسی حواری یا آدمی کا ہوا تو میں ضرور میہڑ (ہرجانہ) لے کر نہ صرف بگھیو صاحب کے پاس جاؤں گا بلکہ ان کے جس دوست کا آدمی قتل ہوا ہے، ان لوگوں کے پاس بھی میں خود میہڑ لے کر جاؤں گا۔''

اس کی بات سن کر میں نے بے اختیار سکون کی ایک گہری سانس لی ...... درحقیقت میں خود یہی چاہتا تھا کہ میرے اور وڈیرے آچر خان کے درمیان کسی بھی

جھگڑے کی نوعیت خون خرابے والی نہ ہو، میں اسے سیاست کی مار دینا چاہتا تھا اور اس میں مجھے کافی کامیابی ہوئی تھی جس کی واضح مثال یا میری فتح یہ تھی کہ نوری کو میں تقریباً حاصل کر چکا تھا لیکن مجھے اس بات کا بھی پورا یقین تھا کہ آگے چل کر آچر خان میرے خلاف مزید محاذ بنانے کی تیاری ضرور کرے گا مگر میں بھی اسے منہ توڑ جواب دینے کے لئے ہر سے تیار تھا۔

سردست یہی بہت تھا کہ نوری والا معاملہ بحسن وخوبی نمٹ گیا تھا۔

◆❁◆

مجھ پر اب یہ اخلاقی ذمہ داری عائد ہو چکی تھی کہ میں سوڈھل اور رحیم بخش کے قریبی عزیز مقتول کا دوجھکرانی کے سلسلے میں ان دونوں کی مدد کروں۔ نوری، سردار موریو خان کی تحویل میں جا چکی تھی اور اس کی طرف سے مجھے قدرے بے فکری ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں سردار نے مجھے فی الفور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی تاکید کرتے ہوئے ایک بار پھر پرزور انداز میں مجھ سے کہا تھا کہ میں جلد از جلد سب سے پہلے نوری کے باپ موگو ہاری کو بذات خود یہ مژدہ سناؤ کہ اس کی ''کاری'' بیٹی نوری سے اب میں باعزت طریقے سے بیاہ کرنا چاہتا تھا ...... مجھے یقین تھا کہ میرے اور نوری سے متعلق یہ خبر پورے گوٹھ میں پھیل چکی ہو گی اسی لئے میں چاہتا تھا کہ میرے بابا سائیں مجھ سے اس سلسلے میں کچھ استفسار کریں، میں خود ہی بہ نفس نفیس ان کی خدمت میں پیش ہو کر انہیں یہ خبر سنا دوں۔

اس دن میں نے جاڑو خان کے ہمراہ اپنے کچھ آدمی جنگل کی طرف روانہ کر کے اپنی جیپ کو ری کنڈیشن کروایا اور اگلے دن صبح میں جاڑو خان کے ساتھ جیپ میں سوار ہو کر موگو ہاری کے ہاں روانہ ہو گیا۔ نامعلوم حملہ آوروں کے حملے کے بعد سے ہم کچھ زیادہ ہی محتاط ہو گئے تھے۔ اب میرے علاوہ جاڑو خان بھی اپنے پاس بطور حفاظت ڈبل بیرل گن رکھنے لگا تھا جبکہ میرے پاس آٹومیٹک طاقتور ریوالور کے علاوہ ٹیلی اسکوپ ہسٹنگ رائفل بھی تھی۔

جیپ کچے اور ناہموار راستے پر ہچکولے کھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ دور جنگل اور کھیتوں، کھلیانوں میں سنہری دھوپ چمک رہی تھی۔

کوئی دم کو ہم ایک بوسیدہ کچے اور گارے مٹی سے بنے مکان کے قریب جیپ روک کر نیچے اتر آئے ...... اپلوں سے تھپی ہوئی ایک دیوار کے ساتھ ہی بھینس بندھی جگالی کر رہی تھی، وہاں سے گزرنے والے کچھ غریب ہاریوں نے رک کر مجھے سلام کیا پھر ایک ہاری سے ہم نے مذکورہ گھر کی تصدیق چاہی کہ آیا یہ واقعی موگو ہاری کا ہی مکان ہے، اس نے نہ صرف اس کی تصدیق کی بلکہ آگے بڑھ کر دروازے پر جھولتے ٹاٹ کے پردے کو ذرا ہٹا کر دستک بھی دے ڈالی اور کھڑا رہا۔ ذرا دیر بعد اندر سے کسی کے کھانسنے کی آواز کے ساتھ ہی کسی کی نحیف آواز ابھری۔ ''کیر آ......؟'' (کون ہے)

''اڑے موگو در (دروازہ) کھول ......سائیں بگھیو صاحب آئے ہیں ...... بابا تکڑا (جلدی)......''

اس کے ذرا ہی دیر بعد فوراً ہی اندر سے کسی نے دروازہ کھولا ...... یہ موگو ہاری تھا...... مجھ پر نظر پڑتے ہی پہلے تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں پھر وہ حیران و پریشان اور ''سائیں وڈا ......سائیں بھوتار'' کہتا ہوا میرے قریب آ گیا، اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ رکھے تھے اور سر جھکا دیا تھا ...... وہ مجھ سے ہاتھ ملانے کی جرأت نہیں کر رہا تھا مگر میں نے خود اس سے نہ صرف ہاتھ ملایا بلکہ آگے بڑھ کر معانقہ بھی کیا......اس بے چارے کے تو خواب و خیال میں بھی نہ ہوگا کہ کوئی اجلے اور صاف ستھرے لباس والا اعلیٰ افسر یوں اسے اپنے ساتھ لگا کر گلے مل سکتا ہے۔ میں موگو سے ملائمت بھرے لہجے میں بولا۔ ''موگو چاچا......! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے، کیا مجھے اندر نہیں لے چلو گے ...... آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔''

وہ بے چارہ کیا جواب دیتا، اس کی تو حالت ہی دیدنی ہو رہی تھی ...... وہ کبھی مجھے دیکھتا تو کبھی اپنے گھر کو ...... تب ہانپتے کانپتے لہجے میں بولا۔ ''دس ...... سائیں ...... آؤ ...... آؤ ...... اندر......'' بالآخر اس نے کہا اور ہم اندر ناپختہ کچے صحن میں آ گئے جہاں ایک کھری چارپائی پر ایک پکی عمر کی عورت بیٹھی دھوپ سینک رہی تھی ...... موگو اس سے بولا۔ ''اڑی او عجیباں اٹھ وڈے سائیں آئے ہیں۔'' وہ

شاید اس کی بیوی تھی ...... وہ موگو کی بات سن کر اندر کچی کوٹھری نما کمرے میں چلی گئی اور جلدی سے ایک رلی اٹھا لائی اور چارپائی پر بچھا دی ......موگو نے مجھے چارپائی پر بٹھا دیا اور ہاتھ جوڑتے ہوئے ذرا خفت سے بولا۔ ''سائیں ......! ہم غریب لوگ بھلا آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟'' میں خوشدلی سے اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے بولا۔ ''بیٹھو موگو چاچا میرے پاس، تم سے ایک خاص بات کرنی ہے۔''

وہ بے چارہ لجلجا کر بولا۔ ''سائیں......! ہم چھوٹے لوگ بھلا آپ کے برابر کیسے بیٹھ سکتے ہیں؟'' مگر میں اسے زبردستی اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ ''نہیں چاچا ایسا مت کہو......تم بھی ہماری طرح انسان ہو۔'' میں نے کہا اور وہ خاموش ہو رہا پھر بولا۔ ''اچھا سائیں آپ کے لئے پہلے چاں پاڑیں کا تو بندوبست کر لوں۔''

''نہیں پہلے میری بات سنو۔'' میں نے انکار کرتے ہوئے کہا اور بولا۔

''چاچا! سنو میری بات ذرا دھیان سے اور ذرا سوچ سمجھ کر جواب دینا مجھے......''

وہ بے چارہ میری بات سن کر ہونقوں کی طرح میرا چہرہ دیکھنے لگا۔ جاڑو خان بھی چارپائی کی دوسری طرف بیٹھ چکا تھا پھر میں بولا۔ ''چاچا ......تمہاری بیٹی نوری اب بالکل حفاظت سے ہے۔'' میں نے کہا اور پھر اسے مختصراً احوال بتا دیا کہ نوری بحفاظت سردار موریو خان کی تحویل میں چلی گئی ہے۔ وہ پہلے تو میری بات پر حیران ہوا پھر خاموشی سے میرا چہرہ تکنے لگا تو میں اس سے بولا۔ ''دیکھو چاچا......! میں نے ساری باتیں سردار موریو خان سے طے کر لی ہیں بس اب تمہاری رضامندی کی ضرورت ہے، نوری کے بارے میں......''

''ہاؤ سائیں! بولو ...... بولو ...... میں سن رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''موگو چاچا......! میں تمہاری دھی نوری سے بیاہ کرنا چاہتا ہوں ...... تمہیں اعتراض تو نہیں......'' میں نے کہا اور اس غریب پر تو جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور وہ عجیب شادیٔ مرگ والی کیفیت سے دوچار نظر آ رہا تھا ...... اس کے جھریوں بھرے چہرے پر خوشی اور عجیب سی پریشانی کے ملے جلے تاثرات ابھرنے لگے تھے، اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا...... چند ثانیے کو اس سے جواب ہی نہ بن پڑا

تو وہ رک رک کر بے ربط لہجے میں مجھ سے بولا۔ ''سس...... سائیں...... ی...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہو؟''

اسی اثناء میں موگو کی بیوی چائے بنا لائی اور ایک ایک پیالہ ہمیں تھما کر دوبارہ کمرے میں چلی گئی۔

''کیوں چاچا......! تمہیں کوئی اعتراض ہے اس بات پر......؟'' میں نے چائے کی چسکی بھرتے ہوئے کہا تو وہ قدرے گڑبڑا کر بولا۔ ''ہیں سائیں......! بھلا ...... بھلا ...... مجھے کیوں اعتراض ہونے لگا پر......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا تو میں اس کی ہمت بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں ...... ہاں ...... چاچا کہو...... دیکھو جب تک تم کھل کر اس بارے میں اپنی مرضی نہیں بتاؤ گے تو مجھے تسلی نہیں ہوگی۔''

میری بات سن کر اسے ذرا حوصلہ ہوا۔ وہ بولا۔ ''سس...... سائیں بھلا ہم کو کیوں اعتراض ہونے لگا پر...... پر...... سائیں......! ہم کہاں اور آپ کہاں...... بھلا زمین آسمان کا بھی ملاپ ہوا ہے۔''

''دیکھو چاچا! یہ بات رہنے دو...... آسمان پر صرف خدا ہے اور ہم اس کے حقیر بندے ہیں...... بس تمہاری ''ہاں'' چاہئے مجھے......'' میں نے کہا تو وہ پھر خوشی اور پریشانی کے ملے جلے جذبات سے بولا۔ ''وہ تو ٹھیک ہے سائیں......! مگر...... ہم...... ہم غریب لوگ ہیں...... سائیں کسی مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔'' وہ بے چارہ اپنی کم مائیگی کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔

میں بولا۔ ''نہیں چاچا......! بھلا تم کیوں کسی مصیبت میں پڑو گے...... اللہ سائیں پر بھروسہ رکھو اور مجھ پر اعتماد کرو...... میں تمہیں کسی مصیبت میں مبتلا نہیں ہونے دوں گا......نوری کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور نہ ہی سردار موریو خان کو بلکہ اس نے خود میری مرضی جان کر کہا ہے کہ کسی بھی وقت جنج (بارات) لے کر آ جاؤں مگر پہلے تم سے میں اچھی طرح رضامندی لے لوں...... اب بتاؤ کیا کہتے ہو؟'' میں نے چند ثانیے توقف کیا اور پھر مستفسر ہوا۔ ''مگر دیکھو چاچا! میں تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کر رہا......اگر تمہیں انکار ہے تو کوئی بات نہیں......'' میں چائے کا پیالہ زمین پر رکھتے ہوئے بولا تو موگو ترنت بولا۔ ''نہیں...... نہیں

سائیں......! میں انکار نہیں کر رہا...... مجھے منظور ہے...... بھلا ایک غریب بیٹی کا باپ کس طرح انکار کر سکتا ہے مگر سائیں آپ کو معلوم تو ہے ناں کہ نوری......''

''ہاں...... ہاں...... مجھے معلوم ہے......'' میں اس بات کا مطلب سمجھتے ہوئے درمیان میں بولا۔ ''میں نوری کو جانتا ہوں کہ وہ ایسی لڑکی نہیں ہے...... وہ تو بے چاری پھول کی طرح نازک اور پاک دامن ہے...... مجھے پورا یقین ہے کہ اس کے بھائی علی بخش کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔'' میری صاف گوئی پر اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے...... میں نے اسے گلے لگا کر مبارکباد دی اور مزید تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد چلا آیا۔

موگو ہاری کے گھر سے ہم سیدھے ریسٹ ہاؤس آ گئے...... مجھے اب پورا یقین ہو چکا تھا کہ نوری کو مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا نیز یہ بھی کہ اب اس کی طرف سے مجھے کسی بات کی فکر نہ تھی...... اب میں شہر (ٹھٹھہ) جا کر اپنی ماں اور پھر بابا سائیں کو نوری سے اپنی شادی کی خبر دینے کا پروگرام بنا رہا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ انہیں بھی میرے فیصلے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اس لطیف احساس سے ہی میرا دل خوشی سے نہال ہوا جا رہا تھا کہ نوری اب کچھ روز بعد ہی میری دلہن بننے والی تھی۔

محبت کو ملکیت بنانے کے احساس تفاخر نے مجھے مسرور سا کر کے رکھ دیا تھا۔

اس جانب سے قدرے بے فکر ہو جانے کے بعد مجھے اس پراسرار نقشے کا خیال آیا جسے کادو جکھرانی کی لاش کے پیٹ سے حاصل کیا گیا تھا۔ جب اس سلسلے میں، میں نے جاڑو خان سے ذکر کیا تو وہ بولا۔ ''ہاؤ سائیں مٹھا......! میں بھی اب سوچتا پڑا ہوں کہ اس بارے میں بھی اپنی مہم کو آگے بڑھایا جائے۔''

''مگر جاڑو خان! اس پراسرار نقشے کی تحریر کون سمجھے گا؟'' میں نے کہا اور وہ میری بات پر تھوڑی دیر کے لئے کسی خاموشی میں مبتلا رہنے کے بعد بولا۔ ''سائیں مٹھا......! اتنا تو مجھے پتہ چل ہی گیا ہے کہ وہ آج سے کئی سو سال پرانے سمہ دور کی زبان ہے لیکن میں کینجھر جھیل کے رہنے والے ایک بوڑھے مچھیرے کو جانتا ہوں جو نوری (نوری جام تماچی) کے مزار کا مجاور ہے...... وہ شاید ہماری کچھ مدد کر

سکے۔"

جاڑو خان کی بات سن کر میں ذرا چونکا اور جلدی سے بولا۔ "اگر یہ بات ہے تو آج ہی کینجھر کی طرف روانہ ہوتے ہیں، تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ہاؤ سائیں...... ! مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔" جاڑو خان نے کہا اور اس وقت ایک ملازم نے آ کر بتایا کہ کوئی علی بخش نامی چھوکرا مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔

میں اس نام پر چونک سا گیا، یہ نوری کا بھائی علی بخش ہوسکتا تھا جس نے اسے سائیں داد نامی لڑکے کے ساتھ "کاری" کیا تھا، میں نے فوراً ملازم سے علی بخش کو گیسٹ روم میں بٹھانے کو کہا۔ "سائیں مٹھا...... ! یہ علی بخش کیا کرنے آیا ہے یہاں......" جاڑو خان نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو اس سے مل کر ہی معلوم ہوگا۔" میں نے گومگو سے لہجے میں کہا۔

پھر تھوڑی دیر بعد ہم دونوں گیسٹ روم میں آ گئے ...... سامنے ایک درمیانے قد و قامت اور چھدری داڑھی والا ایک نوجوان بیٹھا تھا، اس کے چہرے پر عجیب سی سردمہری کھنڈی ہوئی تھی ...... ہمیں دیکھ کر وہ کھڑا ہوگیا اور میری جانب عجیب نظروں سے گھور کر دیکھنے لگا۔

مجھے جانے کیوں اس کی آنکھوں میں معاندانہ سی چمک محسوس ہوئی تاہم میں نے خوش اخلاقی سے اس کا استقبال کیا تو وہ کھردرے سے لہجے میں اپنا تعارف کراتا ہوا بولا۔ "میں موگو ہاری کا پٹ ہوں علی بخش ...... تم ہمارے گھر آئے تھے میری بہن نوری کے سلسلے میں......؟"

"ہاں ...... آیا تھا۔" میں نے بھی مختصراً کہا اور صوفے پر براجمان ہوگیا۔ ساتھ ہی اسے بھی بیٹھنے کے لئے کہا تو وہ انتہائی جاہلانہ انداز میں مخاطب ہوا۔ "نگھیو صاحب! نوری سے کیوں نکاح کرنا چاہتے ہو ...... تم جانتے ہو میں نے اسے رحیم داد کے پٹ سائیں داد کے ساتھ "کاری" کیا ہے؟" اس کے لہجے کی اکھڑ مزاجی بیدار ہو رہی تھی، ناچار میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی آنکھوں میں اپنی نگاہیں گاڑتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولا۔ "نوری کاری ہے یا نہیں ...... اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں اور میں اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، تمہیں اس بات سے بھی کوئی مطلب نہیں ہونا

چاہئے کیونکہ تم اس کا ہرجانہ سائیں داد کے باپ رحیم داد سے لے چکے ہو۔"

میں نے دانستہ اسے ایک راجواڑیں فیصلے کا حوالہ دیا ورنہ میں جانتا تھا وہ مجھ سے کیا کہنا چاہتا ہے۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا، میری بات سن کر وہ ایک لمحے کو گڑبڑا سا گیا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے سائیں...... ! مگر نوری سے شادی کرنے کے بعد تم اسے اس گوٹھ میں نہیں رکھو گے۔"

علی بخش کی بات سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی ...... میں حیران تھا کہ ایک غریب ہاری کے لڑکے کو اس قدر جرأت کیسے ہوئی کہ وہ مجھ پر اپنا فیصلہ مسلط کرنے کی کوشش کر رہا تھا ...... میرے جی میں آئی کہ اسے اس بات کا مزہ چکھاؤں مگر میں بھی اپنی فطرت سے مجبور تھا لہٰذا تحمل مزاجی سے بولا۔ "تم کون ہوتے ہو یہ بات کہنے والے، میری مرضی میں نوری کو کہیں بھی رکھوں ...... تم نہیں جانتے میں خود اس گوٹھ کا رہنے والا ہوں۔"

"ہاؤ سائیں ہاؤ ...... جانتا ہوں اچھی طرح سے میں......" اس کے لہجے کا گنوارپن ہنوز برقرار تھا۔ ...... وہ مزید بولا۔ "اگر تم نے میری بات نہ مانی تو ہوسکتا ہے نوری کو میں نہ بخشوں۔"

اس کی بات نے گویا جلتی پر تیل کا کام کر دکھایا ...... میری زمیندارانہ رگ کو اس نے چھیڑ دیا تھا۔ "علی بخش...... ! اپنی زبان کو لگام دو اور اپنی اوقات میں رہو ...... ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں ایک انسان کی بجائے ایک "رہاک" کی نظروں سے دیکھنے لگوں۔" غیظ و غضب سے میری آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے ...... وہ بھی میری جانب گھور کر تکتے ہوئے اٹل لہجے میں بولا۔ "میں نے جو بات کہنی تھی، کہہ ڈالی ...... آگے آپ کی مرضی......" یہ کہہ کر وہ جانے لگا تو میں نے گرجدار آواز میں اسے مخاطب کیا۔ "علی بخش...... ! اگر تم دوبارہ میرے سامنے آئے یا کوئی ایسی ویسی بات اپنے منہ سے نکالی ...... میں تمہیں فوراً پولیس کے حوالے کر دوں گا ...... اب دفع ہو جاؤ یہاں سے......" غصے کی شدت سے میری آواز پھٹ گئی تھی۔

وہ ایک لمحے کے لئے رک کر میری طرف کینہ توز نظروں سے تکتا رہا، اس کے بعد دانت پیستے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

اس کے چلے جانے کے باوجود بھی میرا غصے کے مارے پورا وجود کانپ رہا تھا، جاڑو خان نے جلدی سے مجھے پانی کا گلاس دیا اور بولا۔ ''مٹی ڈالو سائیں اس کمینے چھوکرے پر...... یہ ہمارا بھلا کیا بگاڑ سکتا ہے۔''

میری بگڑتی ہوئی کیفیت اب رفتہ رفتہ قابو میں آ رہی تھی۔

پھر اس دن ایک چونکا دینے والی خبر پورے گوٹھ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، جب وہ خبر مجھ تک پہنچی تو میں اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا...... نوری کے ساتھ جس سائیں داد نامی لڑکے کو ''کارو'' کیا گیا تھا، وہ اچانک روپوشی ترک کر کے منظر عام پر آ گیا تھا۔

✱ ═══ ✱ ═══ ✱

ایک خاصی طویل روپوشی کے بعد سائیں داد کی اچانک آمد نے پورے گوٹھ میں سنسنی پھیلا دی تھی، خود میں بھی ایک عجیب سی پریشانی میں مبتلا ہو گیا تھا...... سائیں داد کی اچانک آمد کے ساتھ ہی لوگوں کے درمیان سنسنی خیز چہ میگوئیاں بھی ہونی شروع ہو گئی تھیں...... بہت سے سوالات لوگوں کے اذہان میں گردش کر رہے تھے...... سائیں داد جسے نوری کے بھائی علی بخش نے اپنی بہن نوری کے ساتھ ''کارو'' کر دیا تھا جس کے نتیجے میں سائیں داد فرار ہو کر ایک عرصے تک روپوشی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اب جبکہ علی بخش کو تاوان کے طور پر نہ صرف سائیں داد کی جوان بہن ''بھاگی'' کو اس کے نکاح میں دے دیا تھا، اس کے علاوہ دو بیل، ایک بھینس اور کچھ رقم بھی دے دی گئی اور اس طرح سائیں داد اور نوری کے درمیان ''کارو کاری'' کا جھگڑا حل کیا جا چکا تھا تو کیا ایسے میں علی بخش اور سائیں داد کی دشمنی ختم ہو چکی تھی......؟

اس ضمن میں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ علی بخش کو چونکہ اپنا ہرجانہ مل چکا تھا اس لئے وہ سائیں داد کی جان کا دشمن اب نہیں رہا تھا مگر مجھے جن باتوں نے پریشان کر دیا تھا، وہ نوری کے متعلق تھیں۔

اکثریت کا خیال یہی تھا کہ اب چونکہ سائیں داد کے وارث علی بخش کو ہرجانہ بھر چکے تھے اس لئے اب اصولی طور پر نوری کو سائیں داد کے عقد میں آنا چاہئے تھا مگر اس بات کا بھی انحصار سائیں داد کی مرضی پر تھا کہ آیا وہ نوری کے ساتھ شادی کا دعویٰ کرتا ہے یا اس واقعے کو فراموش کر کے ایک نئی پرسکون زندگی کی ابتداء کرتا ہے۔

ان تمام باتوں کے تناظر میں مجھے نوری کے معاملے میں جاڑو خان سے

تبادلۂ خیال کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ...... وہ میری پریشانی بھانپ چکا تھا۔ بولا۔ ''سائیں مٹھا......! لگتا ہے سائیں داد کے منظر عام پر آ جانے سے کسی کو گل کھلانے کا موقع مل سکتا ہے۔'' جو بات میں محسوس کر رہا تھا، وہ جاڑو خان محسوس کر چکا تھا۔

اس کی بات سن کر میں مبہم سے لہجے میں بولا۔ ''کیا مطلب جاڑو خان ...... کیسا گل ...... اور یہ کون کھلا سکتا ہے؟'' میرے بے ربط جملوں سے پریشانی سی ہویدا ہو رہی تھی۔

جاڑو خان اس بار واضح لہجے میں بولا۔ ''سائیں......! اس وڈیرے آچر خان کی تو مرضی ہی نہیں نوری کو چھوڑنے کی ...... اب وہ آپ کی اس سے شادی والے معاملے کو کھٹائی میں ڈال سکتا ہے......سائیں داد کو استعمال کر کے......''

''تم نے بالکل درست کہا جاڑو خان......!'' بالآخر میں اس کی بات میں وزن محسوس کرتے ہوئے بولا۔ ''لیکن تمہارا کیا خیال ہے وہ سائیں داد کو اپنے ساتھ ملا کر اپنا مقصد حاصل کر لے گا......؟''

میری بات سن کر وہ جواباً پرسوچ لہجے میں بولا۔ ''یقین سے تو فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن وہ اس کے ذریعے کچھ گڑبڑ پیدا کر سکتا ہے۔''

''مثلاً......'' میرے لہجے میں تشویش کی نمایاں جھلک تھی، میں جاڑو خان کو کھل کر موجودہ حالات کے بارے میں اظہارِ خیال کرنے کا موقع دینا چاہ رہا تھا، وہ میری بات سمجھتے ہوئے بولا۔ ''وڈیرا آچر خان سب سے پہلے فوری طور پر سردار موریو خان کے پاس فریاد لے کر جانے پر سائیں داد کو اکسائے گا اور اس سے کہے گا کہ اب اصولی طور پر اس کا یعنی سائیں داد کا نوری سے شادی کرنے کا حق بنتا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے جاڑو خان نے کنکھیوں سے میری جانب دیکھا تھا...... میرے چہرے پر انجانے خدشات کی پریشان کن پرچھائیاں نمایاں ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

جاڑو خان بولا۔ ''سائیں......! آپ گڑتی نہ کرو ...... ہو سکتا ہے ہمارا خیال غلط بھی ہو کیونکہ علی بخش بھی تو سائیں داد کے لئے رکاوٹ بن سکتا ہے۔''

''لیکن جاڑو خان......! علی بخش کی اب اس معاملے میں پوزیشن کمزور ہو چکی

ہے بلکہ وہ تو الٹا میرا دشمن بننے پر تلا ہوا ہے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''ٹھیک ہے سائیں! میں ایسا کرتا ہوں کہ سائیں داد پر نظر رکھنے کی کوشش کروں گا لیکن اس سے پہلے آپ کو سردار موریو خان سے مل کر نوری سے اپنی شادی کی حتمی بات کرنا ہوگی اور اس کے لئے ضروری ہے کہ نوری کے باپ موگو ہاری کو اپنے ساتھ لے جائیں۔''

مجھے جاڑو خان کی بات سے مکمل اتفاق تھا لہٰذا خاموش ہو رہا۔

رات کے بارہ بج چکے تھے، تھوڑی دیر مزید گفت وشنید کے بعد ہم سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے ...... اپنے کمرے میں آ کر میں بستر پر لیٹ تو گیا مگر نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ مستقبل کے جن حالات سے میرا دل بے چین ہوا جا رہا تھا، اسے واضح طور پر جاڑو خان نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ جہاں تک علی بخش کے رکاوٹ ڈالنے کا مسئلہ تھا اسے تو میں فیس کر سکتا تھا لیکن اگر سائیں داد نے اپنے طور پر یا وڈیرے آچر خان کے ذریعے میری اور نوری کی شادی میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو میں اصولی طور پر اس سے شکست کھا سکتا تھا۔

کہتے ہیں نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے...... میرا دل و دماغ اس وقت پریشان کن خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا لیکن باوجود اس کے نجانے کون سے پہر نیند کی دیوی مجھ پر مہربان ہوگئی اور میں سو گیا۔

پھر اچانک میری آنکھ کھلی ...... مجھے جگایا گیا تھا اور جگانے والے ایک سے زائد افراد تھے جنہوں نے اپنے چہروں پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے ...... ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں ...... وہ تعداد میں سات آٹھ تھے ...... میں جیسے ہی ہڑبڑا کر اٹھا تو ان میں سے ایک نے فوراً میرے سینے پر اپنی رائفل کی نال رکھ دی اور غرا کر قدرے نیچی آواز میں بولا۔ ''خبردار......! کوئی آواز نکالی تو یہ ریسٹ ہاؤس تمہارا مقبرہ بھی بن سکتا ہے...... ہمارے آدمیوں نے تمہارے اس سرکاری گھر کو گھیر رکھا ہے۔'' اس کی آواز کھردری اور نامانوس تھی۔

سردی کے باوجود میری پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے مگر میں نے حوصلہ نہیں ہارا لہٰذا اپنی منتشر قوت کو مجتمع کرتے ہوئے بولا۔ ''تم کون ہو ...... کیا

چاہتے ہو......؟''

''ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اس لئے چالاک بننے کی بجائے ہمارے سوالات کا جواب دو۔'' وہ ڈھاٹا پوش غرا کر بولا۔ ''تم نے کادو جکھرانی کی لاش سے جو شے حاصل کی ہے، وہ کدھر ہے...... دیکھو جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرنا ......ہمیں معلوم ہے وہ چیز اب تمہارے قبضے میں ہے۔''

میں اس کی بات سن کر بری طرح چونکا تھا لیکن اگلے ہی لمحے اپنے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار پیدا کرتے ہوئے انجان بن کر بولا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو...... میں نے کسی کی لاش کو نہیں دیکھا......تم کس چیز کی بات کر رہے ہو؟''

میری بات سن کر اس ڈھاٹا پوش نے اپنی رائفل کی نال میرے سینے سے ہٹا کر میری گردن پر رکھ دی اور قدرے دباتے ہوئے ایک بار پھر غراہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ ''بکواس بند کرو اپنی ...... ہمارے پاس تمہاری بکواس سننے کے لئے وقت نہیں ہے......صاف صاف بتاؤ وہ نقشہ کہاں چھپا رکھا ہے تم نے......؟''

اس کی بات سن کر میرے چودہ طبق روشن ہو گئے ...... اس کے منہ سے اتنے اعتماد اور یقین کے ساتھ اس نقشے کے بارے میں سن کر ایک لمحے کے لئے تو میں بھی بھونچکاں سا رہ گیا تھا ...... مجھے اندازہ ہونے لگا تھا کہ ان لوگوں کا تعلق دادن شاہ اور بجل سے ہے۔ جس نقشے کے بارے میں یہ لوگ مجھ سے استفسار کر رہے تھے، وہ ادھر ہی اس کمرے میں پڑی سنگی میز کے خفیہ خانے میں موجود تھا، اگر وہ تلاشی لینے کی کوشش کرتے تو شاید انہیں وہ مل جاتا۔

اثنائے راہ ...... ڈھاٹا پوش کا ایک ساتھی بولا۔ ''میرا خیال ہے ہمیں اس کمرے کی پہلے تلاشی لے لینی چاہئے۔''

میں اس کی بات سن کر چونکا اور دل میں سوچنے لگا کہ کیا وہ نقشے کی تلاش میں پورے ریسٹ ہاؤس کو کھنگال چکے ہیں تو پھر......تو ...... پھر جاڑو خان کدھر تھا؟ کیا اسے خبر نہیں تھی، کیا وہ ابھی تک سو رہا تھا۔

ادھر ڈھاٹا پوش کے ساتھی میرے کمرے کو اتھل پتھل کر رہے تھے، میرا دل انجانے خوف کے تحت دھڑ دھڑا رہا تھا پھر اچانک ان کے کچھ ساتھی اس میز کی

جانب بڑھے اور میرا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔

مجھے خدشہ تھا کہ اس میز کا خفیہ خانہ بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہیں رہ پائے گا اور پھر وہی ہوا ...... ان کا ایک ساتھی گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ کر بغور میز کا معائنہ کرنے لگا اور تب وہ اپنا ایک ہاتھ اندر بڑھا کر کچھ ٹٹولنے لگا۔ ہر گزرتے لمحے میرے دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

اگر نقشہ ان کے ہاتھ لگ جاتا تو خود میرے لئے بھی یہ بات خطرناک ثابت ہو سکتی تھی ...... میری پھٹی پھٹی نظریں اس کے ہاتھ پر جمع ہوئی تھیں اور پھر اگلے ہی لمحے اس ڈھاٹا پوش کا ہاتھ باہر نکلا ...... میرا دل یکبارگی زور سے دھڑکا اور پھر اگلے ہی لمحے میرے حلق سے ایک گہری سانس خارج ہو گئی کیونکہ اس کا ہاتھ خالی تھا...... مجھے حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ آخر وہ نقشہ وہاں نہیں تو پھر کہاں تھا......؟

پھر ذرا دیر بعد وہ لوگ جب مایوس ہو کر اپنے ہاتھ ملتے ہوئے کھڑے ہو گئے تو مجھے گن پوائنٹ پر رکھنے والا وہ ڈھاٹا پوش شخص میری جانب خونخوار نظروں سے تکتے ہوئے بولا۔ ''ہونہہ ...... تو تم نے وہ نقشہ کہیں اور چھپا رکھا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی رائفل کو ایک مخصوص جھٹکا دیتے ہوئے فائر کرنے کی پوزیشن پر سیٹ کیا اور ٹرائیگر پر اپنی انگلی رکھ کر نال میری پیشانی سے لگا دی اور مجھے اپنی موت بالکل آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگی۔

''ی ...... یہ تم کیا کر رہے ہو؟'' میں قدرے ہکلا کر بولا۔

''آخری موقع تجھے دے رہا ہوں، بتاؤ وہ نقشہ کدھر ہے......'' وہ غرا کر بولا تو مجھے اس کی شعلہ بار آنکھوں میں درندگی کی چمک لہریں مارتی دکھائی دی لیکن نجانے کیوں مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ یہ لوگ مجھے کم از کم ہلاک نہیں کر سکتے لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہ تھا کہ وہ مجھے کوئی جسمانی گزند بھی نہیں پہنچا سکتے۔

ان خطرناک اور مسلح لوگوں سے ہر بات کی توقع رکھی جا سکتی تھی لہٰذا انہیں مطمئن کرنے کی غرض سے میں نے پل بھر میں ایک مبہم سی کہانی گھڑ لی تھی۔

''سنو تم جو کوئی بھی ہو ...... مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں ...... اگر وہ نقشہ جس کی تم بات کر رہے ہو، میرے پاس ہوتا تو میں تمہیں ضرور دے دیتا، بھلا وہ

میرے کس کام کا ہو سکتا تھا، میں خود ایک سرکاری ملازم ہوں، ان جھمیلوں میں کہاں پڑ سکتا ہوں۔'' میرے پر اعتماد لہجے پر وہ ڈھاٹا پوش شخص ایک لمحے کو کچھ سوچنے پر مجبور ہوا پھر اگلے ہی لمحے غرا کر بولا۔ ''تو پھر ایک بات کا جواب تو تم ضرور دے سکتے ہو...... یہ بتاؤ کہ رات بچل پر کسی نے حملہ کیا تھا جس نے بچل کو نہ صرف جنگل میں بے سدھ کر ڈالا تھا بلکہ اس سے وہ نقشہ بھی چھین کر تمہارے ریسٹ ہاؤس میں پناہ لی تھی، وہ کون تھا جس نے تمہارے ہاں پناہ لی تھی؟''

اس کی بات سن کر مجھے اب یقین ہو چلا تھا کہ ہو نا ہو یہ لوگ ضرور دادن شاہ اور محمد بچل کے ہی آدمی ہیں جنہیں مجھ پر کافی حد تک شبہ تھا۔ اگر میں بھی اس کی تصدیق کر دیتا تو یقیناً میری جان عذاب میں پڑ سکتی تھی لیکن اب یہ وقت تھا کہ میں انہیں ڈاج دینے کی کوشش کروں لہٰذا ایک گہری سانس لے کر میں نے کہنا شروع کیا۔ ''اس رات جب میں اپنے اسی کمرے میں سو رہا تھا تو اچانک کھٹکے کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی، وہ کوئی اجنبی شخص تھا، پریشان اور گھبرایا ہوا، اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اپنے کچھ دشمنوں سے بچتا بچاتا یہاں تک پہنچا ہے پھر اس نے مجھ سے ہاتھ جوڑ کر ایک رات کی پناہ مانگنے کی درخواست کی لہٰذا میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے پناہ دے دی اور یوں وہ صبح خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔''

میری جھوٹی کہانی پر اس ڈھاٹا پوش شخص نے اپنے ساتھیوں سے سرگوشی میں کچھ باتیں کیں پھر میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے...... ہم اس بار تمہیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہاں سے جا رہے ہیں لیکن جیسے ہی ہمیں یہ معلوم ہوا کہ تم نے ہم سے جھوٹ بولا تھا یا تم اس نقشے سے متعلق کچھ جانتے ہو تو یاد رکھنا ہم موت کے فرشتوں کی طرح تمہارے سر پہ دوبارہ آ دھمکیں گے۔'' اس نے اتنا کہا اور میں نے دل میں جان چھوٹنے پر خدا کا شکر ادا کیا مگر اگلے ہی لمحے اس ڈھاٹا پوش نے بجلی کی سرعت کے ساتھ اپنی رائفل کے کندے کا وار میری کھوپڑی کی پشت پر کیا اور میں تیورا کر دوبارہ بستر پر گر گیا اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوتا چلا گیا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو جاڑو خان کو خود پر جھکے پایا، وہ کافی پریشان نظر آ رہا تھا،

مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر اس نے اطمینان کی سانس لی اور مجھ سے پوچھا۔ ''سائیں......! آپ ٹھیک تو ہو ناں......؟''

میرے دماغ میں ہنوز جھماکے ہو رہے تھے اور سر کے پچھلے حصے میں درد کی ٹیس سی محسوس ہو رہی تھی جس پر بے اختیار میں اپنا ہاتھ رکھ کر چوٹ کو سہلانے لگا تو وہاں مجھے ایک ابھار سا محسوس ہوا۔

جاڑو خان نے فوراً گلاس پانی کا بھر کر میری طرف بڑھایا، میں نے پانی کے چند گھونٹ پیئے...... سر کو دو تین بار جھٹکا...... آنکھوں کے سامنے آئے ہوئے ترمرے دور بھاگ گئے پھر جاڑو خان کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''جاڑو خان......! تم کہاں تھے...... تم ٹھیک تو ہو نا...... کیا تمہارے ساتھ بھی انہوں نے......''

''ہاؤ سائیں مٹھا......! مولا سائیں کا کرم تھا کہ جان بچ گئی...... پتہ نہیں کون لوگ تھے...... کیا چاہتے تھے۔'' جاڑو خان میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ''سائیں مٹھا......! مجھے تو آپ کی گڑتی (فکر) ہو رہی تھی، ان رذیلوں نے تو مجھے اور بنگلے کے دو اور ملازموں کو بھی ڈھیر کر دیا تھا۔'' میں نے اس کی بات سن کر ایک گہری سانس لی۔

کھڑکی سے باہر صبح کاذب کا منظر دکھائی دے رہا تھا...... تب میں نے جاڑو خان کو رات والی ساری رام کہانی سنا دی جو مجھ پر بیت چکی تھی۔

''اس کا مطلب ہے سائیں مٹھا! میں نے بالکل صحیح کیا تھا۔'' میری بات مکمل ہوتے ہی وہ اپنے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولا تو میں نے حیرانگی سے پوچھا۔ ''کیا مطلب......؟ تم نے کیا صحیح کیا تھا؟'' ''سائیں مٹھا......!'' وہ اپنے مخصوص لہجے میں بتانے لگا۔ ''آپ کو یاد ہو گا نہ جب ہم نے محمد بچل سے وہ نقشہ حاصل کیا تھا تو وہ اس روز صبح ہی صبح ہمارے بنگلے میں آ دھمکا تھا، اس کے جانے کے بعد میں ذرا کھٹک گیا تھا کہ ہو نا ہو اسے ہم پر نقشے سے متعلق شک ہے کیونکہ جب ہم اسے اس رات جنگل میں بے سدھ کر کے واپس ریسٹ ہاؤس لوٹے تھے تو محمد بچل نے غیر معمولی ہوشیاری اور مستعدی سے کام لیتے ہوئے ہمارے ''پیر''

ریسٹ ہاؤس تک تلاش کر لئے تھے لہٰذا میں نے کسی اندیشے کے پیش نظر اس نقشے کو کسی اور جگہ پر محفوظ کر دیا تھا۔ وہ نقشہ اب بھی ہمارے پاس محفوظ ہے ...... مگر سائیں میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں آپ کو یہ بات نہیں بتا سکا تھا۔''

''بہت اچھا کیا تھا تم نے ...... اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو شاید میں اس کے بارے میں انہیں بتانے پر مجبور ہو جاتا۔'' میں نے جلدی سے کہا پھر جاڑو خان نے مجھے اپنی جیب سے وہ نقشہ نکال کر دکھایا۔ ''بالکل ٹھیک ہے جاڑو خان! تم نے یہ اچھا کیا، بروقت دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے اسے محفوظ رکھا مگر اب ہمیں جلد از جلد یہ قضیہ نمٹا لینا چاہئے یا پھر اس نقشے کو کسی مناسب وقت تک تم خود ہی کسی ایسی جگہ پہ رکھ دو جہاں یہ محفوظ رہ سکے۔'' میں نے جاڑو خان کو سمجھاتے ہوئے کہا اور اس نے سعادت مندی کے ساتھ اپنا سر ہلا دیا۔

پھر اس کے بعد جاڑو خان نے انتہائی شفقت سے میرے سر کی چوٹ پر کوئی بام جیسی شے لگائی پھر مجھے مزید آرام کرنے کو کہا مگر اب نیند میری آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی مگر ذہن اس قدر تھکا ہوا اور بوجھل بوجھل سا ہو رہا تھا کہ فوری طور پر بستر چھوڑنے پر دل مائل نہیں تھا۔

◆❀◆

پھر ایک گھنٹہ مزید بستر پہ لیٹ کر کسلمندی اتارنے کے بعد میں نے بستر چھوڑا اور جاڑو خان کو بھی مطلع کرتا ہوا میں غسل کرنے چل دیا۔

گرم پانی سے غسل کر کے طبیعت خاصی ہشاش بشاش ہو گئی ...... ذہن سے رات والے ناخوشگوار واقعے کا سارا تکدر مٹ گیا تھا مگر ایک نامعلوم سی تشویش نے ذہن کو جکڑ لیا تھا ...... سردست میں نے ناشتے وغیرہ کرنے تک اپنے ذہن کو پریشان کن خیالات سے خالی کیا اور کپڑے وغیرہ پہن کر کھڑکی کے پردے ہٹا کر جنگل کا نظارہ کرنے لگا۔

باہر جنگل میں دھند سی پھیلی ہوئی تھی ...... خوش الحان پرندوں کی سرور آگیں چہکار سننے کے لئے میں نے کھڑکی کے اوپر لگے ہوئے جالی دار روشن دان کی ڈوری کھینچ کر اسے بھی وا کر دیا۔ اس کے بعد اپنے بیڈ والی کھڑکی کے ساتھ بھی میں نے

ایسا کیا۔ اس کھڑکی سے گوٹھ کی طرف جانے والا ٹیڑھا میڑھا سا کچا راستہ نظر آتا تھا جس کے ایک طرف جنگل کی ختم ہوتی حدود کے ساتھ ساتھ دور تک بلند و بالا کھجوروں اور کہو کے پیڑوں کی قطاریں دست بستہ محافظوں کی طرح نظر آ رہی تھیں جبکہ اس راستے کے دوسری جانب باجرہ اور جو کے کھیتوں کا سلسلہ تھا۔

ان سے کافی پرے ملگجے کہرے میں لپٹے ہوئے کچے مکانوں کی بے ترتیب رو دکھائی دے رہی تھی، کسی کسی مکان سے دھوئیں کی پتلی اور بالکل عمودی لکیر بھی بلند ہوتی نظر آ رہی تھی۔ غرض آج پتہ نہیں کیوں جنگل کے مقابلے میں گوٹھ پر مجھے عجیب سی سوگواری طاری محسوس ہو رہی تھی۔

اثنائے راہ ...... جاڑو خان اندر داخل ہوا، اس کے ہمراہ ایک ملازم بھی ناشتے کا برتن لئے آ گیا۔ ناشتہ ہم نے خاموشی سے کیا پھر جاڑو خان نے خود ہی ناشتے کے برتن سمیٹ کر ایک جانب سرکا دیئے اور فلاسک بھاپ اڑاتی چائے مگ میں انڈیلنے کے بعد میری طرف بڑھا دی پھر میں پر تفکیر لہجے میں چائے کی ایک چسکی بھرتے ہوئے بولا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا کہ اچھا بھلا کام بنتے بنتے بگڑ کیوں جاتا ہے، ہماری انتہائی کوشش یہی تھی کہ اس پراسرار نقشے کی ہوا تک کسی کو لگنے نہیں دیں گے مگر یہاں تو باقاعدہ ایک پورے گروہ کو پتہ چل گیا کہ نقشہ ہمارے پاس موجود ہے یا ہم اس بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں اور رہا نوری والا معاملہ اسے نمٹایا تو یہ کم بخت سائیں داد جانے کہاں سے آن ٹپکا۔'' میں نے آخر میں اپنی گردن کو بیزاری سے جھٹکا دیا تو جاڑو خان جیسے مجھے تسلی دینے کی غرض بولا۔ ''سائیں مٹھا ......! مولا کریم سب بہتر کرے گا ...... سب ٹھیک ہو جائے گا سائیں ...... بس آپ دل چھوٹا نہ کرو ...... آپ کی ہر معاملے میں نیت صاف اور سچی ہے اور اسے آپ انسانیت کی بھلائی کے لئے ہی آزمانا چاہتے ہو تو اللہ سائیں بھی آپ کی مدد ضرور کرے گا۔'' جاڑو خان نے بڑے معصومانہ لہجے میں کہا۔ میں اس کی بات سن کر خاصا حوصلہ محسوس کرنے لگا تاہم میں چند ثانیے کے بعد قدرے پرسوچ لہجے میں بولا۔ ''جاڑو خان ......! ویسے حیرت ہی کی بات ہے، ان گمنام ڈھاٹے پوشوں کو اس قدر یقین کس طرح ہوا کہ وہ نقشہ ہمارے قبضے میں ہے؟''

''سائیں مٹھا……! سیدھی سی بات ہے۔'' جاڑو خان نے اپنے مخصوص لہجے میں جواب دیا۔''ان لوگوں کا تعلق دادن شاہ اور محمد بچل سے ہو گا اور بچل کو اسی رات پختہ یقین ہو گیا تھا جب وہ پیروں کے نشان تلاش کرتا ہوا ہمارے ریسٹ ہاؤس آیا تھا مگر سائیں! اگر یہ بات سچ ہے تو پھر بڑا مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔''

''تم درست کہتے ہو جاڑو خان……! دادن شاہ کے آدمی ہمیں اسی طرح تنگ کرتے رہیں گے …… میرا خیال ہے ہمیں دادن شاہ سے اس سلسلے میں بات کرنی پڑے گی۔'' میں نے کہا۔

جاڑو خان قدرے حیرت سے میری جانب تکتے ہوئے بولا۔''سائیں! بھلا دادن شاہ سے کیا کہیں گے؟''

''میں اس سے صاف اور دوٹوک انداز میں بات کروں گا اور اسے بتا دوں گا کہ میں نے تمہارے آدمیوں کو پہچان لیا ہے۔''

''سائیں مٹھا……! اس کا کیا فائدہ ہو گا، اس سے تو اچھا ہے ہم دادن شاہ وغیرہ کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کروا دیں۔'' جاڑو خان نے کہا تو میں معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔''نہیں جاڑو خان! میں اس پہلو پر بھی غور کر چکا ہوں …… دادن شاہ سے صاف صاف بات کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہو گا کہ اس کے دماغ سے یہ خناس نکل جائے کہ ہم اس کے آدمیوں کو پہچان نہیں پائے ہیں۔'' میں نے صراحت سے جاڑو خان کو سمجھایا تو وہ اپنے سر کو دھیرے دھیرے اثباتی انداز میں جنبش دینے لگا تو میں فوراً موضوع اور پہلو بدلتے ہوئے بولا۔''میرا خیال ہے ہمیں ابھی پہلے سردار موریو خان کے گوٹھ چلنا چاہئے۔'' یہ کہتے ہوئے میں اٹھ کھڑا ہوا ساتھ ہی جاڑو خان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

اسی لمحے ایک ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ باہر میرا بھائی اور ماموں آئے ہیں اور اس نے ان دونوں کو گیسٹ روم میں بٹھا دیا ہے …… یار محمد اور صوبو خان کی آمد پر میرا ذہن ذرا ٹھٹکا پھر میں اور جاڑو خان بھی گیسٹ روم میں آ گئے۔

رسمی کلمات کے بعد یار محمد بولا۔''محمد بچل کو تم جانتے ہو……؟''

''ہاں……'' میں نے مختصراً جواب دیا اور بغور اس کا چہرہ تکنے لگا۔

''وہ آپ کے پاس آیا تھا؟'' وہ عجیب لہجے میں مجھ سے مستفسر ہوا تو میں اس کی بات پر ذرا چونکا اور حیران ہو کر سوچنے لگا کہ اسے کس طرح معلوم ہوا مگر میں اسے بچل کی آمد کے بارے میں بتانا نہیں چاہتا تھا لہٰذا مبہم سے لہجے میں بولا۔

''شاید آیا تھا……مگر میں نہیں تھا۔''

''پھر آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟'' وہ میری جانب چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا تو میں قدرے سپاٹ لہجے میں بولا۔''میں دادن شاہ کے ہاں ایک کام کے سلسلے میں گیا تھا، وہیں اس سے ملاقات ہوئی تھی مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟'' میں سوالیہ انداز میں بولا تو پہلی مرتبہ اس کے قریب بیٹھے ہوئے صوبو خان نے قدرے مکاری سے یار محمد سے کہا۔''اڑے بابا یارو! اپڑیں وڈے ادا سے سیدھی بات کرلو…… اچھا میں بولتا ہوں۔'' یہ کہہ کر صوبو خان مجھ سے مخاطب ہوا۔

''دیکھو بابا فیضو……!''

''ماما! مجھے پورے نام سے مخاطب کرو۔'' میں نے سرد لہجے میں اس کی بات کاٹ کر کہا تو اس کے چہرے پر عجیب سناٹے دار تاثر ابھرے پھر جیسے کچھ ضبط کرنے والے انداز میں ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔''اچھا …… اچھا …… دیکھو بابا فیض محمد صاحب! ہمارا دادن شاہ سے کچھ ذاتی قسم کا جھگڑا ہو گیا ہے مگر گڑتی (پریشانی) کی کوئی بات نہیں …… ہم آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ دادن شاہ یا اس کے آدمی محمد بچل نے آپ سے کوئی خاص قسم کی بات پوچھی تھی؟''

''کیسی خاص بات …… میں سمجھا نہیں……'' میں اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ اس نے ایک نگاہ یار محمد پر ڈالی پھر ذرا گہرے لہجے میں بولا۔''اس کے ایک خاص ماڑوں (آدمی) کو کسی نے کچھ روز پہلے اسی جنگل میں آپ کے اس سرکاری بنگلے کے قریب قتل کر دیا تھا……میرا مطلب ہے شاید اس سلسلے میں اس نے آپ سے کوئی بات پوچھی ہو۔''

مجھے اس کی بات سن کر قدرے اچنبھا ہوا، مجھے حیرت تھی کہ انہیں اس حد تک کیسے معلوم تھا کہ بچل میرے پاس آیا تھا نیز یہ کہ اس نے اپنے کسی آدمی کے قتل کے بارے میں مجھ سے استفسار کیا تھا کیونکہ میرے خیال کے مطابق بچل یا دادن

شاہ نے ان دونوں سے ہی یہ بات چھپائی ہو گی کہ انہوں نے کادو جکھرانی کی لاش کو ڈھونڈ لیا تھا، مجھے یاد آیا جب اس رات بجل، یار محمد اور صوبو خان کے ساتھ مل کر کادو جکھرانی کی لاش تلاش کرنے کے لئے جنگل میں کھدائی کر رہا تھا تو اس دوران بجل نے لاش دیکھ لی تھی مگر اس نے یار محمد اور صوبو خان سے یہ بات پوشیدہ رکھی تھی اور پھر جب صوبو خان اور یار محمد وہاں سے چلے گئے تھے تو بجل نے دوبارہ اسی مقام کی کھدائی کر کے کادو جکھرانی کی لاش نکال لی تھی لہٰذا میں یہ جانتا تھا کہ اس وقت یہ دونوں مجھ سے درحقیقت کادو جکھرانی کی لاش کے سلسلے میں ہی پوچھنے آئے تھے مگر یہاں پھر وہی الجھن آڑے آ رہی تھی کہ ان دونوں کو کیسے اس بات کا شک ہوا تھا کہ بجل میرے پاس اسی سلسلے میں آیا تھا...... مجھے سوچ میں غلطاں دیکھ کر یار محمد بھانپتی ہوئی نظروں سے بولا۔ ''کیوں ادا سائیں! کچھ یاد آیا، ہم آپ سے کیا پوچھنا چاہ رہے ہیں؟'' اس کا لہجہ خاصا ذومعنی تھا۔

میں چونکا اور پھر اچانک میرے دماغ میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا اور میں نے سوچا کہ ضرور اس پراسرار معاملے میں دادن شاہ اور بجل کے ساتھ ان کی ٹھن گئی ہے لہٰذا یہ بہتر موقع تھا کہ ان دونوں کو آپس میں الجھا دیا جائے، تب میں ایک گہری ہنکاری بھرتے ہوئے بولا۔ ''محمد بجل میرے پاس آیا تھا اور بعد میں میری اس کی ملاقات بھی ہوئی تھی اور وہ مجھ سے کسی کادو جکھرانی کی لاش کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کر رہا تھا...... اس سلسلے میں اس کا کہنا تھا کہ اس کے ساتھی کادو جکھرانی کو کسی نے قتل کر کے اس جنگل میں کہیں گاڑ دیا تھا اور اس کی لاش بعد میں اس نے ڈھونڈ نکالی تھی پھر جب وہ کادو جکھرانی کی لاش کو تلاش کر کے اسے کہیں لے جانا چاہتا تھا تو اچانک اس رات اس پر گمنام حملہ آوروں نے حملہ کر کے وہ لاش اس سے چھین لی تھی اور بجل کو بے سدھ کر کے جنگل میں چھوڑ دیا تھا پھر نجانے کس طرح بجل کو ہوش آیا اور وہ ان گمنام حملہ آوروں کے پاؤں کے نشانات کے ذریعے میرے بنگلے تک آیا تھا، اس سلسلے میں اس کا کہنا تھا کہ ان نامعلوم حملہ آوروں نے یہاں آ کر پناہ لی تھی جبکہ مجھے اس سلسلے میں کسی بات کا علم ہی نہ تھا۔ اب وہ بضد ہے کہ میں ان حملہ آوروں کو جانتا ہوں۔'' میں نے بالآخر کچھ جھوٹ

اور سچ بتاتے ہوئے کہا۔ اگرچہ اس بات میں یہ بھی اندیشہ تھا کہ اب دادن شاہ یا محمد بجل کی طرح یہ دونوں پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ سکتے ہیں لیکن میں جانتا تھا کہ اس بات کا امکان کم ہی تھا کیونکہ یہ دونوں شاطر بخوبی اس بات کا اندازہ لگا سکتے تھے، اگر یہ بات جھوٹ ہوتی تو میں انہیں اتنی تفصیل کے ساتھ یہ نہ بتاتا۔

چالاک صوبو خان نے میری ساری بات سننے کے بعد برماتی ہوئی نظروں سے پوچھا۔ ''ویسے کیا تم جانتے ہو کہ محمد بجل پر حملہ کرنے والے نامعلوم افراد نے تمہارے اس سرکاری بنگلے میں پناہ لی تھی؟''

میں اس کی بات سن کر قدرے درشت لہجے میں بولا۔ ''مجھے بھلا کیا پتہ کہ یہ کیا چکر ہے اور نا ہی مجھے کوئی دلچسپی ہے ان فضول جھگڑوں سے...... اگر وہ حملہ آور یہاں پناہ لینے آتے تو میں ضرور ان کے بارے میں بتاتا۔''

میری بات سن کر وہ دونوں معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے یونہی رسمی ان سے کچھ کھانے پینے کا پوچھا لیکن وہ دونوں شکریہ ادا کرتے ہوئے خاموشی سے چلے گئے۔

''سائیں مٹھا...... لگتا ہے اب دمادم مست قلندر ہونے والا ہے۔'' ان دونوں کے جاتے ہی جاڑو خان نے اپنے مخصوص لہجے میں تبصرہ کیا اور میرے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ آ گئی۔ مجھے اندازہ ہو چلا تھا کہ عنقریب کسی پراسرار ڈرامے سے پردہ اٹھنے والا ہے...... ایسا ڈرامہ جس کا ایک کردار میں بھی بن چکا تھا پھر اس کے بعد میں اور جاڑو خان جیپ میں سوار ہو کر سردار موریو خان کی طرف روانہ ہو گئے۔

◆❀◆

سردار موریو خان کی اوطاق کے سامنے پہنچ کر میں نے جیپ روک دی...... میرے دل و دماغ میں اس وقت اندیشوں کے سانپ کلبلا رہے تھے...... میں اس وقت نوری کے سلسلے میں سردار سے حتمی اور آخری بات کرنے آیا تھا لیکن ساتھ ہی میرا ذہن اس پریشان کن الجھن میں مبتلا تھا کہ کیا سردار کو سائیں داد کے منظر عام پر آ جانے کا علم تھا، اگر تھا تو اب اس کا میرے اور نوری کے بارے میں کیا ارادہ ہو

سکتا ہے۔

بہرطور میں اور جاڑو خان جیپ سے نیچے اتر آئے ...... حسب معمول اوطاق کے باہر ہی وسیع احاطے میں ایک چارپائی اور اس کے قریب ہی اونچے اور چوڑے پشتے والا مونڈھا رکھا ہوا تھا، باقی سامنے دورویہ قطاروں میں پندرہ بیس کرسیاں رکھی ہوئی تھیں جن پر کچھ لوگ براجمان تھے ...... سردار موریو خان اس وقت وہاں موجود نہ تھا البتہ اس کے کچھ مصاحب خاص اور چاکر وغیرہ موجود تھے، ان سے ہمیں معلوم ہوا کہ سردار موریو خان ایک قریب ہی گوٹھ میں کسی راجواڑیں فیصلے کے لئے گیا ہوا ہے، وہاں کچھ سرکاری آفیسر وغیرہ مدعو تھے جن کا تعلق مقامی انتظامیہ اور یونین کونسل سے تھا لہٰذا سردار کی آمد گھنٹے دو گھنٹے سے پہلے متوقع نہ تھی۔

میں نے سوچا کہ کیوں نہ اپنی حد کی چوکیوں کا دورہ کرلوں ...... یہ سوچ کر میں اور جاڑو خان دوبارہ جیپ میں سوار ہو گئے پھر جب ایک دو چوکیوں سے دورہ کر کے واپس ہم سردار موریو خان کی اوطاق میں لوٹے تو پتہ چلا کہ سردار موریو خان ہنوز نہیں پہنچا، ہم مزید ایک گھنٹہ وہاں سردار کا انتظار کرتے رہے پھر ناچار وہاں سے واپس ہوئے۔

میرے دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی، میں آج ہرصورت سردار سے ملنا چاہتا تھا، سردار سے ملے بغیر میرے دل کو قرار نہیں آ سکتا تھا، میں واپس سردار سے ملے بغیر ریسٹ ہاؤس بھی نہیں لوٹنا چاہتا تھا پھر میرے جی میں جانے کیا سمائی کہ میں سیدھا دادن شاہ کی لکڑی کی ٹال کی طرف روانہ ہو گیا ...... اگرچہ میں جانتا تھا کہ وہاں ہمارا جانا خطرے سے خالی نہ تھا لیکن دادن شاہ سے بھی ملنا ضروری تھا ...... مجھے اس بات کی بھی درحقیقت کھد بد لگی ہوئی تھی کہ سوڈھل اور رحیم بخش نے اپنے ساتھی کادو جکھرانی کی موت کا معمہ آخر کس حد تک حل کیا تھا، اس کا پتہ چلانا بھی ضروری تھا لہٰذا پختہ سڑک کراس کر کے میں نے جیپ ایک کچے راستے پر اتار لی پھر ایک پلیا پر سے گزار کر جیپ ایک نشیبی راستے پر ہولی، جیپ ہچکولے کھاتی ہوئی کچے اور ناہموار راستے پر دوڑی چلی جا رہی تھی۔

معاً جاڑو خان نے مجھ سے پوچھا۔ ''سائیں مٹھا......! پتہ ہے سردار موریو

خان نے ہم پر اس دن حملہ کرنے والوں کے بارے میں کیا فیصلہ دیا ہوگا جس کے بارے میں اسے بھی شک تھا کہ وہ حملہ وڈیرے آچر خان کے آدمیوں نے ہی کروایا تھا۔''

میں نظریں ونڈ اسکرین پر جمائے جمائے بولا۔ ''یہ تو سردار سے مل کر ہی پتہ چلے گا ...... تم کیا سمجھے کہ میں اس بات کو بھول گیا ہوں؟''

میں نے کسی خیال کے تحت مسکرا کر جاڑو خان سے کہا تو وہ ایک جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ صاف گوئی سے بولا۔ ''معاف کرنا سائیں! دراصل آپ نوری کے معاملے میں اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ میں سمجھا تھا کہ آپ نے یہ بات فراموش کر دی ہوگی۔''

''نہیں جاڑو خان ...... اگر ہم نے یہ بات فراموش کر دی تو وڈیرا آچر خان کا دل اور بڑھ جائے گا ...... وہ یا جس کسی نے بھی ہم پر حملہ کروایا تھا، وہ یہی سمجھے گا کہ ہم ڈر گئے ہیں۔'' میں نے مضبوط اور اٹل لہجے میں کہا تو جاڑو خان اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''بالکل یہی بات میرے دماغ میں بھی تھی سائیں مٹھا......! ہمارے خاموش ہو جانے سے ہمارے دشمنوں کے دل بڑھ سکتے ہیں، میرا خیال ہے سوڈھل اور رحیم بخش بھی اپنے ساتھی کی موت کا بدلہ وڈیرے آچر خان سے ضرور لے کر رہیں گے۔''

''موت کا بدلہ لے کر کیا ملے گا نہیں ...... اگر وڈیرے آچر خان پر یہ ثابت ہو بھی گیا تو جرگے کے فیصلے کی رو سے سوڈھل کے مقتول ساتھی کے وارثوں کو ہرجانہ ادا کر دیا جائے گا۔'' میں نے کہا۔ ''اصل معمہ تو سوڈھل کے ساتھی کادو جکھرانی کی موت کا ہے جس کے پس منظر میں مجھے کوئی گہری اور پراسرار سازش کے بے نقاب ہونے کا امکان نظر آتا ہے۔'' میری بات سن کر جاڑو خان دھیرے دھیرے اپنے سر کو تفہیمی جنبش دینے لگا۔ اسی دوران ہم دادن کے ٹال پر پہنچ گئے جہاں ایک ٹرک پر بڑے بڑے کٹے ہوئے شہتیر لادے جا رہے تھے، کچھ مزدور بھی وہاں موجود تھے۔

دادن شاہ اپنی ٹال کے اندر وسیع احاطے پر بنے ایک ہال نما کمرے میں

موجود تھا جدھر آرا مشینیں نصب تھیں، میں پہلے بھی یہاں آ چکا تھا اور بچل سے میری پہلی ملاقات ادھر ہی ہوئی تھی۔

مجھے دیکھ کر دادن شاہ کے بھاری بھرکم چہرے پر حیرت اور پھر عجیب قسم کی سناٹے دار خاموشی کھنڈ آئی۔ بہرطور اس نے ہمارا دوستانہ انداز میں استقبال کیا اور آنے کی غایت دریافت کی تو میں نے فوراً اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں گاڑتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ محمد بچل آپ کا ہی آدمی ہے؟''

وہ میری بات سن کر اپنی آنکھیں سکیڑ کر بولا۔ ''ہاں...... وہ میرا مینیجر ہے...... کیوں خیر تو ہے ناں......!''

''میں نے آپ سے اس کی ایک شکایت کرنی تھی مگر وقت نہیں مل رہا تھا۔''

''کیسی شکایت......!'' وہ بولا۔ ''کچھ روز پہلے وہ صبح ہی صبح میری نیند خراب کرنے آ دھمکا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ایک رات اس پر کچھ نامعلوم افراد نے حملہ کیا تھا...... اس کا خیال تھا کہ بلکہ وہ اس بات پر بضد تھا کہ اس پر حملہ کرنے والے نامعلوم افراد کو میں نے اپنے بنگلے میں پناہ دے رکھی ہے۔''

''ہوں......'' دادن شاہ نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے معلوم ہے...... دراصل بچل کا بھی خیال غلط نہیں تھا، وہ ان نامعلوم حملہ آوروں کے ''پاؤں'' کے نشانات کے ذریعے تمہارے سرکاری بنگلے تک پہنچا تھا۔''

میں نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔ ''ہوسکتا ہے اس پر حملہ کرنے والے افراد نے اس رات میرے ہاں چھپ کر پناہ لی ہو اور صبح ہوتے ہی وہاں سے نکل گئے ہوں مگر مجھے ان کے بارے میں علم نہ تھا۔''

میری بات سن کر دادن کے چہرے پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ عود کر آئی، وہ گہری نظروں سے میرے چہرے کی طرف تکتے ہوئے بولا۔ ''بگھیو صاحب......! وہ حملہ آور جو کوئی بھی تھے، وہ بہرحال محمد بچل کو بے ہوش کر کے اپنا مقصد حاصل کر چکے تھے...... بقول آپ کے انہوں نے رات کے کسی پہر چھپ کر آپ کے بنگلے میں پناہ لی اور صبح اپنے اصل ٹھکانے کی طرف نکل گئے تو یہ کام وہ لوگ بڑے آرام وسکون کے ساتھ اس رات بھی کر سکتے تھے، انہیں بھلا چند گھنٹوں کے لئے آپ کے

بنگلے میں وقت گزارنے کی کیا ضرورت تھی۔'' اتنا کہہ کر وہ اپنی بات کا ردعمل دیکھنے کی کوشش کرتا رہا پھر بولا۔ ''بگھیو صاحب......! معاف کرنا، ان حملہ آوروں کا پہلا اور اصل ٹھکانہ آپ کا بنگلہ ہی تھا۔''

''کیا مطلب......؟'' میں خاصا برہم ہو کر بولا۔

''میں ان کا تعلق سیدھے سیدھے آپ سے تو نہیں جوڑ سکتا...... ہوسکتا ہے یہ آپ ہی کے کسی آدمی کی کارروائی ہو۔''

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے...... اس طرح تو میں بھی تم پر یہ الزام لگا سکتا ہوں کہ گزشتہ رات کچھ نامعلوم افراد نے مجھ سے کچھ اگلوانے کے لئے مجھے زدوکوب کیا...... وہ بھی تمہارے آدمی ہو سکتے تھے کیونکہ ابھی تک یہ خفیہ بات صرف میرے اور تمہارے مینیجر محمد بچل تک ہی محدود تھی۔'' میرے مدلل جواب نے اسے کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا اور اب اس کے چہرے پر اضطراب سا نظر آنے لگا تھا، میں مزید بولا۔

''میں اگر چاہتا تو سدھیا پولیس تانے جا کر محمد بچل کے خلاف پرچہ کٹوا سکتا تھا مگر میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ میں بلاوجہ ایسے وضول چکروں میں پڑنے کا عادی نہیں ہوں جس کا سرے سے میرے ساتھ تعلق ہی نا ہو لیکن میں نے محض اسی لئے چپ سادھ لی تھی کہ وہ آپ کا خاص ماڑوں (آدمی) تھا۔''

میری بات دادن شاہ نے بڑے غور سے سنی...... کچھ لمحے اس کا چہرہ سپاٹ رہا...... پھر یکدم خوش اخلاقی سے بولا۔ ''شاڑے بابا بگھیو صاحب! اگر یہ بات ہے تو مٹی ڈالو تم اس بات پر...... بولو کیا کھاؤ گے پیؤ گے۔''

میرا مقصد پورا ہو چکا تھا، میں اسے خبردار کرنا چاہتا تھا کہ وہ مجھے بالکل سویا ہوا اور بے وقوف انسان نہ سمجھے...... وہ اب یقیناً ڈر گیا تھا یا ایک طرح سے محتاط ہو گیا تھا کہ مجھے اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اس رات مجھے زدوکوب کرنے والے لوگوں کا تعلق دادن شاہ یا محمد بچل سے ہی تھا لہٰذا اگر دوبارہ انہوں نے میرے ساتھ یہ حرکت کی تو میں ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر ان کے خلاف پرچہ کٹوا سکتا تھا۔

میں اس سے ہاتھ ملا کر رخصت ہونے لگا تو اچانک باہر کچھ لوگوں کا شور سنائی دیا...... ہم لوگ سب ہڑبڑا کر ہال نما کمرے سے باہر نکلے تو سامنے نگاہ پڑتے

ہی بری طرح ٹھٹک گئے۔

کچھ لوگ ایک کھری چارپائی پر کسی کی خون میں لت پت لاش ڈالے ٹال کے دیوہیکل دروازے سے اندر داخل ہو رہے تھے...... وہ لوگ شاید دادن شاہ کے ہی آدمی تھے، ان کے چہرے مغموم اور غم وغصے سے سرخ ہو رہے تھے۔

میں اور جاڑو خان پھٹی پھٹی آنکھوں سے منظر دیکھ رہے تھے...... دادن شاہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا...... وہ لوگ چارپائی کو اٹھائے قریب آئے اور دادن شاہ کے آگے رکھ کر دہائی دیتے ہوئے پرسوز لہجے میں بولے۔ ''شاہ سائیں! قہر تھی ویو (غضب ہوگیا) اڑیں...... محمد بچل کو کسی نے بڑی بے دردی سے قتل کر دیا۔''

اس کا یہ بتانا تھا کہ دادن شاہ کو ایک جھٹکا لگا...... خود میں اور جاڑو خان یہ سن کر اپنی جگہ پر سن ہو کر رہ گئے تھے۔

دادن شاہ میکانیکی انداز میں آگے بڑھا...... ہماری نظریں بھی چارپائی پر پڑی محمد بچل کی خون میں نہائی ہوئی لاش پر جم کر رہ گئی تھیں۔

اسے بڑی بے دردی سے گولیوں کا نشانہ بنایا گیا تھا...... دادن شاہ نے اپنا بھاری بھرکم ہاتھ ابدی نیند میں غرق محمد بچل کے خون آلود چہرے پر گھمایا، اس کے چہرے پر قہرناک سا سناٹا چھایا رہا اور آنکھوں سے آتش انتقام کے شرارے پھوٹنے لگے...... جب وہ بولا تو اس کی آواز حد درجے خونخوار تھی...... وہ اپنے قریب کھڑے ساتھیوں کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جس کسی نے بھی میرے بچل کو گولیوں کا کھاج (نشانہ) بنایا ہے۔ جب تک میں اس کے پورے کٹنب (خاندان) کو خون میں نہ نہلا دوں، مجھ پر سکھ حرام ہے...... یہ پلاند (بدلہ) میری زندگی کا مقصد ہے اب۔'' اس کے لب و لہجے پر مجھے جھرجھری سی آگئی، وسوسے مجھے بے چین سے کرنے لگے۔ اس وقت دادن شاہ نے اپنے آدمیوں سے لاش واپس لے جانے کو کہا...... عجیب بات تھی دادن شاہ کے قسم اٹھانے کے بعد اس کے ساتھیوں کے چہروں پر ایک وحشت انگیز بشاشت لوٹ آئی تھی۔

''بھیو صاحب......!'' ٹھیک اسی وقت دادن شاہ نے عجیب سناٹے دار لہجے میں مجھے مخاطب کیا...... میں نے اس کی جانب قدرے چونک کر دیکھا...... اس کے

چہرے پر عجیب قسم کے گھمبیر تاثرات تھے اور اسی دوران اس نے اپنی قمیض کے اندر کمر کے گرد بندھے ہوئے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا...... اگلے ہی لمحے مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں لاتعداد چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

دادن شاہ اپنا ریوالور میرے سامنے لہراتے ہوئے گھمبیر لہجے میں مجھ سے بولا۔ ''بگھیو صاحب......! اگر تمہارا آدمی محمد بجل کے قتل میں ملوث ہوا تو میری قسم کی ابتداء سب سے پہلے تم سے شروع ہوگی۔''

اس کی آنکھوں میں انتقام کی آگ روشن تھی ...... مجھے اس کا لہجہ انتہائی ناگوار گزرا لہٰذا میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''دادن شاہ......! مجھے تمہارے ساتھی کی موت کا دلی افسوس ہے لیکن اپنے دل سے یہ غلط فہمی کھرچ ڈالو کہ اس میں میرے کسی آدمی کا ہاتھ ہے۔''

میں نے اتنا کہا اور جاڑو خان کے ساتھ آ کر اپنی جیپ میں آ بیٹھا...... مجھے دادن شاہ کے رویے نے بری طرح تلملا کر رکھ دیا تھا...... وہ اس وقت شدید غم و غصے سے دوچار تھا اس لئے میں نے اس سے زیادہ بات کرنا مناسب نہیں سمجھی لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ میں اس سے ڈر گیا تھا، دوٹوک لہجے میں میں نے اسے یہ باور کرا دیا تھا کہ ہم بھی اس کی بات کا جواب دینا جانتے ہیں...... بہرطور محمد بجل کی اچانک موت اور وہ بھی اتنی بے دردی سے قاتلانہ موت پر اچنبھا ضرور ہو رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ آخر یہ کس کا کام ہوسکتا ہے...... کیا سوڈھل اور رحیم بخش نے اپنے ساتھی کادو جکھرانی کی موت کا اس سے بدلہ لیا تھا...... جاڑو خان کا بھی یہی خیال تھا کہ محمد بجل کے اس قتل میں سوڈھل اور رحیم بخش کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔

''تمہارا کیا خیال ہے سوڈھل کے یہاں چلنا چاہئے؟'' میں نے جاڑو خان سے پوچھا تو وہ پرسوچ لہجے میں بولا۔ ''میرا تو خیال ہے فی الحال ہمیں ان دونوں سے دور ہی رہنا چاہئے...... ایسا نہ ہو دادن شاہ کو خواہ مخواہ ہم پر شک ہونے لگے کیونکہ دادن شاہ کو یقین ہوگا کہ اس کے آدمی کے قتل میں سوڈھل کا ہی ہاتھ ہوسکتا

ہے۔''

''یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو جاڑو خان......!'' میں اس کی بات کو رد کرتے ہوئے بولا۔ ''دادن شاہ کو سوڈھل اور رحیم بخش کے بارے میں اتنا علم نہ ہوگا اور دوسری بات یہ کہ دادن کو ہم پر بھی شک ہے، اس بات کو اب ہمیں ذہن میں رکھنا ہوگا۔''

میری بات سن کر جاڑو خان چپ ہو رہا ہر چند ثانیے توقف کے بعد اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے سائیں مٹھا......! ہمیں فی الحال اس معاملے سے کچھ عرصے کے لئے دور رہنا چاہئے بلکہ میں تو کہتا ہوں ان لوگوں سے بھی ملنے جلنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، ہمارے پاس نقشہ ہے، ہم اپنے طور پر کبھی کینجھر جا کر یہ معمہ خود ہی حل کرنے کی کوشش کریں گے۔'' میں نے جاڑو خان کی بات سنی اور بولا۔ ''جاڑو خان......! پھر بھی ہمیں یہ تو معلوم ہونا چاہئے کہ آخر کادو جکھرانی کو ہلاک کرنے والے کون لوگ تھے اور یہ بھی پتہ چلے کہ کادو جکھرانی کی لاش کے پیٹ میں وہ نقشہ کس نے رکھا تھا۔'' میں نے اپنے فطری تجسس پسندی کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہا تو جاڑو خان میری طرف ایک لمحے کو اپنی گردن موڑ کر دیکھنے کے بعد ہولے سے مسکرا کر خاموش ہو رہا اور میں نے اپنی توجہ جیپ چلانے پر مرکوز کر دی۔

اس وقت دوپہر کے تین بج رہے تھے ...... ناشتہ میں نے آج صبح کچھ دیر سے اور ذرا بھاری کیا تھا اس لئے بھوک کچھ اتنی زیادہ نہیں لگ رہی تھی ...... اب ہمارا ارادہ بہرصورت سردار موریو خان سے ملنے کا تھا۔

ہم حویلی پہنچ گئے، سردار اس وقت اپنی حویلی میں موجود تھا ...... ہم حسب معمول اوطاق کے باہر مونڈھوں پر بیٹھ گئے ...... ذرا دیر بعد سردار بڑی سی اجرک کاندھوں پر ڈالے آ گیا...... میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا...... میں نے اس سے ہاتھ ملایا...... اس کے چہرے پر غیر معمولی طور پر سپاٹ اور سرد خاموشی طاری تھی، رسمی گفتگو کے بعد میں نے اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''سائیں! میں نے آپ کے حکم کے مطابق نوری کے باپ موگو سے ملاقات کی تھی ...... اسے شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور وہ اس بات پر بھی مطمئن ہے کہ اس کی بیٹی اب آپ کی

پناہ میں ہے۔'' میں چند ثانیے رکا...... سردار موریو خان نے ہولے سے ایک گہری ہنکاری بھری تو میں نے کہا۔''سائیں......! اب آپ کا کیا خیال ہے...... میں کب بارات لے کر آجاؤں......؟''

میری بات سن کر سردار کے چہرے پر چند لمحے گہری خاموشی طاری رہی...... میرے سینے میں عجیب دھکڑ پکڑ جاری تھی۔

پھر سردار بولا۔ دیکھو بابا بگھیو صاحب! اب پہلے والی بات نہیں رہی ہے۔''

وہ رکا اور میرا دل یکبارگی زور سے دھڑکا۔''تمہیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ نوری کو اس کے بھائی نے جس چھوکرے کے ساتھ ''کاری'' کیا تھا، وہ ایک لمبی روپوشی کے بعد اب ظاہر ہوگیا ہے......ایک دو روز پہلے ہی وہ چھوکرا آچر خان کے ساتھ یہاں آیا تھا۔'' اتنا کہہ کر سردار موریو ذرا تھما اور میری امیدوں پر اوس پڑنے لگی، وہ پھر بولنا شروع ہوا۔

''وہ چھوکرا، کیا نام تھا...... ہاں...... سائیں داد......! اس نے فریاد ڈالتے ہوئے عرضی (درخواست) دی تھی کہ نوری کے وارثوں کو سائیں داد کے وارثوں نے جرمانہ بھر دیا ہے......اب اصولی طور پر وہ نوری سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

سردار ذرا رکا تو میں یکدم بولا۔''سائیں! یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے......! سب لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ نوری، سائیں داد کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکتی...... ایسی لڑکیوں کے ساتھ بعد میں کیا حشر ہوتا ہے، یہ آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں ...... سائیں داد محض انتقامی کارروائی کے طور پر نوری سے شادی کرنا چاہتا ہے...... وہ اس بے چاری معصوم کی زندگی جہنم بنا دے گا اور سائیں...... سائیں داد کا تو اب نوری سے نکاح کرنے کا تو حق بھی نہیں بنتا کیونکہ وہ تو پہلے راجواڑیں فیصلے میں حاضر نہیں ہوا تھا اور روپوش تھا۔''

میں رکا تو سردار بولا۔''وہ تو سب ٹھیک ہے بابا...... مگر اپنی روپوشی کا وہ یہ عذر بتاتا ہے کہ اسے کچھ دھاڑیل (ڈاکو) اٹھا کر لے گئے تھے۔''

''وہ جھوٹ بولتا ہے سائیں! اور یہ ساری شرارت آچر خان کی ہے، سائیں داد کو آج بھی اپنی جان کا خوف ہوگا مگر آچر خان کی شہہ پر وہ سامنے آیا ہے۔''

میں نے یکدم کہا تو سردار موریو خان ایک گہری سانس کھینچ کر بولا۔''بگھیو صاحب......! بابا میرا خیال ہے آپ کو ابھی ذرا انتظار کرنا ہوگا...... باقی نوری کی طرف سے آپ بالکل گڑتی نہ کرو...... وہ خوش ہے...... میں کچھ روز بعد اس سلسلے میں راجواڑیں جرگہ بٹھاؤں گا...... ویسے مجھے یقین ہے فیصلہ تمہارے حق میں ہوگا۔''

سردار رکا تو میں نے کہا۔''سائیں......! مگر نوری تو کسی طور بھی سائیں داد سے شادی پر راضی نہ ہوگی۔''

''ہالا بابا ہالا...... تو ٹھیک ہے نا پھر...... اس کا انکار ہی تمہاری جیت بنے گا۔'' سردار نے کہا پھر قدرے پہلو بدلتے ہوئے بولا۔''ہاں بابا! آپ کیا پیو گے...... چاں پاڑیں (چائے، پانی) کا بندوبست کرواؤں، آپ کے لئے؟'' سردار کی بات سن کر میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اب اس بارے میں مزید کچھ کہنے کا ارادہ نہیں رکھتا لہٰذا میں نے بھی مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا اور سردار کا شکریہ ادا کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک طرح کی مایوسی نے میرا دل و دماغ جکڑ لیا تھا...... میں جیپ میں آ بیٹھا پھر جاڑو خان کے سوار ہوتے ہی میں نے بے دلی کے ساتھ جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

''وہی ہوا ناں جاڑو خان! جس کا مجھے ڈر تھا۔'' میں نے جاڑو خان سے ہولے سے کہا تو وہ جیسے میرے لہجے کی مایوسی بھانپ کر بولا۔''سائیں مٹھا......! تھوڑا ماٹھ (صبر) کرنا پڑے گا آپ کو...... جب میاں، بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی......'' اس نے مجھے حوصلہ دیتے ہوئے کہا تو میں ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔''جاڑو خان......! یہ گوٹھ ہے، یہاں پر یہ شہری کہاوت نہیں چلتی...... یہاں فیصلوں کو مسلط کیا جاتا ہے...... بھلے کوئی زندہ درگور ہو جائے، ان کی بلا سے......'' میری اس سفاک دلیل کے آگے جاڑو خان کچھ نہ کہہ سکا اور ایک گہری ہنکاری بھر کر چپ ہو رہا۔

سہ پہر کا وقت ہو چلا تھا ہم اپنے گوٹھ کی حدود میں داخل ہو چکے تھے ...... اطراف کے جنگل میں سوگواری طاری تھی ...... ہماری جیپ جیسے ہی ریسٹ ہاؤس کے قریب پہنچی تو میں ٹھٹک گیا...... ریسٹ ہاؤس کے قریب ایک پجیرو کھڑی تھی جسے میں فوراً پہچان گیا...... یہ وڈیرے آچر خان کی جیپ تھی۔

میرے ساتھ بیٹھے جاڑو خان نے بھی پجیرو پہچان لی تھی وہ قدرے چونک کر بولا۔ ''سائیں! یہ تو وڈیرے آچر خان کی جیپ معلوم ہوتی ہے۔'' میں نے اثبات میں خاموشی سے سر ہلا دیا اور سوچنے لگا کہ یہ آچر خان یہاں کیوں آیا ہے؟ خیر میں نے جیپ روکی اور نیچے اتر گیا۔

جب میں اور جاڑو خان اندر آئے تو ملازم نے ایک حیران کن اطلاع دی، اس نے مجھے بتایا کہ وڈیرے آچر خان کا بیٹا بابر خان مجھ سے ملنے آیا ہے، وہ اندر گیسٹ روم میں میرا منتظر ہے ...... ہم سیدھے گیسٹ روم چلے گئے۔ بابر خان تنہا وہاں موجود تھا، اس نے پینٹ، شرٹ پہن رکھی تھی، وہ کلین شیو تھا، وہ بڑی شائستگی کے ساتھ مجھ سے ملا، جب میں نے اس سے آنے کا مدعا پوچھا تو وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔''

''ہاں ...... کہئے، میں سن رہا ہوں۔'' میں ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا اور ساتھ ہی اسے بھی بیٹھنے کو کہا۔ وہ میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے بیٹھا پھر قدرے الجھی ہوئی نگاہوں سے جاڑو خان کی طرف دیکھنے لگا ...... میں اس کا مطلب اچھی طرح جان گیا اور میں نے جاڑو خان کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔

جاڑو خان کے جاتے ہی بابر خان نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور گفتگو کی ابتداء کرتے ہوئے بولا۔ ''فیض محمد صاحب ......! سب سے پہلے تو میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میں یہاں آپ سے ملنے وڈیرے آچر خان کے بیٹے کی حیثیت سے نہیں آیا بلکہ ایک مجبور بہن کے بھائی کی حیثیت سے آیا ہوں۔'' وہ اتنا کہہ کر ذرا تھما تو میں اس کی بات سن کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا اور خاموشی سے استفہامیہ طلب نظروں سے اس کی جانب تکنے لگا وہ پھر بولا۔ ''درحقیقت مجھے آپ کی شخصیت نے بڑا متاثر کیا ہے ...... آپ نے جس طرح ایک بے بس اور مجبور لڑکی نوری کی مدد کی ہے، نہ

صرف یہ بلکہ اس سے شادی کے بھی خواہاں ہیں، وہ بلاشبہ آپ کا ایک قابل قدر عمل ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ یہاں کی جاہلانہ رسم ''کارو کاری'' کے سخت مخالف ہیں۔ بہر حال میں مزید اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا کیونکہ میں خود بھی آپ سے ایک اسی قسم کی درخواست کرنے آیا ہوں۔ دراصل ...... مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ رکا تو میں قدرے چونک کر مگر خوش اخلاقی سے بولا۔ ''بابر صاحب! مجھے آپ کی مدد کر کے خوشی ہوگی، ویسے میں آپ کی بات نہیں سمجھا، آپ اب مجھے اپنا دوست ہی سمجھیں اور کھل کر بات کریں۔''

وہ بولا تو اس کے لہجے میں ایک درد سمٹ آیا۔ ''فیض محمد صاحب......! یوں سمجھئے میں آپ کے پاس ایک مجبور بہن کی فریاد لے کر حاضر ہوا ہوں جو خود بھی ایک جاہلانہ رسم کی بھینٹ چڑھ چکی ہے، میں اپنی بہن ماروی کی بات کر رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔

میں حیرت کے ساتھ اس کا چہرہ تکنے لگا اور پھر اسی لہجے میں بولا۔ ''حیرت ہے بابر صاحب! اڈی ماروی تو ایک بڑے آدمی کی بیٹی ہے بھلا اس پر ایسی کون سی مجبوری آ پڑی کہ آپ اپنے بابا سائیں سے یہ بات کہنے کی بجائے مجھ سے مدد کے خواہاں ہیں۔'' میری بات سن کر اس کے چہرے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ طنزیہ انداز میں میری بات دہراتے ہوئے قدرے حقارت سے بولا۔ ''ہونہہ ...... بڑا آدمی ...... میرا باپ اگر اتنا بڑا آدمی ہوتا تو وہ اپنی جوان بیٹی کی زندگی کو جہنم نہ بناتا ...... پہلے میرا خیال تھا کہ ان خود ساختہ رسموں کی بھینٹ کا شکار صرف غریب اور بے بس لوگ بنتے ہیں مگر جب میری معصوم بہن ماروی کا دولت اور جائداد کی خاطر ایک گیارہ سالہ بچے کے ساتھ نکاح کر دیا گیا تو مجھے یہ اندازہ ہوا کہ ان خود ساختہ رسموں کی زنجیروں میں ہم جیسے لوگ بھی جکڑے ہوئے ہیں۔'' وہ اتنا کہہ کر رکا تو میں نے فوراً جیسے تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ ''بابر صاحب......! ان جاہلانہ رسموں کی بھینٹ صرف اور صرف عورتیں ہی چڑھتی ہیں، چاہے وہ کسی غریب ہاری کی جھونپڑی میں رہتی ہوں یا کسی بلند و بالا حویلی کی غلام گردشوں میں ...... عورت بہر حال آج بھی ہمارے سماج میں قدیم ادوار کی طرح زندہ زمین میں دفن

کی جاتی ہے، اگرچہ اس کی ہیئت اب بدل چکی ہے۔'' میں نے کہا اور بابر خان میری طرف متاثر کن نظروں سے تکنے لگا۔

مجھے نوری کی وہ بات اچھی طرح یاد تھی جو اس نے ماروی کے بارے میں کہی تھی ...... جسے وڈیرے آچر خان کے بھائی جمعہ خان کے گیارہ سالہ بیٹے سہراب خان سے بیاہ دیا گیا تھا اور جس کی وجہ سے بے چاری نفسیاتی مریضہ بن کر نیم پاگل ہو چکی تھی اور اس پر آئے دن ہسٹریائی دورے پڑتے تھے جس کا ایک دلدوز منظر میں بھی کچھ عرصے پہلے آچر خان کی حویلی میں دیکھ چکا تھا تاہم مجھے حیرت تھی کہ بابر خان اپنی بہن ماروی کے سلسلے میں مجھ سے کس طرح کی مدد کا خواہاں تھا جبکہ وہ خود اپنے باپ آچر خان کے سامنے اپنی بہن کے سلسلے میں احتجاج یا تفصیلی بات کر سکتا تھا۔

بالآخر میں نے اس سے پوچھ ہی لیا۔ ''بابر صاحب! ویسے یہ حیرت ہی کی بات ہے کہ یہ خالصتاً آپ کا خاندانی معاملہ ہے تو اس سلسلے میں بھلا میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں......؟''

میری بات سن کر بابر کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے گہری خاموشی طاری رہی پھر وہ بولا۔ ''میں یہ معاملہ شہر کی عدالت تک لے جانا چاہتا تھا مگر اس سے اپنے ہی خاندان کی اپنے ہی ہاتھوں جگ ہنسائی ہوتی لہٰذا اب میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں سردار موریو خان کے پاس جا کر عرضی ڈالی جائے ...... میں خود سردار سے ملاقات کروں گا مگر اس کے لئے آپ کو بھی میرا ساتھ دینا ہوگا۔''

اس نے بات ختم کی تو میں اپنی جگہ بھونچکا سا ہو کر رہ گیا۔

ابھی میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ بابر خان دوبارہ بولا۔ ''فیض محمد صاحب......! میں نے شروع ہی سے شہری بود و باش اختیار کر رکھی ہے یا یوں سمجھیں مجھے شروع ہی سے گاؤں کے مقابلے میں شہری زندگی عزیز تھی، یہاں تک کہ میں نے وہیں تعلیم حاصل کی اور پھر لندن چلا گیا اور شادی بھی وہیں کر لی۔ ایک عرصے تک میرے اور میرے باپ کے بیچ ناراضی بھی رہی مگر وقت گزرنے کے ساتھ میں نے انہیں منا لیا۔ اب یہ شاید میری زندگی کا پہلا موقع ہے کہ میں اتنے طویل عرصے

تک اس گاؤں میں مقیم ہوں ورنہ یہاں میں دو تین دنوں سے زیادہ نہیں رہ پاتا لیکن اب جبکہ میں یہاں ہوں تو یہ محض اپنی بہن ماروی کی وجہ سے ہوں ...... مجھے اس سے بہت محبت ہے، اس نے جس طرح رو رو کر مجھ سے اپنا دکھڑا بیان کیا ہے، میں آپ کو لفظوں میں نہیں بتا سکتا۔'' وہ خاموش ہوا۔

مجھے اس کے لہجے میں رقت سی اترتی محسوس ہوئی جسے وہ ضبط کئے ہوئے تھا ...... میں اس کی بات پر ایک عجیب سی الجھن میں مبتلا ہو گیا ...... یہ بات درست تھی کہ مجھے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ آخر بابر خان اپنی دکھیاری بہن کے سلسلے میں مجھے کس نوعیت کی مدد چاہتا تھا تاہم میں اس کی بات مزید سننے کے لئے خاموش ہی رہا، وہ پھر بولا۔ ''بگھیو صاحب......! آپ سے مدد لینے کا مقصد میرا محض یہ ہے کہ مجھے یہاں کی رسموں، رواجوں یا کسی نوع کے جھگڑوں اور پھر راجواڑیں فیصلوں کے بارے میں کچھ پتہ نہیں، اس ضمن میں مَیں اپنے باپ سے تو مدد لینے سے رہا اسی لئے اگر آپ میرے ساتھ ہوں گے تو مجھے ذرا حوصلہ بھی رہے گا...... اب شاید آپ میری بات سمجھ رہے ہوں گے۔'' اس نے اتنا کہتے ہوئے میری جانب امید بھری نظروں سے دیکھا۔ میں اب اس کا اصل مدعا سمجھ چکا تھا لیکن میرے لئے شاید بابر خان کی مدد کرنا ممکن نہ تھا اور وہ بھی ایسے میں جبکہ میں خود بھی نوری کے سلسلے میں الجھا ہوا تھا اور ایک طرح سے موجودہ حالات سے چومکھی لڑ رہا تھا...... آچر خان تو پہلے ہی مجھ پر ادھار کھائے بیٹھا تھا، اب جبکہ اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ بابر خان کے ساتھ مل کر میں اس کے ''ذاتی'' معاملات میں بھی مداخلت کر رہا ہوں تو یقیناً اس کی میرے خلاف چیرہ دستیاں بڑھ جائیں گی۔

بالآخر میں نے ذرا کھنکارتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ''دیکھو بابر صاحب! میں آپ کا مسئلہ یوں تو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں اور آپ کے اس اعتماد کا بھی مشکور ہوں جو آپ نے مجھ پر کیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میں اس معاملے میں شاید آپ کی مدد نہ کر سکوں۔'' میرے انکار نے اس کے خوبرو چہرے پر ناامیدی بکھیر دی تھی، میں اس کے چہرے کے تاثرات بھانپتے ہوئے ذرا وضاحت سے بولا۔ ''بابر صاحب......! مجھے آپ غلط مت سمجھیں، آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں خود

اس وقت نوری کے سلسلے میں پہلے ہی الجھا ہوا ہوں اور اس سلسلے میں مَیں نے سردار موریو خان کا بھی تعاون لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اب نوری کا معاملہ بحسن وخوبی نمٹ جائے گا لیکن میری بدقسمتی رہی کہ اچانک کچھ مشکلات حائل ہوگئیں اور میں جو منزل کے قریب پہنچ چکا تھا، اب خود کو بہت دور سمجھنے لگا ہوں ...... اب آپ ہی بتاؤ کہ ان حالات میں مَیں آپ کی کس طرح مدد کرسکتا ہوں؟''

میری بات سن کر بابر خان یکدم بولا۔ ''کوئی بات نہیں بگھیو صاحب......! میں انتظار کرلوں گا لیکن پھر بھی آپ سے وعدہ ضرور لینا چاہوں گا کہ جیسے ہی آپ کا مسئلہ حل ہوا، آپ میری بھی مدد کریں گے۔ ویسے مجھے امید ہے آپ جلد اپنی دلی مراد پالیں گے۔'' اس نے کہا اور بے اختیار میرے دل سے ''ان شاء اللہ'' ابھرا لیکن ابھی بابر خان سے کوئی وعدہ کرنا نہیں چاہتا تھا جس کے لئے میں نے مزید وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ ''بابر صاحب......! آپ شاید یہ بات نہیں جانتے کہ میرے مسئلے کو مزید الجھانے والے آپ کے بابا سائیں آچر خان ہی ہیں ...... وہ مجھ پر پہلے ہی نوری کے حوالے سے ادھار کھائے بیٹھے ہیں ...... ایسے میں مَیں مزید ان کی مخالفت یا دشمنی کا خطرہ نہیں مول لے سکتا۔ میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آرہا ہے کہ میں آپ کی کس طرح مدد کرسکتا ہوں ...... یہ خالصتاً آپ کا ذاتی اور گھریلو مسئلہ ہے...... میری دخل اندازی سے نہ صرف آچر خان بلکہ آپ کا پورا خاندان میرا دشمن بن سکتا ہے۔''

میں اتنا کہہ کر خاموش ہوا تو بابر خان یکدم مجھے پریشان اور مایوس سا نظر آنے لگا لیکن پھر جانے کیا ہوا کہ مجھے اس پر ترس آنے لگا۔

یہ بھی میری فطرت کا ایک خاصہ تھا کہ میں کسی کو اپنی طرف سے ناامید نہیں ہوتا دیکھ سکتا تھا لہٰذا جب بابر خان مایوس مایوس سا اٹھ کر جانے لگا تو میں نے بے اختیار اس سے دوستانہ لہجے میں کہا۔ ''بابر صاحب......! مایوسی گناہ ہے، آپ کا مقصد اگر نیک ہے تو یقیناً خدا بھی آپ کی مدد ضرور کرے گا۔ میں آپ سے وعدہ تو نہیں کرتا لیکن جتنا مجھ سے ہوسکا، میں آپ کی مدد ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور کروں گا ...... ویسے اڈی ماروی خوش نصیب ہے کہ اسے آپ جیسا ہمدرد و مونس بھائی ملا......

اسے جا کر تسلی دے دینا کہ تمہارا اب صرف ایک بھائی نہیں بلکہ دو بھائی ہیں۔''

میرے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ بابر خان کے اترے ہوئے چہرے پر مسرت پھوٹ پڑی ...... وہ بے اختیار میرے گلے لگ گیا اور فرط جذبات سے بولا۔ ''اڑا فیض محمد......! میں تمہیں آج سے اپنا بھائی سمجھوں گا ...... آپ نے میرا حوصلہ بڑھا دیا ہے، یہی میرے لئے بہت ہے۔''

میں نے اس کا کاندھا تھپتھپایا اور بولا۔ ''بے شک مگر تم میرے پاس آتے رہنا پھر کبھی آرام سے بیٹھ کر اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کریں گے اور کوئی لائحۂ عمل تیار کرنے کی کوشش کریں گے۔'' میری بات سن کر وہ اب خوش نظر آنے لگا تھا...... وہ ایک بار پھر مجھ سے گلے ملا اور پھر رخصت ہوگیا، میں خود اسے باہر اس کی گاڑی تک چھوڑنے آیا پھر اس کے جاتے ہی میں واپس کمرے میں آیا تو جاڑو خان بھی میرے ساتھ تھا۔

◆❁◆

''سائیں مٹھا......! یہ تو بڑی عجیب بات ہوگئی۔'' بابر خان کے جاتے ہی جاڑو خان نے تبصرہ کیا۔ ''ہاں جاڑو خان......! بعض خود ساختہ رسمیں ایسی ہی ہوتی ہیں جو اپنے ہی گلے کا ہار بن جاتی ہیں۔'' میں نے کہا۔ اسے میں اپنے اور بابر خان کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا چکا تھا۔

دھیرے دھیرے سردی بڑھتی جارہی تھی ...... اطراف کا علاقہ جنگلاتی ہونے کی وجہ سے کافی ٹھنڈا تھا، میں اور جاڑو خان آتشدان والے کمرے میں آگئے اور چائے پینے کے دوران سمہ دور کے اس پراسرار نقشے کے متعلق لائحۂ عمل تیار کرنے لگے ...... نوری کے سلسلے میں مجھے اب راجواڑیں فیصلے کا انتظار تھا جو ظاہر ہے دس پندرہ دنوں سے پہلے کسی طور بھی متوقع نہ تھا ...... پھر میں نے اور جاڑو خان نے صبح سویرے کینجھر جھیل جانے کا پروگرام بنایا ...... یہاں ہمیں بوڑھے ملاح سے ملنا تھا جس کے بارے میں جاڑو خان کا خیال تھا کہ وہ اس پراسرار نقشے کی تحریر کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا تھا۔

اس رات ہم جلد بستروں پہ چلے گئے، اگلے دن علی الصباح میں اور جاڑو

خان کینجھر کی جانب سفر کے لئے پوری طرح تیار تھے ...... میں نے وہ نقشہ انتہائی حفاظت کے ساتھ اپنی قمیض کی اندرونی جیب میں رکھا ہوا تھا ...... کینجھر کی طرف روانہ ہونے سے پہلے میں نے دو تین چوکیوں کا معائنہ کیا پھر اس کے بعد ہم کینجھر جھیل کی طرف روانہ ہو گئے۔ کینجھر جھیل ٹھٹھہ سے 24 کلومیٹر اور ہمارے گوٹھ سے تقریباً 40 کلومیٹر شمال کی طرف واقع تھی۔ ہماری جیپ اس وقت پختہ سڑک پر رواں دواں تھی ...... ہمارے ایک جانب چٹیل میدان تھا جہاں کہیں کہیں بارانی زمینوں کا سلسلہ بھی تھا جبکہ دوسری طرف کھیتوں اور کیکر وغیرہ کے جنگل تھے ...... شہر سے آتی جاتی مسافر لاریاں بھی ہمارے قریب سے گزر رہی تھیں۔

معاً مجھے ایسا لگا کہ ہمارے عقب میں ایک بغیر ہڈ کے جیپ بھی دوڑی چلی آ رہی تھی ...... پہلے تو میں نے اسے اپنا واہمہ سمجھا مگر چونکہ موجودہ حالات اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہنے کے متقاضی تھے اسی لئے میں بیک ویو مرر پر ایک نگاہ ڈالنے کے بعد سامنے ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے جمائے جاڑو خان سے بولا۔ ''جاڑو خان! محتاط رہنا، مجھے لگتا ہے ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔''

یہ بتاتے ہوئے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔

اسی اثناء میں جاڑو خان نے بھی ہوشیاری کے ساتھ عقب میں نظریں دوڑائیں تو اسے بھی وہ جیپ آتی نظر آئی ...... اس جیپ کا فاصلہ ہماری جیپ سے کافی دور تھا ...... میں نے دیکھا جاڑو خان کے چہرے پر ذرا الجھن آمیز تاثرات ابھر آئے۔

''کیا کرنا چاہئے ...... رفتار آہستہ کر کے دیکھیں۔'' میں نے خیال ظاہر کیا تو جاڑو خان بولا۔ ''اس کے بغیر چارہ بھی نہیں لیکن سائیں اگر یہ دشمن ہوئے اور انہوں نے ہم پر حملہ کر دیا تو......؟''

''میرا خیال ہے ایسا نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔ ''اگر انہیں ہم پر حملہ کرنا ہوتا تو وہ بڑے آرام کے ساتھ یہ کارروائی اب بھی کر سکتے ہیں مگر میں کافی دیر سے اسی جیپ پر گاہے بگاہے نظر رکھے ہوئے ہوں جو ایک ہی مخصوص رفتار کے ساتھ ہمارے تعاقب میں ہے۔''

میری بات سن کر جاڑو خان نے قدرے مطمئن ہو کر اپنا سر اثبات میں ہلا دیا اور پھر اگلے ہی لمحے میں نے اپنی جیپ کی رفتار ذرا گھٹا دی اور بیک ویو مرر پر نظر ڈالی ...... میں نے دیکھا ہمارے تعاقب میں آتی ہوئی جیپ کی فتار بھی ذرا کم ہوتی محسوس ہوئی تب پھر اچانک کیا ہوا کہ ہمارے تعاقب میں آنے والی جیپ نے پھر رفتار پکڑ لی اور اب وہ بتدریج ہمارے نزدیک آتی جا رہی تھی۔

ایک انجانے خدشے کے تحت میرا دل زور سے دھڑکا ...... میں نے جاڑو خان کو محتاط ہونے کے لئے کہا اور اپنا ریوالور بغلی ہولسٹر سے نکال کر اپنی گود میں رکھ لیا اور دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر جما دیئے۔

سامنے اب دور تک سڑک ویران تھی، جاڑو خان نے بھی پچھلی سیٹ پر رکھی اپنی ڈبل بیرل بندوق اٹھا کر اپنے ساتھ چپکا لی، ادھر وہ بغیر ہڈ والی جیپ خاصی رفتار سے دوڑتی ہوئی لحہ بہ لحہ ہماری یپ کے قریب آتی جا رہی تھی۔

ہم دونوں کے اعصاب یکبارگی تن سے گئے تھے پھر جب وہ جیپ ہمارے قریب سے گزرنے لگی تو میں نے فوراً گردن موڑ کر دیکھا اور اگلے ہی لمحے میں بری طرح ٹھٹک گیا۔

جیپ اگرچہ اب آگے نکل چکی تھی اور اس میں سوار بھی صرف دو افراد تھے مگر میرے چونکنے کی وجہ وہ دونوں سوار ہی تھے ...... میرے ساتھ بیٹھے ہوئے جاڑو خان نے بھی انہیں فوراً ایک ہی نظر میں پہچان لیا تھا اور خاصی حیرت سے بولا۔

''سائیں ......! یہ ...... یہ تو یار محمد اور صوبو خان تھے۔''

میں نے پرسوچ انداز میں اپنے ہونٹ بھینچ لئے تھے ...... میں بھی ان دونوں کو پہچان گیا تھا اور نگاہیں جیسے سامنے ان کی جاتی ہوئی جیپ پر جم سی گئی تھیں تاہم میں نے جاڑو خان کی بات سن کر دھیرے سے اپنا سر اثبات میں ہلایا اور بولا۔ ''جاڑو خان ......! یہ دونوں ہمارا تعاقب کر رہے تھے۔''

''بالکل سائیں مٹھا! اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ دونوں کافی دیر سے ہمارا ہی تعاقب کر رہے تھے۔'' اس نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا اور میں خاموش رہا۔

درحقیقت میں سوچ رہا تھا کہ آخر صوبو خان اور یار محمد کس مقصد کے تحت ہمارا تعاقب کر رہے تھے ...... کیا انہیں ہم پر کسی قسم کا شک ہو گیا تھا؟ کیا ان دونوں شاطروں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اب وہ سمہ دور کا پراسرار نقشہ میرے قبضے میں ہے بہرطور یہ وہ سوالات تھے جن کے جوابات سوچنے کے لئے دل و دماغ خاصا الجھ رہا تھا...... ایک مبہم سا خیال یہ بھی میرے دل میں آیا کہ ہوسکتا ہے یہ دونوں کسی اپنے ہی کام سے شہر کی سمت جا رہے ہوں مگر دماغ میرے اس خیال کی نفی کر رہا تھا...... اگر ایسا ہی ہوتا تو وہ کب کا ہماری جیپ کو کراس کر کے آگے جا چکے ہوتے اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ ہمارے قریب سے بالکل لاتعلق ہو کر گزر گئے تھے ...... انہوں نے اپنی گردنیں گھما کر میری طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی حالانکہ وہ دونوں مکار میری سرکاری جیپ کو اچھی طرح پہچانتے تھے۔

اتنے میں جاڑو خان کچھ سوچتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''سائیں مٹھا...... ! میرا خیال ہے ہمیں اب محتاط ہو کر اپنی منزل تک پہنچنا چاہئے۔''

میں نے اس کی بات سن کر ہولے سے ''ہوں'' کہا تو جاڑو خان بولا۔

''سائیں! آگے ٹھٹھہ چوک آئے گا، آپ سیدھا جانے کی بجائے دائیں ہاتھ والی سڑک پر جیپ موڑ دینا، اگرچہ یہاں سے کینجھر کی طرف کا راستہ ذرا طویل ہو جائے گا مگر ان لوگوں کو ڈاج دینے کے لئے یہ ضروری ہے۔''

جواباً میں نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا اور نگاہیں سامنے مرکوز کر دیں ...... ان دونوں کی جیپ اب نظر نہیں آ رہی تھی، وہ شاید ہم سے کافی آگے نکل گئے تھے تاکہ ہمیں اپنے تعاقب کا شک نہ ہو۔

بہرطور ...... ٹھٹھہ چوک آتے ہی میں نے جاڑو خان کے کہنے کے مطابق جیپ دائیں ہاتھ کی سڑک پر موڑ دی اور جیپ کی رفتار قدرے بڑھا دی ...... پھر خاصی دیر بعد ہم کینجھر جھیل کے قریب آ گئے ...... آسمان صاف تھا اور ہر سو نکھری نکھری چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی ...... دور کینجھر جھیل کی سطح پر خوش رنگ پرندوں کی اڑانیں بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھیں ...... کینجھر کے جھلملاتے پانیوں کے وسط میں ''نوری'' کا مزار صاف دکھائی دے رہا تھا ...... کینجھر کے کناروں پر کشتیاں بندھی

ہوئی نظر آ رہی تھیں ...... ایک جانب پی ٹی ڈی سی کا ہوٹل اور ذرا پرے کیکر اور مٹی کے جھنڈ کے عقب میں محکمہ سیاحت کا ریسٹ ہاؤس اور ہٹس بھی دکھائی دے رہے تھے ...... اگر کوئی اور موقع ہوتا تو میں یہاں کی سیر ضرور کرتا ...... بہرطور میں نے یہاں پہنچ کر جاڑو خان سے کہا۔ ''اب ہمیں کس طرف چلنا چاہئے؟''

''بس سائیں ...... جھیل کے کنارے کنارے چلتے جائیں۔'' جاڑو خان بلاتامل بولا اور سامنے اشارہ کرتے ہوئے مزید بولا۔ ''وہ سامنے ملاحوں کے گوٹھ ہیں، پہلا ہی گوٹھ دریل ملاح کا ہے۔''

''کیا یہ دریل نامی وہی ملاح ہے جس کے پاس ہم جا رہے ہیں......؟'' میں نے جیپ آگے بڑھاتے ہوئے جاڑو خان سے پوچھا۔

''ہاؤ سائیں...... ! ادھر ہی اس کی جھونپڑی ہے اور وہ وہیں تنہا رہتا ہے، مولا کرے وہ وہاں موجود ہو۔'' جواباً وہ بولا۔

جھیل اب کافی پیچھے رہ گئی تھی اور ہم مذکورہ گوٹھ کے قریب پہنچ چکے تھے پھر ایک مقام پر میں نے جیپ روک دی اور دونوں ہی نیچے اتر آئے ...... میں نے پہلے گہری نظروں سے اطراف میں دور تک جائزہ لیا پھر اس کے بعد ہم پیدل آگے بڑھ گئے ...... وہاں کچھ ملاح کاندھوں پر جال اٹھائے ہوئے دکھائی دے رہے تھے پھر ہم ایک قریب ہی بنے ذرا الگ تھلگ مقام پر جھونپڑی نما گھر کے پاس آ کر رک گئے ...... جھونپڑی میں دروازے کے نام پر ایک بوسیدہ سا ٹاٹ جھول رہا تھا ...... جاڑو خان نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے ایک ہاتھ کا بھونپو بناتے ہوئے اسے آواز دی۔ ''دریل چاچا...... ! ذرا باہر آ......'' تھوڑی دیر بعد اندر سے کھانسنے کی آواز ابھری اور ایک مجہول سا شخص باہر نکلا ...... اس نے بوسیدہ سی میلی چادر اوڑھ رکھی تھی اور ہاتھ میں ایک ادھ جلی بیڑی دبی ہوئی تھی ...... وہ دبلا پتلا اور جھریوں زدہ ہونے کے باوجود بالکل سیدھا کھڑا تھا، رنگت البتہ خاصی جھلسی ہوئی تھی ...... اس نے تاہم ایک ہاتھ کا چھجا اپنی آنکھوں پر دھرتے ہوئے پہلے جاڑو خان اور پھر میری طرف تکنے لگا۔ ''چاچا دریل ...... خوش ہو، بابا چاک (ٹھیک) تو ہو نا تم ...... مجھے نہیں پہچانا ...... میں ہوں جاڑو خان اختیار علی کا دوست......!''

جاڑو خان نے ذرا تیز آواز کے ساتھ کہا جس کا واضح مطلب تھا کہ وہ بوڑھا ملاح اونچا سنتا تھا...... بعد میں مجھے پتہ چلا کہ اختیار علی اس بوڑھے ملاح دریل کا نواسہ تھا جس سے جاڑو خان کی دوستی رہ چکی تھی۔

دریل کے جھریوں بھرے چہرے پر ایک جذباتی سا ارتعاش ابھرا اور پھر وہ اپنی پیشانی پر سے اپنے ہاتھ کا چھجا ہٹا کر آنکھیں سکیڑ کر پہلے جاڑو خان کی طرف تکتا رہا، اس کے بعد پھر اس نے بے اختیار جاڑو خان کو گلے لگا لیا۔

پندرہ بیس منٹ بعد جب جذباتی نوع کے مکالمات کا اختتام ہوا تو بالآخر جاڑو خان نے اس سے پوچھا۔ ''چاچا تم سے ایک کام تھا، پر پہلے وعدہ کرو کہ اس کے بارے میں کسی سے کچھ نہیں کہو گے۔''

جاڑو خان کی بات سن کر دریل نے یکدم دائیں بائیں نفی میں اپنا سر ہلایا اور مستفسرانہ نگاہوں سے جاڑو خان کے چہرے کی جانب تکنے لگا...... ہم اب اس کے جھونپڑی نما گھر کے اندر شکستہ سے صحن میں ہی ایک کھری چارپائی پر بیٹھ چکے تھے۔

تب پھر جاڑو خان نے میری جانب دیکھا اور ساتھ ہی مجھے ایک مخصوص اشارہ کیا میں نے جھٹ اپنی قمیض کی جیب کے اندر سے وہ نقشہ نکال کر جاڑو خان کی طرف بڑھا دیا۔

جاڑو خان نے نقشہ مجھ سے لے کر دریل ملاح کو تھماتے ہوئے کہا۔ ''دریل چاچا......! ہمیں بتاؤ یہ کیا چیز ہے اور اس پر لکھی ہوئی تحریر کیا کہتی ہے...... ہماری سمجھ سے اس کی تحریر باہر ہے۔'' جاڑو خان نے کہا اور خاموشی سے دریل چاچا کے چہرے کو تکنے لگا۔

دریل ملاح وہ نقشہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے بغور اپنی آنکھیں سکیڑ کر دیکھنے اور پھر کچھ پڑھنے کی سعی کرنے لگا...... میں اور جاڑو خان بڑے غور سے دریل ملاح کے چہرے کی طرف تکے جا رہے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی ہمیں کوئی مژدۂ جانفزا سنانے والا ہے، اس نے دو تین مرتبہ نقشے کو الٹ پلٹ کر اور مختلف زاویوں سے دیکھا، کافی دیر بعد اچانک ہی اس کے جھریوں زدہ چہرے پر ایک حیرت آمیز جھلک سی ابھری، اس کے چہرے کے امید افزاء تاثرات نے

میرے دل کی دھڑکنیں بھی تیز کر دی تھیں...... تب جاڑو خان نے اچانک ہی دریل ملاح سے پوچھا۔ ''چاچا......! کچھ پتہ چلا...... یہ کیا بلا ہے اور اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟''

''یہ...... یہ تمہیں کہاں سے ملا پٹ......؟''

میں نے جاڑو خان کے کچھ کہنے سے قبل ہی کہا۔ ''چاچا! یہ ہمیں ایک جنگل میں پڑا ملا تھا۔'' پھر میں نے پہلے سے سوچی ہوئی ایک مختصر من گھڑت کہانی سنا دی۔

اتنے میں جاڑو خان نے پھر قدرے اضطراب آمیز بے چینی کے ساتھ دریل ملاح سے پوچھا۔ ''چاچا......! آخر بتاؤ تو سہی یہ ہے کیا شے......؟''

جاڑو خان کی بات سن کر دریل نے ایک نگاہ میری طرف اور پھر جاڑو خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''پٹ...... جاڑو خان......! یوں سمجھو یہ کاغذ کا ٹکڑا وادئ مہران اور شاہ لطیفؒ اور سچل سرمست سائیںؒ کی اس دھرتی کا ایک ثقافتی خزانہ ہے...... مجھے حیرت ہے اس مقدس اور عظیم خزانے کے نقشے کو تم لوگوں نے کیسے دریافت کر لیا؟ اور اس سے بھی بڑھ کر حیرتناک بات یہ ہے کہ اب یہ عظیم خزانہ ہم لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہے۔'' یہ بتاتے ہوئے ملاح دریل کا لہجہ ایک دم پراسرار ہو گیا۔

اس کی سنسنی خیز گفتگو سن کر ایک ثانیے کے لئے میری نظریں جاڑو خان سے چار ہوئیں اور پھر میں اضطراری لہجے میں دریل سے بولا۔ ''چاچا سائیں! کیا مطلب ہم آپ کی بات نہیں سمجھے۔'' میری بات سن کر وہ بولا۔ ''اڑے بابا......! یہ خزانہ تو......'' کچھ کہتے کہتے وہ یکدم خاموش ہو گیا اور پھر پرتشکیک نظروں سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے بات بدل کر بولا۔ ''نہیں...... پہلے تم وعدہ کرو کہ اگر میں تمہیں اس خزانے کا پتہ بتا دوں تو تمہیں یہ خزانہ فوراً سرکار کے حوالے کرنا ہو گا۔''

اس کی بات سن کر ایک بار پھر میں نے اور جاڑو خان نے ذرا چونکتی ہوئی نظروں کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر جاڑو خان بڑے رسان کے ساتھ ملاح دریل سے بولا۔ ''چاچا...... یہی چاہتے ہیں کہ اس زبردست خزانے کو دریافت کر کے اپنی اس دھرتی کا جھومر بنائیں کیونکہ تم شاید یہ بات نہیں جانتے کہ

اس کی بھنک کچھ خودغرض اور لالچی لوگوں کے کانوں میں بھی پڑ چکی ہے اور اس نقشے کی حفاظت کی خاطر ہم دونوں نے اپنی جان سے بڑھ کر کی ہے۔ بہرحال ہمارا وعدہ ہے کہ اسے غلط اور لالچی قسم کے لوگوں کے حوالے کرنے کی بجائے اسے سندھ دھرتی کے ماتھے کا جھومر بنائیں گے۔''

جاڑو خان کے لہجے میں سچائی کو محسوس کرتے ہوئے بالآخر ملاح دریل بولا۔

''یہ بات ہے تو سنو بچو......! یہ عظیم خزانہ سمہ دور کے جام نظام الدین کے حکمرانوں کا ہے اور اس نقشے میں جہاں دفینے کی نشاندہی کی گئی ہے، وہ اس کینجھر جھیل کے کنارے محل کے کھنڈرات کے آس پاس واقع ہے جہاں اس دور کے جام تماچی نے اپنی محبوب بیوی ''نوری'' کا محل تعمیر کروایا تھا۔''

وہ اتنا بتا کر خاموش ہو گیا اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں...... میں نے دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔ ''چاچا! کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ اگر یہ بات ہے تو مجھے کچھ اور بھی بتاؤ، جو آپ جانتے ہو۔''

میرے لہجے کا اشتیاق اور دلچسپی دیکھ کر ملاح دریل مسکراتے ہوئے بولا۔

''یوں تو یہ خزانہ سمہ حکمرانوں کا تھا مگر اقتدار کی رسہ کشی سے اس عظیم اور ثقافتی اہمیت کے حامل خزانے کی بھی نقصان پہنچا...... جب نظام الدین کے انتقال کے بعد اس کا عادلانہ نظام بھی ختم ہوا تو ان کے بیٹے جام فیروز اور بھتیجے جام صلاح الدین کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی شروع ہو گئی پھر نادان فیروز نے جام نظام کے منہ بولے بیٹے دریا خان جو کہ ایک انتہائی قابل اعتماد اور اچھا منتظم تھا، بے دخل کر دیا جس سے نہ صرف اس کی اپنی حیثیت کمزور ہو گئی بلکہ سلطنت کو بھی نقصان پہنچا بالآخر دریا خان نے ایک بار پھر وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے جام فیروز کو حکومت واپس دلا دی لیکن جام فیروز کی مسلسل غلطیوں نے اس کے اقتدار کو ختم کر دیا، اس نے دریا خان کے خود ساختہ خطرے کے پیش نظر ترخانوں اور ارغونوں کو ٹھٹھہ میں آباد کیا ...... اس دوران شومئ قسمت سے بابر نے والئ قندھار شاہ بیگ ارغون کو مجبور کیا کہ وہ قندھار سے دستبردار ہو کر سندھ و بلوچستان میں حکومت قائم کرے...... اس طرح جام فیروز نے جن مغلوں کو ٹھٹھہ میں آباد کیا تھا، ان کی تمام تر ہمدردیاں شاہ بیگ

ارغون کے ساتھ تھیں اور جب شاہ بیگ ارغون نے 1520ء میں اپنی فوجوں کے ساتھ دریا عبور کیا اور ٹھٹھہ کی طرف بڑھا تو سمہ خاندان کی بالادستی کا خاتمہ ہوا اور ارغون یہاں پر قابض ہو گئے۔ خونریز لڑائی میں دریا خان سمیت بہت سے سمہ فوجی مارے گئے اور ٹھٹھہ میں لوٹ مار کا بازار گرم رہا۔ ٹھٹھہ کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ اتنے وسیع پیمانے پر خونریزی ہوئی اور اس شہر کو نہ صرف بے دردی سے لوٹا گیا بلکہ مقدس ورثے کی حامل قیمتی نوادرات کو بھی نقصان پہنچایا...... کئی مقدس صحیفے ضائع ہوئے...... یہ بھی ایک بیش قیمت نوادراتی خزانہ ہے...... وقت گزرا...... نیا دور آیا پھر اس عظیم نوادراتی خزانے کا نقشہ ایک صوبائی شہرت یافتہ بدنام دھاڑیل اکو چانڈیو کے ہتھے چڑھا اکو چانڈیو غریب اور عام لوگوں کو نہیں لوٹتا تھا، وہ زیادہ تر وڈیروں کو لوٹا کرتا تھا...... پھر جب اسے یہ نقشہ ہاتھ لگا تو اتفاق سے اسے بھی کسی بزرگ نے بتایا کہ یہ ایک خزانے کا نقشہ ہے...... اکو چانڈیو فطرتاً اچھا آدمی تھا اور وہ اپنی اس جرائم پیشہ زندگی سے اکتا گیا تھا تب اس نے انتظامیہ اور پولیس سے عام معافی کی درخواست کرتے ہوئے نقشے کو ان کے حوالے کرنا چاہا تو کسی نے اسے قتل کر کے وہ نقشہ اڑا لیا، سنا تھا کہ اسے اکو چانڈیو کے اپنے ہی کسی ساتھی نے لالچ میں آ کر قتل کیا تھا۔''

اتنا بتا کر وہ خاموش ہو گیا...... ہم اس کی داستان میں جیسے ڈوبے ہوئے تھے ...... اس کے بعد ملاح دریل گومگو سے لہجے میں بولا۔ ''لگتا ہے یہ وہی نقشہ ہے لیکن سوچنے کی بات ہے یہ تم لوگوں کو جنگل میں پڑا کس طرح مل گیا؟'' وہ خاموش ہوا تو میں نے دریل سے کہا۔ ''چاچا......! مجھے ایسے لگتا ہے کہ اس کے حصول کے لئے کئی خونریزیاں ہوئی ہیں اور ابھی نجانے کتنی......'' میرے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے کیونکہ اگلے ہی لمحے دو مسلح افراد اندر داخل ہوئے۔

ہم بری طرح ٹھٹکے...... ان کے اجنبی بشروں پر سنگدلانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی اور بندوقوں کی مہیب نالیں ہماری جانب اٹھی ہوئی تھیں۔

اور پھر اگلے ہی لمحے ایک عجیب بات ہوئی میں نے اور جاڑو خان نے خطرہ محسوس کر کے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

ٹھیک اسی وقت جھونپڑی نما مکان میں بیک وقت دو دھماکے ہوئے اور آن کی آن میں ملاح دریل خون میں نہا کر تڑپنے لگا۔

میں نے صرف بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑنے پر اکتفا نہیں کیا کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ ان دونوں کا اگلا نشانہ میں اور جاڑو خان بن سکتے ہیں، بلکہ بڑی پھرتی کے ساتھ میں نے لڑھکنی کھانے کے دوران ہی اپنی قمیض کی جیب سے ریوالور نکال کر اوپر تلے ان مسلح افراد پر فائر بھی جھونک دیئے، ان دونوں کو شاید مجھ سے ایسی پھرتی کی قطعاً امید نہ تھی، مجھے ہسٹنگ فائرنگ کا خاصا تجربہ تھا لہٰذا میرے مہیب ریوالور کی گولیاں ٹھیک نشانے پر لگی تھیں۔

میرے مہیب ریوالور کی سفاک گولیوں نے ان دونوں مسلح حملہ آوروں کو چاٹ لیا تھا، بالکل اسی طرح جیسے ان کی گولیوں نے ملاح دریل کے بوڑھے وجود کو چھلنی کر دیا تھا۔ جاڑو خان کے چہرے پر خوف سمٹ آیا تھا اور وہ ملاح دریل کی لاش سے کہیں زیادہ ان دونوں سفاک حملہ آوروں کی خون میں لت پت لاشوں کو دیکھ کر بدحواس سا ہوگیا تھا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں ...... میں مکمل طور پر اپنے حواسوں میں آ گیا تھا اور فوری طور پر پہلا کام یہ کیا تھا کہ اس دفینے کا نقشہ اٹھا کر میں نے اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔

میں اور جاڑو خان جھونپڑی سے باہر نکل آئے، اب مجھے اچانک بدلتی ہوئی صورت حال سے پریشانی ہو رہی تھی، ہمارے آس پاس لوگوں کا جمگھٹا لگ گیا تھا۔

پھر میں نے اپنے حواس قابو میں کرتے ہوئے وہاں موجود حیران و پریشان لوگوں کو بتایا کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا تھا۔

پھر میں نے ایک شخص سے متعلقہ تھانے کا پتہ پوچھا جو قریب ہی تھا لہٰذا جھونپڑی کے باہر دو افراد کو کھڑا کر کے اور دو افراد کے ساتھ جیپ میں سوار ہو کر متعلقہ تھانے جا کر واردات کی رپورٹ درج کروائی اور ساتھ ہی اپنا سروس کارڈ ایس ایچ او کو دکھاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

خوش قسمتی سے وہ ایک سمجھدار اور فرض شناس پولیس افسر ثابت ہوا، اس نے مجھے پریشان نہیں کیا پھر وہ میرے ساتھ جائے واردات پر پہنچا ...... وہ اپنی پولیس موبائل میں تھا ...... وہاں اس نے بڑے غور سے جائے وردات کا جائزہ لیا، اس کے بعد مجھ سے پتہ وغیرہ پوچھ کر رخصت کر دیا البتہ مجھ سے گذارش کے طور پر اتنا ضرور کہا کہ میں اس سے رابطے میں رہوں۔

میں نے حامی بھرلی اور پھر ہم جیپ میں سوار ہو کر واپس ہو لئے۔

''بال بال بچ گئے سائیں......!'' اپنے گوٹھ کی طرف روانہ ہوتے ہی میرے ساتھ بیٹھے ہوئے جاڑو خان نے ایک طویل اور گہری سانس لے کر کہا......

میرا دل و دماغ ابھی تک اس ناگہانی اور دلدوز واقعہ کی وجہ سے مکدر سا ہو رہا تھا...... ملاح دریل کی موت کا مجھے ازحد دکھ تھا لیکن ساتھ مجھے ان دو نامعلوم حملہ آوروں کے بارے میں بھی کرید سی ہو رہی تھی جنہوں نے اچانک گل کھلایا تھا اور خود بھی میری گولیوں کا نشانہ بن گئے تھے۔

ان دونوں کو قتل کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا مگر ان کے خطرناک ارادے بھانپ کر میں ایسا انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہوا تھا بعد میں ان دونوں حملہ آوروں کی لاشوں کی جامہ تلاشی بھی لی گئی تھی مگر ان کی شناخت نہ ہو سکی تھی۔

مجھ پر ایک گہری خاموشی طاری دیکھ کر جاڑو خان دوبارہ بولا۔''سائیں......! مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا کہ اتنا بڑا سانحہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم لوگوں پر گزرا ہے۔''

اس کی بات پر بے اختیار میرے لبوں پہ مسکراہٹ سی پھیل گئی، میں بولا۔

''جاڑو خان......! یہ سب تو اب ہماری زندگی کا حصہ بن گیا ہے۔'' اتنا کہہ کر میں چند ثانیے کے لئے رکا پھر پرسوچ لہجے میں بولا۔''ان دونوں حملہ آوروں کا تعلق مجھے انہی لوگوں سے لگتا ہے جنہوں نے کچھ روز پہلے آدھی رات کو ہمارے ریسٹ ہاؤس میں نقب لگا کر ہمیں زدوکوب کیا تھا اور نقشے کے بارے میں پوچھا تھا۔''

''آپ کی بات سے مجھے اتفاق ہے سائیں......! مگر یہ لوگ آخر ہیں کون......؟ انہوں نے اتنی ہوشیاری کے ساتھ ہمارا ملاح دریل کے گھر تک تعاقب کیا تھا کہ ہمیں پتہ بھی نہ چل سکا۔''

جاڑو خان نے استعجاب آمیز لہجے میں کہا تو میں اسے ایک اور امکان کی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولا۔

''حالانکہ ہمارے تعاقب میں یار محمد اور صوبو خان تھے...... پتہ نہیں وہ کس طرف نکل گئے۔''

''سائیں! یہ بھی تو ہو سکتا ہے، ہمیں یار محمد اور صوبو خان پر ایسے ہی شک ہوا ہو۔'' جاڑو خان نے کہا تو میں اپنی بھنویں سکیڑ کر پرخیال لہجے میں بولا۔''نہیں...... میں نے اچھی طرح بھانپ لیا تھا...... وہ دونوں ہمارا ہی تعاقب کر رہے تھے...... جاڑو خان میرا خیال ہے اس نقشے کی اصلیت کچھ افراد پر کھل چکی ہے اور جن لوگوں پر مجھے شک ہے، ان کا تعلق دادن شاہ اور یار محمد سے بھی ہو سکتا ہے بلکہ میرا تو خیال ہے کہ اب دادن شاہ اور یار محمد دو گروہوں میں تقسیم ہو کر اس نقشے کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔''

''ہو سکتا ہے سائیں آپ کی بات درست ہو۔'' جاڑو خان نے مبہم سے لہجے میں کہا۔

''ہو سکتا ہے نہیں...... جاڑو خان......! مجھے پورا یقین ہے۔'' میں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولا۔''تم بھول گئے ہو شاید جاڑو خان کہ ایک دن یار محمد اور صوبو خان خلاف معمول مجھ سے ملاقات کرنے ہمارے ریسٹ ہاؤس آئے تھے اور انہوں نے محمد بچل اور کادو جکھرانی کی لاش کے سلسلے میں معلومات چاہی تھیں اور جواباً میں بھی ان دونوں کو دادن شاہ کے پیچھے لگا دیا تھا۔'' میری وضاحت نے جاڑو خان کو تائیدی انداز میں سر ہلانے پر مجبور کر دیا لہٰذا میں چاند ثانیے کے بعد پرزور لہجے میں بولا۔''جاڑو خان! مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ ایک طرف اگر یار محمد اور صوبو خان ہمارے پیچھے لگے ہیں تو دوسری طرف دادن شاہ بھی ہمارے تعاقب میں ہے اور کوئی بعید نہیں کہ یہ دو حملہ آور جو میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوئے ہیں، وہ دادن شاہ کے ہی آدمی ہوں۔''

میری بات سن کر جاڑو خان نے بالآخر ایک گہری ہنکاری بھری اور بولا۔

''چلو سائیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ لوگ بھی بے نقاب ہوتے رہیں گے، اب ہمیں اس نوادراتی خزانے کا تو علم ہو ہی گیا ہے، اب اس کا کیا کرنا ہے؟''

''اس سلسلے میں مَیں ایک لائحۂ عمل تیار کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔''اگر وہ خزانہ آثار قدیمہ سے متعلق ہوا تو اسے متعلقہ محکمے کے کسی ذمہ دار فرد کے حوالے کرنا ہوگا۔ آرکیالوجی کا میرا ایک فیلڈ آفیسر دوست ہے، میں اس سے رابطہ کروں

گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں دادن شاہ اور یار محمد جیسے خطرناک لوگوں سے بھی پوری طرح محتاط رہنا ہوگا۔''

''سائیں! کیا خزانہ ہمیں اکیلے ہی ڈھونڈنا ہوگا؟'' جاڑو خان میری بات سن کر فوراً بولا۔

''بالکل......'' میں نے بلا تامل کہا تو جاڑو خان قدرے تشویشناک لہجے میں بولا۔''سائیں اس طرح ہم ایک بہت بڑا خطرہ مول لیں گے۔''

میں اس کی بات سن کر نیم تائیدی لہجے میں بولا۔''اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔'' ''سائیں! کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم یہ سب کچھ انتظامیہ کے ذمہ دار افسروں کی نگرانی میں کریں؟''

''نہیں......'' میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔'اس طرح یہ اہم راز ہر خاص وعام پر منکشف ہو جائے گا...... دیکھو جاڑو خان......! میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں مگر یہ مت بھولو کہ انتظامیہ کے ذمہ دار افراد بھی انسان ہیں اور شیطان ہمیشہ انسانوں پر حاوی ہونے کی کوشش کرتا ہے...... اس طرح یہ خزانہ اور غیر محفوظ ہو جائے گا۔''

میری توجیہہ پر جاڑو خان چپ ہو رہا، اس اثناء میں ہم اپنے گوٹھ کے قریب پہنچ چکے تھے...... میں نے جیپ فوراً دائیں جانب کے ایک کچے سے راستے پر اتار لی اور ابھی ہم نے چند فرلانگ کا ہی سفر طے کیا ہوگا کہ دفعتاً ہمیں فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں...... میں نے فوراً اپنی جیپ کو بریک لگا دیئے۔

جاڑو خان قدرے متوحش نظروں سے میری جانب دیکھنے لگا۔''سائیں......! آگے کوئی خطرناک قسم کا جھگڑا ہو رہا ہے...... میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے واپس مڑ جانا چاہیئے۔''

اس کی بات پر عمل کرتے ہوئے میں نے فوراً جیپ موڑی تو اگلے ہی لمحے ہماری جیپ پر بھی کسی نے برسٹ مار دیا...... میرا دل یکبارگی زور سے دھڑکا...... گولیاں جیپ کی باڈی میں پیوست ہو گئیں، میں نے فوراً گیئر بدلتے ہوئے ایکسلیٹر پر اپنے پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا...... جیپ کا انجن زور سے غرایا اور جیپ

اچھل کر دوڑنے لگی۔

پھر اگلے ہی لمحے سامنے نگاہ پڑتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا...... سامنے پانچ چھ مسلح افراد ہم پر بندوقیں سیدھی کیئے، راستہ روکے کھڑے تھے۔

پھر فوراً ہی ان لوگوں نے اپنی بندوقیں نیچی کر دیں اور ایک شخص ہاتھ سے مجھے جیپ روکنے کا اشارہ کرنے لگا...... میں اسے پہچان گیا تھا...... وہ سوڈھل جکھرانی تھا۔

درحقیقت یہ جکھرانیوں کے گوٹھ کی حد تھی اور سوڈھل، کادو جکھرانی کا ہی رشتے دار تھا...... میں نے جیپ فوراً روک دی۔ اسی اثناء میں سوڈھل جکھرانی کے تین ساتھی اپنی کلاشنکوفیں سنبھالے تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئے...... ایک شخص کے ہاتھ میں مجھے راکٹ لانچر بھی نظر آیا تھا۔

میں نے جیپ روک تو دی مگر ابھی نیچے اترنے کی غلطی نہیں کی تھی پھر سوڈھل اپنی گن سنبھالے میری طرف آیا...... اس کے چہرے پر جوش کے آثار نظر آ رہے تھے، وہ میری ڈرائیونگ سیٹ والے دروازے کی طرف آیا اور ہانپتے ہوئے بولا۔

''بگھیو صاحب......! آپ یہاں سے فوراً پکی سڑک کی طرف نکل جاؤ...... ہمارا کھنڈوانیوں کے ساتھ جھگڑا ہو گیا ہے۔'' ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ معاً پکی سڑک کی جانب سے گولیوں کی خوفناک تڑتڑاہٹ سنائی دی...... ہم سب بری طرح ٹھٹک گئے۔

پھر اگلے ہی لمحے فضا میں تیز سناٹے کی ''سوں'' کی طرح ایک آواز ابھری اور ایک ساعت شکن دھماکہ ہوا۔ سوڈھل یکدم بدحواس سا نظر آنے لگا، خود میرا دل بھی بری طرح دھڑ دھڑانے لگا پھر اتنے میں سوڈھل اپنی گن سنبھالتا ہوا پچھلا دروازہ کھول کر اندر آ گیا اور مجھ سے کپکپائی آواز میں بولا۔''جلدی کرو...... یہاں سے سامنے کی طرف نکل چلو سائیں...... لگتا ہے کھنڈوانیوں نے ہمیں گھیر لیا ہے۔''

میرے لئے یہ صورت حال بڑی خطرناک تھی خود میری اور جاڑو خان کی جان کو خطرہ تھا...... ہمیں ایسی مخدوش حالت میں کوئی محفوظ راستہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بے چارہ سوڈھل اپنی جنگ چھوڑ کر ہماری جان بچانے کی خاطر ہمارے

ساتھ آ بیٹھا تھا۔

میں نے اگلے ہی لمحے جیپ اس کے اشارے کے مطابق آگے بڑھا دی ...... یہ پگڈنڈی نما کچا راستہ تھا جس کے دائیں بائیں سرسوں کے کھیتوں کا سلسلہ تھا ...... گولیوں کی گھن گرج اب خاصی پیچھے رہ گئی تھی، یہاں تک کہ معدوم ہوگئی، اب وہ کچا پگڈنڈی نما راستہ ایک جانب مڑ رہا تھا ...... جیپ ہچکولے کھاتی ہوئی سبک رفتاری سے دوڑی چلی جا رہی تھی، کچھ چھپر نما اوطاقیں اور مٹی کے گھر نظر آ رہے تھے۔

''یہاں سے جیپ بائیں طرف ڈیرے پر موڑ لو۔'' سوڈھل نے اچانک کہا اور میں نے جیپ کا اسٹیئرنگ گھما دیا...... سامنے ایک چھپر نما اوطاق نظر آئی، وہاں کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے...... ان سب لوگوں کے پاس جدید ہتھیار تھے۔

میں نے جیپ وہاں پہنچ کر روک دی ...... وہ سب ٹھٹکے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے اور ہماری جانب تکنے لگے، انہوں نے اجرکیں اور سروں پر سندھی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں، ہم سب جیپ سے اتر آئے ...... وہ لوگ اپنی آنکھیں سکیڑ سکیڑ کر مجھے اور جاڑو خان کی طرف عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے پھر سوڈھل کو دیکھ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے ...... سوڈھل نے ان سے کچھ باتیں کیں ...... وہ اس کے ساتھی معلوم ہو رہے تھے۔

پھر ہمیں وہیں چارپائی پر بٹھا دیا گیا...... سوڈھل نے ہمیں بتایا کہ بجل کے قتل کی وجہ سے یہ رن پڑا تھا ...... دادن شاہ بہت مکار اور شاطر انسان ہے، بجل چونکہ کھنڈوانی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اس لئے دادن شاہ نے بجل کے قتل میں جکھرانیوں کو ملوث قرار دیتے ہوئے کھنڈوانیوں کو ان کے خلاف بھڑکایا تھا جبکہ اس سلسلے میں سوڈھل کا کہنا تھا کہ انہوں نے بجل کو قتل نہیں کیا تھا اور نہ ہی ان کا اس کے قتل میں ہاتھ تھا۔

البتہ وہ اپنے ساتھی کادو جکھرانی کا بدلہ بہرصورت دادن شاہ سے لینا چاہتے تھے، سوڈھل کو اب یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان کے ساتھی کادو جکھرانی کو دادن شاہ یا اس کے ساتھیوں نے کسی نقشے کی وجہ سے قتل کیا تھا۔

یہ بات میرے لئے اب تک معمہ بنی ہوئی تھی کہ وہ نقشہ کادو جکھرانی کے پیٹ سے کیوں ملا تھا...... مجھے آج بھی اس بھیانک اور اندھیری رات کا منظر یاد تھا جب بجل نے کادو جکھرانی کی لاش کا پیٹ چیر کر وہ نقشہ برآمد کیا تھا جو بعد میں میرے ہاتھ لگ گیا تھا لیکن یہ بات میں نے ہنوز ان سے چھپا رکھی تھی۔

معاً سوڈھل کے کچھ رائفل بردار آدمی ہانپتے ہوئے وہاں پہنچے اور انہوں نے بتایا، لڑائی بند ہو چکی ہے مگر اس جنگ میں دونوں طرف کے کئی افراد ہلاک اور زخمی ہوئے تھے ...... پھر اس کے بعد سوڈھل اپنے مسلح افراد کے ساتھ ہمیں کسی دوسرے راستے سے ریسٹ ہاؤس کے قریب چھوڑنے آیا اور پھر فوراً ہی واپس چلا گیا۔

میں اور جاڑو خان جب اپنے ریسٹ ہاؤس پہنچے تو ہم نے سکھ کا سانس لیا ...... باہر شام خاصی جھک آئی تھی ...... اچانک اور دگرگوں حالات پیش آنے کی وجہ سے ہمیں کھانے پینے کا بھی ہوش نہ رہا تھا ...... ریسٹ ہاؤس آ کر بھی ہمیں کوئی خاص بھوک نہیں لگی تھی۔

بہرطور ...... پھر رات کو ہم نے جیسے تیسے کھانا زہر مار کیا اور اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پر لیٹ گیا...... نوری کا خیال ایک لمحے کو بھی میرے ذہن سے محو نہیں ہوا تھا ...... مجھے بہرحال اب سردار موریو خان کے راجواڑیں فیصلے کا انتظار تھا، اگرچہ نوری کے سلسلے میں سردار موریو خان نے مجھے کافی امید دلائی تھی مگر جانے کیوں میں اس بات سے مطمئن نہ تھا کہ راجواڑیں فیصلہ میرے حق میں ہوگا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس قسم کے فیصلے سروں پر مسلط کئے جاتے ہیں ...... اگر ہمارا فیصلہ کسی سرکاری عدالت میں ہوتا تو مجھے پھر بھی امید ہوتی۔

انہی خیالات کی کشاکش میں مجھے جانے رات کے کس پہر نیند آ گئی اور میں سو گیا پھر جانے کس وقت میری دوبارہ آنکھ کھلی تو میں دہل کر رہ گیا، میرے اردگرد لگ بھگ آٹھ نو افراد چہروں پر ڈھاٹے باندھے، بندوقیں اور رائفلیں تانے کھڑے تھے، انہوں نے شاید اپنی بندوقوں کی نال سے مجھے جگایا تھا۔

''خبردار! کوئی آواز مت نکالنا ورنہ گولیوں سے بھون کر رکھ دیں گے۔'' ان میں سے ایک نے میری طرف گھور کر غراتے ہوئے کہا۔

"تت ......تم کون ہو؟" میرے لبوں سے بے اختیار پھسلا تو وہ شخص غراتی ہوئی سرگوشی میں کرخت لہجے میں بولا۔ "بکواس بند کرو اپنی ......تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو...... میں نے آخر تم لوگوں کا کیا بگاڑا ہے۔"

میں خود پر اب قدرے قابو پا چکا تھا، مجھے ان لوگوں پر شبہ ہو رہا تھا کہ ان کا تعلق بھی انہی افراد سے تھا جنہوں نے کچھ روز قبل اسی طرح رات میں مجھے زدوکوب کرتے ہوئے اس نقشے کے بارے میں پوچھا تھا اور بعد میں ناکامی کی صورت میں مجھے دھمکی دے کر رخصت ہو گئے تھے ...... مجھے اب پچھتاوا ہو رہا تھا کہ میں نے اس سلسلے میں اپنی حفاظت کے لئے کوئی قدم کیوں نہیں اٹھایا تھا جس کی سزا ایک بار پھر مجھے اب بھگتنی پڑ رہی تھی...... نہ صرف یہ بلکہ مجھے اب وہ یرغمال بنانا چاہتے تھے۔

بالآخر میں نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس ڈھاٹا پوش شخص سے پوچھا۔ "تم آخر کیا چاہتے ہو ...... میں تو ایک عام سا فاریسٹ آفیسر ہوں۔"

میں نے محسوس کیا جواباً اس کی خونخوار آنکھوں میں ایک سفاک مسکراتی چمک ابھری تھی یقیناً وہ زہرخند انداز میں مسکرایا بھی ہوگا پھر وہ کھردرے لہجے میں بولا۔

"تم آج پیچھر گئے تھے...... اس بوڑھے ملاح سے ملنے......؟"

اس کی بات سن کر میں بری طرح چونکا مگر میں نے حتی الامکان اپنی اس غیر شعوری کیفیت کو مخفی رکھتے ہوئے جواباً جھوٹ بولا۔ "میں پیچھر ضرور گیا تھا مگر سیر کرنے کی غرض سے......"

"جھوٹ بولتے ہو تم......" وہ ڈھاٹا پوش شخص غرا کر بولا۔ "زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو سمجھے...... ہم تم پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے ہیں ......تم آج اس نقشے کے سلسلے میں اس بوڑھے ملاح سے ملے تھے جس کا نام دریل تھا اور جن دو افراد کو تم نے وہاں اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا تھا، وہ ہمارے ہی آدمی تھے۔"

اس کی بات سن کر میرے ذہن کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور میں پریشان سا ہو گیا، اس ڈھاٹا پوش شخص کی خونخوار نظروں سے میری پریشان کن کیفیت چھپی نہیں رہ

سکی لہٰذا وہ میری کیفیت سے حظ اٹھاتے ہوئے دوبارہ خوفناک لہجے میں بولا۔ "تم کیا سمجھتے تھے کہ ہمیں کچھ نہیں معلوم ہو سکے گا ...... جب تم اس نقشے سے متعلق بوڑھے ملاح دریل سے باتیں کر رہے تھے تو جھونپڑی کے باہر ہمارے تین آدمی تم لوگوں کی باتوں پر کان لگائے ہوئے تھے پھر ان تینوں میں سے ہمارے دو آدمی اندر داخل ہوئے تھے ...... تیسرا آدمی باہر موجود رہا تھا...... اس کے پاس چونکہ کوئی ہتھیار نہ تھا اس لئے جب تم نے ہمارے دونوں آدمیوں کو ہلاک کر دیا تو ہمارا تیسرا آدمی وہاں سے غائب ہو گیا اور اس نے آ کر ہمیں بتا دیا تھا کہ اس بوڑھے ملاح نے سمہ دور کے اس نقشے کی تحریر نہ صرف پڑھ لی تھی بلکہ اس نے تمہیں اس خزانے کے بارے میں بتا دیا تھا جو "ماڑی" کے آس پاس ہی کہیں دفن ہے۔"

اس نے اپنی بات ختم کر کے اپنی شاطر نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

میرے حلق سے بے اختیار پھنسی پھنسی سی سانس خارج ہو گئی ...... میرا دل و دماغ بری طرح سنسنا رہا تھا...... یہ بات میرے لئے انتہائی مخدوش ثابت ہو سکتی تھی، میری جان کو خطرہ لاحق ہو چکا تھا ...... یہ خطرناک لوگ میری سوچ سے بھی بڑھ کر چالاک اور ہوشیار ثابت ہوئے تھے لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ جب ان لوگوں کو اس دفینے کا علم ہو چکا ہے تو پھر مجھے کیوں اپنے ساتھ یرغمال بنا کر لے جانا چاہتے تھے۔

"کیوں ...... کیا کہتے ہو......؟" وہ ڈھاٹا پوش شخص کرخت لہجے میں بولا تو میں نے کہا۔ "اگر تم لوگوں کو ان سب باتوں کا علم ہو چکا ہے تو پھر مجھے کیوں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو، ویسے میں تمہارے ان دو ساتھیوں کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا، اگر وہ ہم پر فائرنگ نہ کرتے تو......" میں نے اپنی صفائی میں یہ بات کہنی اس لئے ضروری سمجھی تھی کہ اگر یہ اپنے ان دونوں ساتھیوں کی موت کا بدلہ مجھ سے لینا چاہتے ہوں تو کسی حد تک ان کا اشتعال کم ہو جائے لیکن باوجود اس کے وہ اس بار حتمی لہجے میں بولا۔ "تمہیں ہمارے ساتھ ہر قیمت پر چلنا ہوگا...... اس کی وجہ تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گی ...... ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے...... اب بتاؤ چلتے

ہو یا دوسرا طریقہ اپنائیں؟''

میرے لئے یہ صورت حال خاصی مخدوش تھی...... میں نہیں جانتا تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ کیوں لے جانے پر مصر تھے اور میرے اغواء سے وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے جبکہ انہیں اس نوادراتی خزانے کا بھی علم ہو چکا تھا تو میں سمجھتا تھا کہ اب نہ صرف میری بلکہ اس نقشے کی بھی حیثیت ان لوگوں کے لئے کچھ نہیں رہی تھی تو کیا یہ لوگ اپنے ان دو ساتھیوں کی موت کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ اس خطرناک خیال نے میرے وجود میں ایک سرد لہر دوڑا دی تھی اور ایک انجانے خوف کی وجہ سے میری پیشانی پر سردی کے باوجود پسینے کے ننھے قطرے ابھر آئے تھے۔

''تم اس طرح نہیں مانو گے......'' بالآخر اس ڈھاٹا پوش شخص کی سناٹے دار آواز نے مجھے چونکا دیا اور اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا، اس نے اپنے ساتھیوں کو ایک مخصوص اشارہ کیا اور انہوں نے پہلے میرے دونوں ہاتھوں کو پشت کی طرف کر کے ایک نائیلون کی مضبوط ڈوری سے باندھے اس کے بعد میری آنکھوں پر ایک پٹی باندھ دی اور مجھے رائفلوں کی نال کے ٹہوکوں سے بیڈ سے نیچے اتار دیا پھر وہ مجھے بازوؤں سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے کر چل دیئے۔

لمحہ بہ لمحہ میری کیفیت دگرگوں ہو رہی تھی، ایسے میں مجھے جاڑو خان کا بھی خیال آیا کہ نجانے ان بدمعاشوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔

میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہونے کی وجہ سے مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا البتہ میرے دائیں بائیں دو بدمعاش مجھے بازوؤں سے سہارا دیئے اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔

بہرطور ریسٹ ہاؤس کے جانے کسی گوشے سے باہر آ کر انہوں نے مجھے کسی گاڑی میں بٹھا دیا...... میرے بیٹھتے ہی گاڑی کے اندر دوسرے افراد بھی سوار ہو گئے، مجھے غالباً انہوں نے اپنے درمیان میں بٹھایا تھا۔

رات کے ٹھٹھرتے سناٹے میں گاڑی کے انجن کے اسٹارٹ ہونے کی غراہٹ فضا میں ابھری اور اگلے ہی لمحے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

ہچکولے کھاتی گاڑی کا سفر لگ بھگ گھنٹہ بھر جاری رہا پھر جانے کس مقام پر

گاڑی رک گئی...... ایک بدمعاش نے میری آنکھوں سے پٹی بھی اتار دی...... پہلے تو مجھے اپنی آنکھوں کے آگے دھبے دھبے سے محسوس ہونے لگے پھر میں بری طرح چونکا...... ہم کسی جنگل ڈیرے پر کھڑے تھے جہاں کہیں کہیں روشنی بھی نظر آ رہی تھی، یہ شاید گیس کے ہنڈے تھے...... جس گاڑی میں ہم سوار تھے، یہ انتہائی پرانے ماڈل کی لینڈ کروزر جیپ تھی۔

مجھے گاڑی سے نیچے اتارا گیا، چہارسو گھمبیر تاریکی تھی، ایسا ماحول دیکھ کر بے اختیار میرا دل زور سے دھڑکا تھا...... میری چھٹی حس نے چلا چلا کر مجھے یہ باور کرا دیا کہ میں کسی بدنام دھاڑیلوں (ڈاکوؤں) کے نرغے میں پھنس چکا ہوں اور اب نجانے یہ لوگ میرا کیا حشر کرنا چاہتے تھے...... ان لوگوں نے اب اپنے چہروں و سے ڈھاٹے اتار لئے تھے...... وہ سب کے سب کالی اور کھلے پائینچوں والی گھیردار شلوار پہنے ہوئے تھے...... وہ لوگ مجھے کسی جانور کی طرح ہنکاتے ہوئے ایک گپھا (غار) میں لے آئے جہاں کہیں کہیں خودرو جھاڑیاں اور گھاس اگی ہوئی تھی، یہ گپھا اندر سے خاصی کشادہ اور گہری تھی جس کی دیواروں پر بھی کہیں کہیں گھاس نظر آ رہی تھی...... یہاں بھی ایک الاؤ کے گرد انہی سے مشابہہ کچھ دھاڑیل (ڈاکو) چینی ساخت کی رائفلیں سنبھالے بیٹھے تھے۔

مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ سارے یکدم اٹھ کھڑے ہوئے...... ان میں ایک خاصے مضبوط تن و توش کے نکلتے ہوئے قد کے مالک شخص پر ''سرغنہ'' کا گمان ہو رہا تھا، اس کے بھاری چہرے پر پتھر کی سی سختی کھنڈی ہوئی تھی اور آنکھوں میں شکرے کی سی چمک ہلکورے لے رہی تھی، مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کی خونخوار آنکھوں میں ایک مخصوص قسم کی سفاکانہ چمک عود کر آئی۔

''سائیں وڈا......! شکار حاضر ہے۔'' میرے ساتھ آنے والے ایک دھاڑیل نے فخریہ انداز میں اپنے سرغنہ سے کہا تو جواباً وہ مجھ سے مخاطب ہو کر گونجدار لہجے میں بولا۔ ''ہوں...... تو تم فیض محمد بگھیو ہو......؟''

''مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے...... میری تم لوگوں کے ساتھ کیا دشمنی ہے؟'' میں نے بالآخر اپنی ہمت مجتمع کرتے ہوئے سرغنہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

قدرے بے خوفی سے کہا تو وہ جیسے میرے انداز تخاطب پر ہتھے سے ہی اکھڑ گیا اور مجھے گریبان سے پکڑ کر میرا چہرہ اپنے آتش رو چہرے کے قریب کرتے ہوئے خوفناک لہجے میں دھاڑا۔ ''تمہاری ہم سے دشمنی یہ ہے کہ تم نے اس خزانے کا راز پا لیا ہے جسے ہم لوگ حاصل کرنا چاہتے ہیں ...... سمجھے ...... اور وہ خزانہ جب تک ہمارے ہاتھ نہیں لگ جاتا، تم ہماری قید میں رہو گے۔''

اس کی بات سن کر میں نے پھر قدرے بے خوفی کا انداز اپناتے ہوئے پہلے اس کی مٹھی سے اپنا گریبان چھڑایا اور بولا۔ ''میں ایک سرکاری آفیسر ہوں ...... میری گمشدگی کی وجہ سے علاقے کی پوری انتظامیہ حرکت میں آ سکتی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ میرا باپ پورے ''تر'' کا ایک بااثر شخص ہے۔''

اسی لمحے اس کا ہاتھ حرکت میں آیا۔ ''چٹاخ'' کی گونجدار آواز گپھا میں پھیل گئی اور اس کے بھاری ہاتھ کی انگلیوں کے نشان میرے گال پر ثبت ہو کر رہ گئے ...... تکلیف اور غصے کی خجالت آمیز شدت سے میرے ہونٹ بھنچ گئے ...... مجھے اپنے گال پر جلن اور ہونٹوں کے کونے پر اپنے ہی خون کا ذائقہ محسوس ہوا جسے میں نے فوراً زمین پر تھوک دیا اور غصیلی نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا۔

وہ سرغنہ مجھ سے قہر آلود لہجے میں بولا۔ ''شیر کو شیر کے بھٹ میں للکارنے کا انجام جانتے ہو......؟ میرا نام عاربو دھاڑیل ہے ...... پورے صوبے میں میری دہشت ہے ...... بڑے بڑے سرکاری افسران میرے نام سے ہی کانپ اٹھتے ہیں ......تم کیا چیز ہو؟''

میں واقعی اس کے نام سے ایک لمحے کو دہل سا گیا کیونکہ یہ نام میں علاقائی اخباروں میں بارہا پڑھ چکا تھا اور یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہوتے ہی کہ میں اس وقت ایک بڑے اور بدنام ڈاکوؤں کے گروہ کے نرغے میں آ چکا تھا ...... میرے اندر ایک خوف نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا ...... عاربو دھاڑیل (ڈاکو) نامی اس سفاک اور خونی شخص کے سر کی قیمت لاکھوں روپے مقرر تھی اور پورے صوبے کی پولیس کو اس نے تگنی کا ناچ نچا رکھا تھا یہی نہیں بلکہ بڑے بڑے آفیسروں اور دولت مند افراد کو بھی اس نے تاوان کے لئے نہ صرف یرغمال بنایا تھا بلکہ کئی بے گناہ اور

معصوم افراد کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارنے کے گھناؤنے جرم میں ملوث رہ چکا تھا۔

میرے ہاتھ ہنوز پشت سے بندھے ہوئے تھے۔ بعد میں انہوں نے مجھے گپھا کی دیوار میں گڑھی ہوئی ایک مضبوط میخ کے ساتھ بندھی ہوئی زنجیروں سے میرے پاؤں باندھ کر زمین پر بٹھا دیا تھا...... اتنے میں عاربو دھاڑیل بھی زمین پر پالتی مار کر بیٹھ گیا اور میری جانب برماتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''جب تک وہ خزانہ ہمارے ہاتھ نہیں لگ جاتا، تم یہیں قید رہو گے ...... خبردار یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو کتے کی موت مار دیئے جاؤ گے۔'' اس کے لہجے میں اچانک ہی خونخواری عود کر آئی تھی۔

میں اب جان چکا تھا کہ جب تک ان مردودوں کے ہاتھ وہ خزانہ نہیں لگ جاتا، یہ مجھے ادھر ہی مقید رکھیں گے، اس کے بعد وہ میرے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں، اس سلسلے میں بھی مجھے تشویش تھی کیونکہ اب اس خزانے کا علم نہ صرف مجھے تھا بلکہ انہیں بھی اس کا پتہ چل چکا تھا اور مجھے اس خزانے سے دور رکھنے کی غرض سے یہاں قید کر دیا گیا تھا۔

اتنے میں عاربو دھاڑیل بولا۔ ''اب تم مجھے یہ بتاؤ بابا کہ وہ نقشہ تمہارے ہاتھ کس طرح لگا۔''

میں اس کی بات سن کر ذرا چونکا ...... مجھے امید نہ تھی کہ وہ ایسا سوال بھی مجھ سے کر سکتا ہے کیونکہ میرے خیال کے مطابق اسے آم کھانے سے مطلب ہونا چاہئے تھا پیڑ گننے سے نہیں ...... اور آم اسے مل چکے تھے بہرطور میں نے جواباً کہا۔ ''یہ مجھے جنگل میں پڑا ملا تھا۔''

''جھوٹ بولتے ہو تم......'' وہ غرایا۔ ''ہم نے اچھی طرح اس بارے میں چھان بین کی ہے ...... ہمارے مخبر پولیس سے کہیں زیادہ ہوشیار ہیں اور سچ یہ ہے کہ وہ نقشہ کسی کادو جلھرانی کی لاش کے پیٹ میں ڈال دیا گیا تھا جس نے یہ کام کیا تھا، وہ بھی جہنم واصل ہو چکا ہے، اس کا خیال تھا کہ وہ خزانہ اگر اس کے ہاتھ نہ لگ سکا تو کسی کو بھی نہ ملے اور ہمیشہ کے لئے زمین میں دفن ہو جائے۔'' اتنا کہہ کر وہ رکا

اور پھر مجھے مخاطب کر کے کھردرے لہجے میں بولا۔ ''ہم اس لئے تم سے یہ پوچھنا چاہ رہے ہیں کیونکہ اس دوران ہمارے اپنے ساتھیوں نے اس نقشے سے دور رکھنے کے لئے اور ہمیں دھوکے میں رکھتے ہوئے ایک چال چلنے کی کوشش کی تھی لہٰذا ہماری اطلاع کے مطابق چونکہ کادو جکھرانی کو تمہارے ریسٹ ہاؤس کے اطراف کے جنگل میں کہیں دفن کر دیا گیا تھا اس لئے بعد میں تمہیں بھی اس کی بھنک پڑ گئی تھی اور تم ان سب افراد سے واقف ہو جو رات کی تاریکیوں میں پاگلوں کی طرح جگہ جگہ گڑھے کھود کر کادو جکھرانی کی لاش کو ڈھونڈنے کی کوششیں کر رہے تھے۔'' عاربو دھاڑیل نے اپنی بات ختم کی تو میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔

عاربو دھاڑیل اس وقت میرے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ پر یقین کرتے ہوئے ان لوگوں کو مزہ چکھا سکتا تھا جس نے کادو جکھرانی کی لاش کو ادھیڑ ڈالا تھا لیکن میرے اندر کا فطری تجسس اب بھی اس پراسرار معاملے سے پردہ اٹھتے دیکھنے کے لئے بے چین تھا لہٰذا کچھ بتانے سے پہلے میں نے عاربو سے کہا۔ ''میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا اور یہ سچ ہے کہ میں نے یہ ساری پراسرار کارروائی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے لیکن کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ سب سے پہلے وہ نقشہ کس نے دریافت کیا تھا اور بعد میں اسے کادو جکھرانی کی لاش میں چھپانے کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی۔''

''تم بڑے جی دار انسان ہو بگھیو صاحب ...... بہادروں کی میں قدر کرتا ہوں۔'' عاربو دھاڑیل نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ہمارا اندازہ درست تھا کہ تم خزانہ حاصل کر کے سرکار کے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اسی لئے تمہیں یہاں اپنا قیدی بنانا پڑا، اب وہ خزانہ حاصل کرنے کے بعد ہم تمہیں چھوڑ دیں گے ...... سنو ...... دادن شاہ کا نام تو تم جانتے ہو نا ......''

میں نے قدرے چونک کر اثبات میں اپنا سر ہلانے پر اکتفا کیا تاہم مجھے اس کی اس بات پر قدرے طمانیت محسوس ہوئی تھی کہ وہ سردست مجھے کسی قسم کا جانی نقصان پہنچانے کے درپے نہ تھے کیونکہ میرے بارے میں وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ میں لالچی انسان نہ تھا نیز وہ خزانہ بھی محفوظ ہاتھوں میں پہنچانا چاہتا تھا جو میرے ملک اور قوم کی امانت تھا۔

بہرطور ...... اس نے بتانا شروع کیا۔ ''یہ نقشہ آج سے کئی سال پہ دادو کے بدنام ڈاکو خانو ماچھی کے ہاتھ لگا تھا، پہلے تو وہ بھی اس میں سر کھپاتا رہا مگر پھر اچانک اسے اس بوسیدہ ٹکڑے کی اہمیت کا اندازہ ہوا تو اس نے اپنی فطرت سے بالکل مختلف عمل کرتے ہوئے وہ نقشہ اس شرط پر حکومت کے حوالے کرنے کا وعدہ کیا کہ اسے عام معافی دے دی جائے لیکن پھر اس کے گروہ کے ایک قریبی ساتھی نے اپنے سردار خانو ماچھی کو قتل کر دیا اور وہ نقشہ لے کر فرار ہو گیا ...... اس کے کچھ ہم خیال ساتھی بھی ہمراہ تھے ...... بعد میں ان کے درمیان بھی پھوٹ پڑ گئی ...... ان میں کچھ افراد پتھاریدار دادن شاہ کے بھی تھے پھر کادو جکھرانی بھی ان میں شامل تھا جو دادن کے مخالف گروہ سے تعلق رکھتا تھا ...... دادن شاہ نے اپنے آدمیوں کی پشت پناہی کرتے ہوئے کادو جکھرانی کو مروا دیا لیکن اس خونریز جنگ میں کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا، خود کادو جکھرانی بھی زخموں سے چور ہو گیا تھا جبکہ نقشہ اب بھی اس کے پاس تھا ...... اسے شاید اپنی موت کا یقین ہو چکا تھا ...... وہ گرتا پڑتا ایک قریبی درگاہ کے مجاور کے پاس پہنچا اور اسے اپنے مرشد کی قسم دیتے ہوئے وصیت کی کہ اس کی موت کے بعد یہ نقشہ حفاظت کے ساتھ کسی طرح اس کی لاش میں محفوظ کر دے ...... اس کے بعد وہ مر گیا اور پھر اس مجاور نے قسم کے مطابق ایسا ہی کیا ...... ادھر ایک موالی جو میرو بھنگ موالی کے نام سے مشہور تھا، بھی وہاں موجود تھا جو درحقیقت دادن شاہ کا نمک خوار تھا لہٰذا اس مجاور نے میرو بھنگ موالی کو بھی اس راز میں شامل کر لیا تب میرو نے درگاہ کے اس بوڑھے مجاور کے ساتھ مل کر دانستہ اس جنگل میں کادو جکھرانی کی لاش دفنا دی۔ بعد میں میرو بھنگ موالی نے ساری بات دادن شاہ سے کہہ ڈالی تو اس کے کان کھڑے ہو گئے ...... دادن شاہ کی چونکہ معتبر حلقوں میں شہرت کچھ اچھی نہ تھی اس لئے میرو بھنگ موالی فوراً رات کی تاریکی میں واپس اپنی درگاہ میں آ گیا تاہم وہ جگہ کی نشاندہی نہ کر سکا تھا کہ کادو جکھرانی کو کہاں دفنایا گیا تھا۔'' اتنی تفصیل بتا کر وہ خاموش ہوا اور پھر چند لمحے توقف کر کے پھر بولا۔ ''اب ہمارے لئے مسئلہ یہ ہے کہ یہ سب باتیں دادن شاہ نے ہم سے چھپائی تھیں مگر کیوں ......؟ یہ بات تم ہمیں بتاؤ گے تم اس سلسلے میں کیا جانتے ہو؟''

کا دو جکھرانی کے سلسلے میں مفصل جانکاری نے میرے اعصاب جھنجھوڑ سے ڈالے تھے...... اس میں کوئی شک نہ تھا کہ دادن شاہ کے درپردہ بدنام ڈاکوؤں سے تعلقات تھے مگر نقشے کے سلسلے میں اس نے اپنے حریفوں کو بھی اس کی ہوا نہیں لگنے دی تھی لہٰذا میں نے پھر یار محمد اور صوبو کے کردار کو نکال کر دادن شاہ کے ڈشکرے بچل کے بارے میں اسے سچ سچ بتا دیا تھا کہ وہ نقشہ حاصل کرنے کے بعد تنہا ہی یہ خزانہ اڑانے کے چکر میں تھا۔

''ہوں......'' میری بات سننے کے بعد عاربو ڈاکو نے ایک لمبی ''ہوں'' کی اور پھر خود کلامی کے انداز میں سنسنی خیز لہجے میں بولا۔ ''اس کا مطلب ہے محمد بچل کو ہم نے اس دھوکے بازی کی صحیح سزا دی اور اب دادن شاہ بھی نہیں بچے گا میرے ہاتھوں...... دھوکا دہی کی اسے بھی سزا ملنی چاہئے۔''

میں اس کے لہجے کی سفاکی پر لرز سا گیا...... میں نے سوچا کہ محمد بچل کو اسی عاربو دھاڑیل نے قتل کروایا تھا جبکہ اس مردود دادن شاہ نے اس کا الزام سوڈھل پر لگاتے ہوئے جکھرانیوں اور کھنڈوانیوں کو آپس میں لڑوا دیا تھا لہٰذا اب مجھے بھی اپنی اس حکمت عملی پر کوئی افسوس نہ تھا کہ میں نے دادن شاہ کی بدنیتی کے بارے میں بھی عاربو ڈاکو کو سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا۔

بہرطور...... اس گفتگو کے بعد مجھے ایک چھپر نما پھونس کی چھولداری میں ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا گیا، میرے اندر کی پریشانی ذرا بھی کم نہیں ہوئی تھی، مجھے اب جانے کیوں خود سے زیادہ اس نوادراتی خزانے کی فکر ہو رہی تھی جو اب غلط لوگوں کے ہتھے چڑھنے والا تھا اور میں یہاں بے بس اور پابہ جولاں تھا۔

اسی لمحے مجھے اپنے یارِ غار جاڑو خان کا خیال آیا جو یقیناً خزانے کے سلسلے میں سب کچھ جانتا تھا اس اور میری اچانک گمشدگی پر وہ کتنا پریشان ہو رہا ہوگا...... مجھے اس بات پر بھی اچنبھا ہو رہا تھا کہ عاربو دھاڑیل نے آخر جاڑو خان کو کس طرح چھوڑ دیا تھا...... یہ تو خیر اچھا ہی ہوا تھا لیکن کیا عابرو دھاریل یہ بات نہیں جانتا تھا کہ اس خزانے کے متعلق خود جاڑو خان بھی جانتا ہے، جاڑو خان سے متعلق جانے کیوں مجھے ایک بے نام سی پریشان کن بے چینی نے آ لیا تھا اور یہی نہیں میں

اپنی سلامتی کے بارے میں بھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ خزانہ ہاتھ لگنے کے بعد یہ لوگ میرے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں۔

اس سے کہیں زیادہ فکر مجھے نوادراتی خزانے کو بچانے کی تھی مگر کیسے......؟ میں تو خود ان کے نرغے میں جکڑا ہوا تھا اور تب میں انتہائی سنجیدگی کے ساتھ یہاں سے جلد از جلد فرار ہونے کے بارے میں غور کرنے لگا...... آنکھوں ہی آنکھوں میں صبح ہوگئی اور مجھے یہاں سے فرار ہونے کی ذرا بھی راہ سجھائی نہ دی...... تھوڑی دیر بعد فطری ضروریات کے تحت میرے ہاتھ پاؤں کھولے گئے اور مجھے چائے کے ساتھ جو کی دیسی گھی میں چپڑی ہوئی روٹی دی گئی۔ اس کے بعد دوبارہ میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر بند کر دیا گیا۔

اسی دوران مجھے پتہ چلا کہ عاربو ڈاکو اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ صبح منہ اندھیرے کہیں نکل چکا تھا...... مجھے پورا یقین تھا کہ وہ کہاں گیا ہوگا، اس خیال سے ہی میں بے چین ہونے لگا۔

وہ یقیناً ''ماڑی'' کی طرف خزانہ کھودنے گیا ہوگا...... باہر مجھے عاربو کے ساتھیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں...... جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، میرے دل کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی...... میں ہر قیمت پر یہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا، عاربو دھاڑیل کو میں کسی قیمت پر بھی وہ خزانہ ہتھیانے نہیں دینا چاہتا تھا لیکن سردست یہ میرے بس میں نہ تھا...... میں نے بارہا اپنے رسن بستہ ہاتھ پیروں کو کھولنے کی سعی کی تھی مگر بے سود...... پھر ایک عجیب بات ہوئی لگ بھگ دو تین گھنٹے کے بعد مجھے باہر افراتفری سی محسوس ہوئی۔

دفعتاً دو مسلح ڈاکو اندر آئے...... میں انہیں دیکھ کر ٹھٹکا...... وہ خاصے بدحواس ہو رہے تھے پھر ایک نے صرف میرے پیروں کی رسی کھولی اور مجھے بندوق کے ٹھوکے سے اٹھایا اور اس کے بعد وہ مجھے جھونپڑی سے باہر لے آئے...... باہر ان کے تقریباً دس پندرہ مسلح ساتھی چوکس کھڑے نظر آئے...... ان کے بشروں سے پریشانی ظاہر ہو رہی تھی...... تب مجھے پتہ چلا کہ وہ یہاں سے کوچ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

پھر وہ سب ایک جانب بنے ٹیلوں اور قدآدم جھاڑیوں کے جنگل کی طرف

بڑھنے لگے...... میں نے کچھ پوچھنے کی جسارت کرنی چاہی تو مجھے سختی سے ڈپٹ کر خاموش رہنے کا حکم دیا گیا...... اس وقت ان کے سروں پر خون سوار تھا لہٰذا میں نے بھی اپنی زبان بند رکھنا بہتر سمجھا اور چپ چاپ ان کے ساتھ ہولیا۔

پھر جب ہم خودرو جھاڑیوں اور کیکر کے ایک جنگل میں داخل ہوئے تو اچانک ہمارے عقب میں فائرنگ کی تڑتڑاہٹ گونجی...... اس آواز کے ساتھ ہی وہ سب زمین پر گر گئے اور مجھے بھی عقب سے دھکا دے کر نیچے گرا دیا گیا، میرے ہاتھ ہنوز پشت پر بندھے ہوئے تھے اس لئے منہ کے بل بھربھری مٹی پر گرا...... کانٹے دار خودرو جھاڑیوں کی وجہ سے میرے چہرے پر خراشیں آ گئی تھیں، ادھر دور عقب سے متواتر فائرنگ کی تڑتڑاہٹ جاری تھی...... جواباً ڈاکوؤں نے بھی پوزیشنیں سنبھال کر جوابی فائرنگ شروع کر دی۔

اس دوران ایک ڈاکو نے قدرے چلا کر اپنے ساتھیوں کو تاکید کی۔ ''ہمیں فائرنگ کرنے کی بجائے آگے بڑھنا چاہئے ورنہ پولیس ہمیں گھیر لے گی۔''

اس کی بات سن کر میں بری طرح ٹھٹکا اور میرا یہ شک یقین میں بدل گیا کہ ان کے جنگل ڈیرے پر پولیس نے ریڈ کر دی تھی۔

یہ بات جہاں میرے لئے سودمند تھی، اس سے کہیں زیادہ خطرناک بھی ثابت ہو سکتی تھی اور پھر وہی ہوا۔

جب ہم اٹھ کر تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگے تو اچانک میرے ہمراہ چلنے والے دھاڑیلوں میں سے ایک نے اچانک رک کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''اسے ہم اپنے ساتھ کہاں لئے پھریں گے...... یہیں کیوں نہ ہلاک کر دیں۔'' اس کا اشارہ میری طرف تھا...... میرے بدن میں جھرجھری سی آ گئی اور پہلی مرتبہ خوف کے مارے میرے چہرے پر زردی سی پھیل گئی...... اس کے ساتھی خاموش تھے، ان کی خاموشی کو رضامندی سمجھتے ہوئے اس سفاک ڈاکو نے فوراً اپنی رائفل کا رخ میری طرف کر دیا اور لبلبی پر انگلی رکھ دی...... میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''رک جاؤ خمیسو خان......!'' اگرچہ یہ الفاظ اس کے سفاک ساتھی کی زبان سے اچانک ادا ہوئے تھے جو میری جان لینے کے درپے تھا مگر میرے لئے یہ الفاظ آب حیات ثابت ہوئے تھے یہی وجہ تھی کہ جو ڈاکو مجھے مارنے پر کمربستہ تھا اس کی انگلی رائفل کی لبلبی پر یکدم رک گئی نہ صرف یہ بلکہ رائفل کی نال بھی اس نے جھکا دی۔

''خمیسو خان......! اسے مارنے کی بے وقوفی مت کرنا، آڑے وقت میں ہم اسے ڈھال بنا سکتے ہیں۔'' اس نے دوبارہ اپنے ساتھی خمیسو خان سے کہا۔

ادھر میرے سینے کے پنجرے میں پھنسی ہوئی سانس کسی طائر کی طرح منہ سے نکل کر فضا میں پرواز کر گئی۔

اس کے بعد ہمارا یہ افراتفری والا سفر دوبارہ شروع ہو گیا...... فائرنگ عقب سے بدستور جاری تھی اور فائرنگ کی آواز سے یہ اندازہ لگانا ذرا بھی مشکل نہیں ہو رہا تھا کہ پولیس والے اب بتدریج ہمارے قریب ہوتے جا رہے تھے...... یہ مخدوش صورت حال بالخصوص میرے لئے بھی بڑی پریشان کن تھی بہرطور ہمارا یہ سفر جاری رہا اور میں گرتا پڑتا ان کے ساتھ ساتھ دوڑا چلا جا رہا تھا...... میرے دونوں ہاتھ ہنوز پشت پر بندھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے مجھے ناہموار راستوں پر دشواری پیش آ رہی تھی۔

ایک ڈاکو مجھے بازوؤں سے پکڑے گھسیٹنے کے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔

پھر ایک مقام پر جہاں جا بجا اونچے نیچے ٹیلے بنے ہوئے تھے انہوں نے پوزیشنیں سنبھال کر باقاعدہ پولیس فورس کے ساتھ مقابلے کا فیصلہ کر لیا مجھے بھی ایک ٹیلے کی آڑ میں بٹھا دیا گیا تھا۔

اب ڈاکوؤں اور پولیس کے درمیان گھمسان کا رن پڑ چکا تھا...... اندازہ ایسا ہو رہا تھا کہ دھاڑیلوں کے مقابلے میں پولیس فورس کی قوت ونفری زیادہ تھی۔ زیادہ امکان یہی تھا کہ جلد بہ دیر پولیس فورس ان پر حاوی آ جائے گی۔ ایسے میں مجھے وہ گفتگو یاد آنے لگی جب خمیسو نامی ڈاکو نے مجھے اپنی گولی کا نشانہ بنانا چاہا تھا تو اس کے ساتھی نے کہا تھا کہ آڑے وقت میں مجھے ڈھال بنا کر بآسانی پولیس کے نرغے کو توڑ کر نکل سکتے تھے یعنی دونوں صورتوں میں وہ مجھے قربانی کا جانور بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ آتشیں اسلحوں کی شمع خراشی سے مجھے اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ میرے آس پاس پیٹ کے بل لیٹے ہوئے دھاڑیل (ڈاکو) مسلسل فائرنگ میں مصروف تھے مگر اب ان کے بشروں سے پریشانی اور بدحواسی کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔

صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ رفتہ رفتہ پسپائی کی طرف بڑھ رہے ہیں پھر بالکل غیر متوقع واقعہ ظہور پذیر ہوا...... جانے کس طرف سے دھاڑیلوں کے ایک اور گروہ نے بھی پولیس پر ہلہ بول دیا تو ان کے چہرے پر پہلے خوشی اور پھر جوش سا امڈ آیا...... ان کے پست پڑتے حوصلے اچانک بلند ہو گئے...... اب انہوں نے جم کر فائرنگ شروع کر دی اور دیکھتے ہی دیکھتے پولیس فورس کے کئی اہلکار مارے گئے تو انہوں نے پسپائی کی راہ اختیار کی۔

پھر نصف گھنٹے تک گھمسان کے پڑے ہوئے اس رن کو جیسے سانپ سونگھ گیا...... اعصاب شکن دھماکوں کے بعد فضا میں سناٹا کچھ زیادہ ہی محسوس ہونے لگا...... دھول مٹی اور بارود کی ناگوار بو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔

خود مجھے ابھی تک اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ آخر یہ کون سا ڈاکوؤں کا گروہ تھا جو ان کی مدد کے لئے میدان میں کود پڑا تھا پھر جلد ہی مجھ پر یہ روح فرسا انکشاف ہوا کہ اچانک کود پڑنے والا یہ گروہ انہی کا تھا۔ یہ عاربو دھاڑیل کا وہ گروہ تھا جو علی الصباح اپنے ڈیرے سے خزانہ نکالنے کے لئے نکل پڑا تھا، نہ صرف یہ کہ وہ ''ماڑی'' سے نوادراتی خزانہ بڑی کامیابی سے نکال آیا تھا بلکہ اس نے ایک شخص کو یرغمال بھی بنا لیا تھا اور وہ یرغمالی شخص دادن شاہ تھا...... عاربو دھاڑیل سے مجھے

اس قدر جلد کامیابی کی توقع نہ تھی...... دادن شاہ کو وہ انتقاماً یرغمال بنا لایا تھا۔ اب اس کی حالت میری طرح بدحال قیدی کی سی ہو رہی تھی...... اس کے دونوں ہاتھ بھی پشت کی جانب باندھے گئے تھے بعد میں پتہ چلا کہ عاربو دھاڑیل اپنی کامیاب کارروائی کے بعد جب واپس اپنے ڈیرے پہنچا تو وہاں اسے ابتری کے آثار نظر آئے پھر وہ ساری صورت حال سمجھ گیا لہٰذا اپنے ساتھیوں یعنی ہماری تلاش میں وہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ اس کی کھاگ نظروں نے زمین پر پھیلے ہوئے پولیس فورس کے مخصوص بوٹوں کے نشان دیکھ لئے تھے اور یوں وہ نہ صرف اپنے ساتھیوں سے آن ملا تھا بلکہ پولیس فورس کا بھی مقابلہ کیا تھا۔

بہرطور میری متلاشی نگاہیں اس خزانے کو ڈھونڈ رہی تھیں جو ہنوز میری نظروں سے اوجھل تھا...... جانے عاربو نے اسے کہاں منتقل کیا تھا۔

دادن شاہ مجھے ان لوگوں کے نرغے میں دیکھ کر پہلے تو چونکا تھا مگر پھر اس کے چہرے سے زہرخند تاثرات ابھرے...... ہمارے درمیان سردست کوئی بات نہ ہو سکی تھی۔

ڈاکوؤں کا قافلہ اب نجانے کون سی منزل کی جانب گامزن تھا...... مگر اتنی مجھے سن گن ضرور مل گئی تھی کہ یہ لوگ کسی محفوظ کمین گاہ کی طرف محوسفر تھے...... بالآخر وہ جگہ بھی آ گئی...... یہ ایک لئی اور کیکر کا گھنا جنگل تھا جس کے دامن میں اونچے نیچے ٹیلے ہے اور ریتلے ہٹ بھی تھے...... یہاں ایک ٹرک بھی کھڑا دکھائی دیا جس پر ترپال پڑی ہوئی تھی...... یہاں چند دھریل پہلے سے موجود تھے جو ظاہر ہے انہی لوگوں کے ساتھی تھے...... یہاں خاصی تعداد میں گھوڑے بھی موجود تھے...... تین جھونپڑیوں کے علاوہ ایک قدرے وسیع سائبان بھی نصب تھا...... وہ سب لوگ اس سائبان تلے جمع ہو گئے جس کی بھربھری زمین پر ان لوگوں نے چادریں اور رلیاں بچھا لی تھیں۔ میں نے دیکھا ان کا سرغنہ غیر معمولی طور پر خوش اور مسرور نظر آ رہا تھا محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً خزانہ اس کے ہاتھ آ گیا تھا...... میرا دل جانے کیوں بڑا اداس سا ہونے لگا تاہم بے چینی بھی تھی۔ درحقیقت میں وہ خزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا...... عاربو ڈاکو نے میری یہ بے چینی بھانپ لی...... اس نے پہلے

میری طرف اور پھر میرے قریب ہی پڑے دادن شاہ کو استہزائیہ نظروں سے دیکھا اور پھر کھردرے لہجے میں بولا۔ ''کیوں بابا...... پالا مار لیا نا آخر...... لیکن لگتا ہے تم دونوں کو ہماری کامیابی کا یقین نہیں آ رہا...... آؤ...... خود آنکھوں سے اپنی دیکھ لو۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھا باقی ساتھی بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ سب اپنے سردار کی طرح خوشی سے باچھیں پھیلائے ہوئے تھے۔

حرص و ہوس کے ان پجاریوں کی آنکھوں سے بلا کی وحشت مترشح ہو رہی تھی...... لالچ میں ڈوبی ہوئی مسرت ان سب کے روئیں روئیں سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

وہ سب تیس پینتیس کے لگ بھگ ہوں گے...... ان میں خیسو خان نامی دھاڑیل کی حیثیت عاربو کے بعد نمبر دو کی سی تھی...... میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر خوشی سے زیادہ ایک گہری قسم کی خاموشی طاری تھی اور ایسے میں جانے کیوں میرا دل ایک عجیب اندیشے کے تحت دھڑکا تھا۔ میری چھٹی حس نے کسی انجانے خطرے کا الارم بجانا شروع کر دیا تھا۔

عاربو دھاڑیل فتح کے نشے میں پاگل ہوا جا رہا تھا۔

ٹرک کے جنگلے کا آہنی پٹ گھول کر نیچے گرا دیا گیا۔ اس کے بعد عاربو ڈاکو تنہا قہقہے لگاتا ہوا ٹرک پر چڑھ گیا اور ایک جھٹکے سے ترپال کھینچ دی۔

سامنے فرش پر ایک سالخوردہ سا چوبی صندوقچہ رکھا ہوا تھا جس کا ڈھکن قدیم طرز کے صندوقچوں کی طرح محرابی تھی...... وہ یقیناً کسی زمانے میں دیدہ زیب رہا ہوگا مگر کہن سالی اور شاید زمین میں دبے رہنے کی وجہ سے بدرنگا ہو رہا تھا۔

اسکا زنگ آلود قفل توڑا جا چکا تھا...... عاربو دھاڑیل ٹرک پر تن تنہا کھڑا تھا...... باقی ہم سب نیچے کھڑے ہونقوں کی طرح سر اٹھائے اس کی جانب یوں تکے جا رہے تھے جیسے وہ وہ کوئی مداری ہو اور ابھی کرتب دکھانے والا ہو۔

اس نے صندوقچے کا ڈھکن کھولا اور سب سے پہلے خیرہ کن ہیروں اور موتیوں کی مالائیں دکھائیں...... ہم سب کی آنکھیں پھیل گئیں...... کندنی دھوپ کی کرنیں ان کے نگوں سے منعکس ہو رہی تھیں پھر اس نے ایک کھلونا قسم کی بیل گاڑی، سونے کی مہریں، منقش ہیروں اور سچے موتیوں کے نقش و نگار والے سونے

چاندی کے برتن، پانی کے مٹکے جن پر سونے کی تاروں والے نہایت خوبصورت بیل بوٹے بنے ہوئے تھے ڈیزائن دار دستوں والے خنجر اور ہتھیار نہایت بیش قیمت گلوبند جڑاؤ کنگن دکھائے۔

یہ سب چیزیں ایک ایک کر کے عاربو ڈاکو ہم لوگوں کو دکھا رہا تھا۔ اس کی سرخ سرخ ابلتی ہوئی آنکھوں سے وحشت مترشح تھی۔

غرض اس عظیم خزانے کو دیکھ کر ہماری آنکھیں چندھیا گئیں...... میں نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے ادھر عاربو دھاڑیل دیوانوں کی طرح قہقہے لگائے جا رہا تھا...... اس کی دیکھا دیکھی نیچے کھڑے اس کے ساتھیوں نے بھی بدمست ہو کر قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔

عاربو مارے خوشی کے دیوانہ ہوا جا رہا تھا پھر وہ خوشی کے لہجے میں چلا کر اپنے ساتھیوں سے بولا۔ ''اس سارے خزانے کے اب ہم مالک ہیں...... تنہا...... پاگلو تم سب اب امیر ترین انسان بن گئے ہو...... یہ...... یہ وہ خزانہ ہے جو پاگل خانو ماچھی سرکار کے حوالے کرنا چاہتا تھا...... ہا...... ہا...... ہا...... بے وقوف......''

اس کی یاوہ گوئی جاری تھی اور میں نے غصے کے مارے اپنے ہونٹ دانتوں تلے بھینچ لئے تھے۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں یہ سارا خزانہ اس لالچی انسان سے چھین لوں جو ملک و قوم کا ایک مقدس ورثہ تھا...... میرے اندر آندھیاں سی چلنے لگیں۔

ادھر عاربو کی دیوانگی عروج پر تھی پھر اس نے صندوقچہ بند کیا اور اس پر ترپال ڈال دی۔ اس کے بعد وہ نیچے اتر آیا اور اس کے ساتھی باری باری قریب آ کر اس کا کندھا تھپتھپانے لگے جیسے وہ کوئی بڑا میدان مار کر آیا ہو۔

اتنے میں عاربو، دادن شاہ کے قریب آیا اور گھورتے ہوئے خونخوار لہجے میں بولا۔ ''دادن شاہ......! تو نے ہمیں دھوکا دیا لیکن اس کے باوجود اس عظیم خزانے کے مالک اب ہم ہیں...... اگر تو ہمارے ساتھ ایسا نہ کرتا تو آج اس خزانے میں تمہارا بھی حصہ ہوتا لیکن اب تمہارے حصے میں موت آئی ہے...... صرف موت......'' یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں شعلے سے رقصاں ہونے لگے۔

تب پھر اس کا قریبی ساتھی خمیسو خان اپنے سردار عاربو دھاڑیل سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''سردار سائیں......! اب ان دونوں کا کیا کرنا ہے......؟'' اس کا اشارہ یقینی طور پر میرے اور دادن شاہ کی طرف تھا۔

اپنے ساتھی کی بات سن کر عاربو نے ایک گھمبیر ہنکاری بھری پھر وہ دونوں کی طرف گھورتے ہوئے بولا۔ ''ان دونوں کا بھی کچھ کرنا ہی پڑے گا۔'' اس کے لہجے کی سفاکی نے نہ صرف مجھے بلکہ دادن شاہ کو بھی لرزا کر رکھ دیا۔

دادن شاہ کے بھاری بھرکم چہرے پر موت کی زردی چھاتی چلی گئی اور وہ لرزیدہ سے لہجے میں عاربو سے گڑگڑا کر بولا۔ ''عاربو......! دیکھ تو یہ سارا کا سارا خزانہ لے لے اور......اور مجھے بخش دے۔''

''ہا...... ہا۔'' اس کی التجا پر عاربو کے حلق سے ایک بے ہنگم سا قہقہہ نکلا اور وہ دادن شاہ کا گریبان پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے زہر خند لہجے میں بولا۔ ''ہمیں کون یہ خزانہ لینے سے روک سکتا ہے...... بتا لیکن تجھے سبق سکھانا ضروری ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''اس مردود ریچھ کو کیکر کے درخت پر الٹا لٹکا دو۔'' اس کا اتنا کہنے کی دیر تھی کہ آناً فاناً عاربو کے ساتھیوں نے دادن شاہ کو پکڑ کر اس کے ٹخنوں سے رسی باندھ کر اسے درخت کی ایک اونچی اور قدرے موٹی شاخ پر الٹا لٹکا دیا۔ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ بری طرح درخت سے الٹا لٹک کر چیخنے لگا تو عاربو کے ساتھیوں نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔

اب اس کا وجود فضا میں معلق بری طرح مچلنے لگا...... اس کی حالت مضحکہ خیز حد تک قابل رحم ہو رہی تھی...... میں نے دیکھا آن کی آن میں اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا...... میں اس دردناک حقیقت کا تصور کر کے ہی کانپ کر رہ گیا تھا کہ جب اس کا ڈرم جیسے جسم کا سارا خون اس کے دماغ میں سیلاب کی طرح امڈ آئے گا تو پھر اس کی کیا حالت ہو گی؟

اب خود مجھے اپنے بارے میں فکر لاحق ہونے لگی تھی کہ یہ ظالم لوگ میرے ساتھ نجانے کیسا سلوک کرنے والے تھے...... خدا کا شکر ہوا کہ عاربو نے مجھے تشدد

کا نشانہ بنانے کے بجائے ایک جھونپڑی میں قید کر دیا۔

رفتہ رفتہ فضا میں اب سرمئی شام اترنے لگی تھی اور جھونپڑی سے باہر وہ سب لوگ ایک جشن کا سماں باندھے ہوئے تھے...... ان کے زور زور سے ہنسنے بولنے اور ٹھٹھے مارنے کی بدمست آوازیں میری سماعتوں میں پگھلا ہوا سیسہ اتار رہی تھیں...... مجھے اب اپنے سے زیادہ اس بات کی فکر کھائے جا رہی تھی کہ ''ماڑی'' کا یہ عظیم نوادراتی خزانہ ان بدبخت ڈاکوؤں کے ہاتھ لگ چکا تھا...... جب رات سر پہ آئی تو مجھے سردی کے ساتھ بھوک کا بھی احساس ہونے لگا لیکن میں اس کی پرواہ کئے بغیر اسی سوچ میں غرق تھا کہ کسی طرح یہ خزانہ عاربو اور اس کے ساتھیوں سے چھین کر ملک کے ذمہ دار افراد کے حوالے کر دوں کیونکہ یہ خزانہ اس دھرتی کی امانت تھا اور مجھ پر اس وقت بہرصورت یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ میں اس امانت میں خیانت کرنے والوں کو نیست و نابود کر دوں لیکن جب میں اپنے آپ کو پابند سلاسل محسوس کرتا تو میرا دماغ جھنجھنا اٹھتا پھر میں اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے ٹھنڈے دماغ سے اس مسئلے کے حل پر غور کرنے لگا تو دفعتاً ہی میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور خمیسو خان کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گھوم گیا...... جس کے چہرے کے عجیب تاثرات بھانپتے ہوئے مجھے یہ اندازہ لگانے میں چنداں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ تنہا ہی یہ خزانہ ہڑپ کرنے کے چکر میں تھا۔

تب میں اپنے ذہن کو مزید وسیع کرتے ہوئے منصوبہ بندی کرنے لگا...... میں اب عاربو کے گروہ میں پھوٹ ڈالنا چاہتا تھا اگرچہ یہ ایک خطرناک کام تھا اور اس میں خود میری اپنی جان کو بھی لاکھ خطرات درپیش ہو سکتے تھے مگر میں نے اس کام کا بیڑہ اٹھا لیا تھا...... میں نے صدق دل سے اللہ سے مدد کی دعا مانگی اور اپنے اس ''خطرناک'' منصوبے پر غور کرنے لگا۔

معاً دو افراد میری جھونپڑی میں داخل ہوئے...... وہ کھانا لے کر آئے تھے...... کھانا کیا تھا سوکھی روٹی اور پیاز کی گانٹھ...... ان میں سے ایک نے میرے ہاتھوں کی رسیاں کھولیں پھر جب وہ جانے لگے تو میں نے انہیں آواز دے کر روکا۔

"کیا بات ہے......؟" ان میں سے ایک ڈاکو کرخت لہجے میں مجھ سے بولا تو میں نے کہا۔ "میرا ایک کام کر دو...... اپنے ساتھی خمیسو خان کو یہاں بھیج دو میں اس سے کچھ ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

میری بات سن کر انہیں قدرے اچنبھا ہوا مگر پھر وہ اپنا سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئے ان کے جانے کے بعد میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا...... میں اپنے خطرناک منصوبے کا آغاز کر چکا تھا۔ اب کامیابی کا دارومدار خمیسو خان کا یہاں پہنچنے پر تھا۔

مجھے اس بات کا امکان کم ہی نظر آ رہا تھا کہ یہ لوگ خمیسو خان تک میرا پیغام دیں گے بلکہ زیادہ خطرہ اس بات کا تھا کہ اگر انہوں نے میرا پیغام خمیسو خان تک پہنچانے کی بجائے اپنے سردار عاربو کو بتا دیا تو چالاک اور سفاک انسان میرا حشر دادن شاہ سے بھی برا کرے گا۔

سیاہ ٹھٹھرتی رات کا ایک ایک لمحہ مجھ پر بھاری سل کی طرح گزر رہا تھا...... میں بے چینی کے ساتھ خمیسو خان کی پراسرار آمد کا منتظر تھا پھر رات کے کسی پہر جھونپڑی کے باہر کھٹکا ہوا...... میرا دل یکبارگی زور سے دھڑکا...... باہر اندھیری رات کے سناٹے میں سرد ہوائیں شور مچا رہی تھیں۔ میں نے دیکھا اندر آنے والا شخص خمیسو خان تھا...... اسے دیکھتے ہی میرا دل زور سے دھڑکا...... اس نے اندر آتے ہی میری جانب غور سے دیکھا...... گیس کے ہنڈے کی مدھم روشنی میں اس کے چہرے پر کچھ اور ہی تاثرات نمایاں ہو رہے تھے...... صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ میرے جھونپڑے میں چوروں کی طرح خاموشی سے آیا تھا۔

"تم نے مجھے کیوں بلایا ہے؟" اس نے ذرا قریب آ کر مجھ سے معنی خیز مگر قدرے درشت انداز میں سرگوشی کی۔

جواباً میں نے بھی لہجے کو قدرے معنی خیز بناتے ہوئے خمیسو خان سے سرگوشی میں کہا۔ "خمیسو خان......! تم بے وقوف ہو...... تم لوگوں کو کچھ پتہ نہیں تمہارا سردار تنہا یہ سارا خزانہ ہڑپ کر جانا چاہتا ہے۔"

میری بات سن کر وہ ذرا چونکا مگر پھر درشت لہجے میں بولا۔ "کیا بکواس

کرتے ہو...... بھلا سردار ہم سے کیوں کر دھوکا کر سکتا ہے؟"

اس کا لہجہ استفسار طلب تھا، میں نے کہا۔ "تم شاید نہیں جانتے کہ تمہارا یہ سردار کئی بار میرے ریسٹ ہاؤس پر میرے پاس آ چکا تھا اس وقت وہ نقشہ میرے پاس تھا...... اس نے مجھے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تھی اور کہا تھا کہ میں اس کی مدد کے بغیر خزانہ ماڑی کے کھنڈرات سے نہیں نکال پاؤں گا مگر جب میں نے تمہارے سردار سے کہا کہ بالفرض میں نے تمہاری بات مان لی تو تمہارے بہت سے ساتھی اپنا اپنا الگ حصہ مانگیں گے جبکہ میں اکیلا ہوں میرے ہاتھ کیا آئے گا...... اس پر تمہارے سردار نے ہنستے ہوئے کہا تھا کہ میں اس کے ساتھیوں کی فکر نہ کروں...... وہ ان سب کو بہانے بہانے سے موقع دیکھ کر پولیس کے ہاتھوں یا تو گرفتار کروا دے گا یا پھر مروا دے گا...... میری بات کا یقین کرو...... آج صبح جیسے ہی اس کے ہاتھ خزانہ لگا اس نے پولیس فورس کو اپنے ڈیرے کے بارے میں خفیہ اطلاع دے کر یہاں چھاپہ مروا دیا تھا۔" میں نے اتنا کہا اور اپنی من گھڑت کہانی کی اثر پذیری کا ردعمل خمیسو خان کے متردد چہرے پر بھانپنے لگا...... اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور دوسرا جا رہا تھا پھر لمحہ بھر توقف کے بعد وہ تشکیک بھرے لہجے میں آنکھیں سکیڑ کر میری جانب تکتے ہوئے بولا۔ "اگر یہ بات ہوئی تو سردار دوبارہ کیوں ہماری مدد کو آتا......"

اس کی بات سن کر میں نے ایک گہری سانس لی پھر بولا۔ "تم واقعی بے وقوف ہو...... تمہارا سردار بڑا چالاک آدمی ہے۔ وہ تم سب کو بڑے سلیقے کے ساتھ نیست و نابود کرنا چاہتا ہے تاکہ اس پر کسی کو ذرا بھی شک نہ ہو...... ویسے تمہاری مرضی......؟" میں نے پھر ایک نیا پینترا بدلتے ہوئے کہا۔ "اگر تم یہ نہیں چاہتے کہ سارا خزانہ تمہارا ہو جائے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟" میں نے آخر میں مکاری سے کہا اور چپ ہو رہا لیکن کنکھیوں سے میں خمیسو خان کے چہرے کا بھی جائزہ لیتا رہا جو اب حرص و ہوس کا غماز نظر آنے لگا تھا۔

میرا بے نیازانہ پھینکا ہوا تیر بالآخر نشانے پر بیٹھا تھا کیونکہ اگلے ہی لمحے اس نے کہا۔ "کک...... کس طرح...... میں اس سارے خزانے کا تنہا وارث بن سکتا

ہوں؟'' بالآخر اس کے دل کی بات نوک زبان پر آ ہی گئی۔

میں دانستہ اداکاری کرتے ہوئے بولا۔ ''ہے ایک ترکیب ...... مگر پہلے وعدہ کرو کہ وہ سارا خزانہ تمہیں مل جائے تو مجھے بھی اس میں برابر کا حصہ دار بناؤ گے۔''

یہ بات میں نے اس سے محض یقین پیدا کرنے کے لئے کہی تھی تا کہ وہ مجھے بھی لالچی سمجھے ورنہ خمیسو خان جیسے لوگوں سے ایسی امید کرنا بے وقوفی ہی تھی۔

وہ جلدی سے آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولا۔ ''ہاہاہاہا...... تیرے کو بھی حصہ ملے گا...... پر مجھے بتا تو سہی یہ کس طرح ممکن ہوگا؟''

میں نے چند ثانیے توقف کیا پھر احتیاطاً اسے باہر جا کر اطراف میں ایک نگاہ ڈال کر فوری واپس آنے کو کہا چہ جائیکہ کوئی باہر کھڑا چوری چوری ہماری باتیں نہ سن رہا ہو...... خمیسو خان نے میری ہدایت پر فوری عمل کیا اور واپس آ کر ہمہ تن گوش ہو گیا۔

میں نے بڑی چالاکی کے ساتھ اپنے پیروں کی رسیاں کھلوائیں ...... ہاتھ میرے پہلے ہی آزاد تھے...... میں نے چند لمحے اپنے پیروں پر پڑے نیل کو سہلایا جو رسی سے بندھے رہنے کے بعد دکھنے لگے تھے پھر بولا۔ ''خمیسو خان...... ! سب سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ اس گروہ میں تمہارے وفادار ساتھیوں کی کتنی تعداد ہے۔ دیکھو ذرا سوچ کر بتانا جو صرف اور صرف تمہارا دم بھرتے ہوں اور عاربو سے خائف ہوں۔'' یہ کہہ کر میں اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔

میں ان لوگوں کی فطرت سے واقف تھا۔ ان جیسے ڈاکوؤں کا گروہ جتنا بڑا ہوتا ہے، اتنی ہی گروہ میں پھوٹ پڑنے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں اور یہاں تو خزانے کا معاملہ تھا جبکہ میں پہلے ہی خمیسو خان کے بشرے پر ایک مخصوص قسم کی لالچ کو تاڑ گیا تھا۔ بہرطور اس نے ذرا دیر سوچنے کے بعد کہا۔ ''یقینی طور پر تو گروہ میں پندرہ سولہ آدمی میرے جانثار ہیں لیکن میں رفتہ رفتہ اوروں کو بھی اپنا ہم خیال بنا لوں گا۔''

''بس یہی کافی ہے ...... بغاوت کر ڈالو مگر احتیاط کے ساتھ......'' میں نے بلا تامل کہا اور پھر اسے دھیمے لہجے میں بتانے لگا کہ جس وقت گروہ کے افراد بھنگ

پینے بیٹھیں تو اپنے ساتھیوں کو بھنگ پینے سے منع کر دینا بلکہ وہ یہی کوشش کرتے رہیں کہ زیادہ سے زیادہ بھنگ کے کونڈے لوگوں کو پلاتے رہیں اور ان سب کو اتنا مدہوش کر ڈالیں کہ وہ بے ہوش ہو جائیں بس پھر تم اپنا کام شروع کر دینا...... ہم وہ ٹرک ہی لے جائیں گے بعد میں کسی طرح میں پولیس کے اہلکاروں کو ایک گمنام فون کے ذریعے ان بے سدھ پڑے عاربو اور اس کے ساتھیوں کے ڈیرے کی اطلاع دے دوں گا...... اس طرح بغیر خون بہائے معاملہ نمٹتا چلا جائے گا۔''

میری بات سن کر خمیسو خان کی آنکھیں ایک دم چمکنے لگیں ...... اس نے فوراً میرے منصوبے پر عمل کرنے کا یقین دلایا اور مسرور مسرور سا جھونپڑی سے باہر نکلتا چلا گیا۔

خود میرا دل بھی اپنے منصوبے کی کامیابی پر بلیوں اچھل رہا تھا...... اچانک مجھے جھونپڑی کے باہر خمیسو خان کے کسی سے باتیں کرنے کی آواز سنائی دی...... میں ذرا قریب آیا تو خمیسو خان کی باتیں مجھے صاف سنائی دے رہی تھیں۔

وہ میری جھونپڑی کے باہر پہرہ دینے والے دو ڈاکوؤں سے تبادلۂ خیال کر رہا تھا...... اس کا لہجہ معنی خیز اور مدھم تھا...... میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جھونپڑی کے باہر متعین پہرے دار بھی خمیسو خان کے وفاداروں میں سے تھے۔

بہرطور مجھے اب بے چینی سے اپنے منصوبے کی کامیابی کا انتظار تھا...... میں واپس اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا تھا ...... میرے اندر عجیب قسم کی ہلچل سی مچی ہوئی تھی باوجود اسکے کہ میرا منصوبہ کامیابی سے ہمکنار ہونے کو تھا۔ مجھے ایک بے نام سی بے کلی اور انجانے خدشات نے آن گھیرا تھا...... مجھے درحقیقت اس بات کا بھی خدشہ تھا کہ خمیسو خان اپنا ''کام'' سرانجام دینے کے بعد ضرور مجھے بھی ٹھکانے لگانے کی کوشش کرے گا لہٰذا اب میں اسے الجھا کر پہلا کام یہاں سے فرار ہونے کا کرنا چاہتا تھا...... میرے ہاتھ پاؤں وہ ویسے ہی کھول کر آزاد کر چکا تھا۔ ایک خیال کے تحت میں دوبارہ اپنی جگہ سے اٹھ کر جھونپڑی کے دروازے کے قریب آیا تو میرا دل خوشی سے بلیوں اچھل پڑا...... میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا اب باہر اس کے دو وفادار ساتھی موجود نہ تھے۔

خیسو خان کو لالچ نے اس قدر اندھا کر دیا تھا کہ وہ میری طرف سے بے فکر ہو کر ابھی سے ہی عار بو اور اس کے حامی ساتھیوں کو ٹھکانے لگانے میں مصروف ہو گیا تھا حتیٰ کہ اس کارِ خیر میں وہ اپنے ان دونوں ساتھیوں کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا تھا جنہیں عار بو نے میری جھونپڑی کے باہر بطور پہرے دار متعین کیا تھا۔

خیسو خان بڑی صفائی کے ساتھ میری چال میں آ گیا تھا، اسے غالباً میری طرف سے اس لئے بھی بے فکری ہو گئی تھی کہ میں حصہ لئے بغیر یہاں سے کسی طور نہیں جاؤں گا۔

میں نے فوراً اپنے اگلے منصوبے پر بھی عمل کرنے کا فیصلہ کیا...... تب دفعتاً ہی ایک خیال میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوندا ...... میں اب پورا ٹرک ہی لے کر یہاں سے فرار ہونا چاہتا تھا ...... اس خیال کے آتے ہی میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا ...... میں نے اللہ کا نام لیا اور جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ باہر ہر سو ٹھٹھرتی ہوئی تاریکی پھیلی ہوئی تھی ...... ایک دو جگہ پر بجھے ہوئے الاؤ کے چند دہکتے ہوئے انگارے روشن تھے ...... میں فوراً اپنے اردگرد نگاہ دوڑاتے ہوئے جھونپڑی کی عقبی دیوار کے ساتھ آ لگا۔ سامنے ایک جانب ترپال پڑا ہوا تھا۔ وہ ٹرک بھی مجھے نظر آ گیا جس پر خزانے کا صندوقچہ لدا ہوا تھا ...... حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے آس پاس بھی مجھے کوئی دکھائی نہیں دیا تھا مگر پھر فوراً ہی میرا خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ میں جیسے ہی ہوشیاری کے ساتھ ٹرک کی عقبی سمت بڑھا تو ٹھٹک کر مجھے رکنا پڑا ...... اس کی ڈرائیونگ کیبن والی سمت میں مجھے دو افراد کی آپس میں باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں ...... میں فوراً گھٹنوں اور پنجوں کے بل جھک کر ٹرک کے نیچے چلا گیا تب مجھے بمپر کی طرف دو افراد کی ٹانگیں نظر آئیں۔

ایک لمحے کو مجھ پر مایوسی طاری ہونے لگی اور جی میں آئی کہ میں اس موقع کو غنیمت جان کر یہاں سے بھاگ نکلوں مگر اگلے ہی لمحے میں نے یہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ میرے فرار ہوتے ہی یہ لوگ سب بدک جائیں گے اور میرے تعاقب میں آنے کی بجائے خزانے کا ٹرک سمیت یہاں سے رفو چکر ہو جائیں گے جو میں نہیں چاہتا تھا۔

میرے سر میں اب یہ سودا سما چکا تھا کہ مجھے ہر حالت میں خزانے والا ٹرک لے کر فرار ہونا ہے مگر سردست یہ مجھے مشکل ہی نظر آ رہا تھا ...... میرے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ خود میری اپنی حالت مشکوک اور نازک تھی اگر میں ایسے میں دھر لیا جاتا تو یقیناً یہ ظالم لوگ میرا دادن شاہ سے بھی زیادہ برا حال کرتے۔

میں چند ثانیے اپنی جگہ دبکا رہا پھر اچانک ہی میں نے دیکھا ان چار ٹانگوں میں سے دو ٹانگیں حرکت میں آئیں ...... میرا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ مجھے گمان ہوا کہ کہیں انہیں ٹرک کے نیچے میری موجودگی کا تو شبہ نہیں ہو گیا مگر ایسا نہیں تھا اس کا دوسرا ساتھی آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں سے ذرا دور ایک جھونپڑی کی طرف نکل گیا تھا تب پھر اچانک میں نے بالکل غیر متوقع منظر دیکھا ...... میری محتاط اور ٹھٹکی ہوئی نگاہیں ہنوز اس ڈاکو پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ جیسے ہی ایک جھونپڑی کے قریب پہنچا کہ اچانک مجھے دو افراد کے ہیولے دکھائی دیئے کہیں گیس کے ہنڈولے کی مدھم روشنی میں میں نے حیران کن منظر دیکھا۔ ان دو ہیولوں نے معاً ہی پہلے والے ڈاکو کو دبوچ لیا اور پلک جھپکتے ہی اسے بے سدھ کر کے زمین پر لٹا دیا۔

مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ کارنامہ ضرور خیسو خان کے جانثار اور ہم خیال ساتھیوں کا تھا ...... مجھے یوں لگا کہ اب کسی بھی وقت یہاں ان ڈاکوؤں کے درمیان خونی جنگ چھڑنے والی تھی۔

پھر وہ دونوں افراد چوروں کی طرح ٹرک کی طرف آنے لگے ...... وہ یقیناً یہاں موجود دوسرے ساتھی کو بھی قابو کرنا چاہتے تھے۔

انہوں نے آناً فاناً اسے بھی بے سدھ کر کے زمین پر پٹخ دی اور نہایت پھرتی مگر ہوشیاری کے ساتھ دونوں ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

میں دہل گیا ...... کیا وہ تنہا یہ ٹرک اڑا کر لے جانا چاہتے تھے ...... اس خیال نے مجھے بے چین سا کر دیا ...... ابھی ٹرک اسٹارٹ ہونے کی آواز نہیں گونجی تھی ...... کیبن کی طرف سے مجھے مدھم مدھم سی کھڑ بڑ کی آوازیں آنے لگیں جنہیں واضح طور پر سننے کے لئے میں اسی طرح اپنے گھٹنوں اور پنجوں کے بل پر آگے کو سرکا ...... اب

مجھے ان دونوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں ...... ایک اپنے ساتھی سے سرگوشی کے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''ارباب! جلدی اپنا کام نمٹاؤ ...... اگر سردار عاربو کا کوئی ساتھی ادھر آن نکلا تو مشکل ہو جائے گی۔''

جواباً میرے کانوں سے اس کے دوسرے ساتھی کی آواز ٹکرائی۔

''اڑے مولو......! تو گڑتی نہ کر...... اڑیں خمیسو کچی گولیاں نہیں کھیلتا...... اس نے اب تک سردار کو بھی موت کی نید سلا دیا ہوگا۔ میں ذرا سیلف کی تار سیٹ کر لوں تاکہ باقی کا کام نمٹاتے ہی ہم سب یہاں سے بآسانی فرار ہو سکیں۔''

میں اس کی بات سن کر سرتاپہ لرز گیا تھا...... میرا خیال درست ثابت ہوا تھا۔ خلمیسو خان بڑی ہوشیاری اور غیر معمولی عجلت کے ساتھ اپنا ''کام'' نمٹانے میں مصروف تھا جبکہ اس کے یہ دونوں گرگے اس کے ایماء پر ٹرک کو ریڈی کرنے میں لگے ہوئے تھے پھر اچانک اس کی آواز ابھری۔ ''لے مولو......! اپنا کام تو ختم ہوا ...... اب اس ٹرک کو کسی بھی وقت صرف ایک تار کے اسپارک سے اسٹارٹ کیا جا سکتا ہے...... آؤ اب باقی کا کام بھی نمٹا دیتے ہیں۔''

اس کی بات سن کر میں بری طرح چونکا ساتھ ہی مجھے مسرت بھی ہونے لگی کہ وہ دونوں میرا کام آسان کر چکے تھے ...... انہوں نے یقیناً اگنیشن کے تار کھول کر ٹرک کو اسٹارٹ کرنے کی حالت میں کر دیا تھا شاید وہ چابی حاصل کرنے کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے مگر اب مجھے دیکھنا یہ تھا کہ یہ لوگ اب کیا کرتے ہیں ...... میں دم سادھے ٹرک کے نیچے زمین پر لیٹا ہوا تھا۔

پھر میں نے دیکھا وہ دونوں ٹرک سے نیچے اتر آئے اور چوروں کے سے انداز میں بڑی خاموشی کے ساتھ ایک جھونپڑی کی طرف بڑھ گئے ...... میں نے فوراً اپنے حواس قابو میں کیئے اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ٹرک کے نیچے سے نکل آیا اور بڑی آہستگی کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ وہیل پر آ کر براجمان ہو گیا۔

اگنیشن چوک کے ذرا نیچے مجھے نیلی، سرخ اور کالی تاروں کا گچھا نظر آ گیا

...... بغیر چابی کے محض دو مخصوص تاروں کو آپس میں ملا کر انجن اسٹارٹ کرنے کا میکینزم مجھے بھی آتا تھا لہٰذا میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ دو مخصوص تاروں کو آپس میں ملا دیا۔

اگلے ہی لمحے رات کے سناٹے میں ٹرک کا انجن کسی خوابیدہ عفریت کی مانند گجردار آواز کے ساتھ بیدار ہو گیا۔

میں نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ٹرک کو گیئر میں ڈالا اور ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھاتا چلا گیا۔ بھاری بھرکم ٹرک وحشی سانڈ کی طرح غراتا ہچکولے کھاتا ایک جھٹکے سے آگے بڑھا۔

میں نے اسٹیئرنگ کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا ...... میرے عقب میں اکا دکا فائرنگ بھی ہوئی مگر میں تو اس وقت بجلی بنا ہوا تھا۔

ٹرک کو ایک تاریک کچے راستے پر ڈال کر میں اسے اندھا دھند دوڑانے لگا ...... سامنے ٹرک کی طاقتور ہیڈ لائٹ کی روشنی میں یہ کچا راستہ بالکل سیدھا چلا جا رہا تھا...... مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے تعاقب میں کتنے ڈاکو تھے مگر اتنا ضرور جانتا تھا کہ وہ زیادہ دیر تک تعاقب جاری رکھنے کی سکت نہیں رکھ سکتے تھے، اسی لئے میں سامنے کا راستہ صاف پاتے ہی ٹرک کو ٹاپ گیئر پہ ڈالے آندھی طوفان کی طرح اڑائے جا رہا تھا۔

میں جانتا تھا کہ اس وقت لمحے بھر کی تاخیر مجھے موت کے منہ میں لے جا سکتی ہے۔ آگے جا کر راستہ دائیں طرف قوس کی صورت میں مڑ رہا تھا جس کے ایک جانب کھیت اور دوسری سمت تاریک جنگل تھا۔

لگ بھگ گھنٹہ بھر متواتر ٹرک کو دوڑاتے رہنے کے بعد مجھے سامنے چاند کی روشنی میں پختہ سڑک چمکتی ہوئی دکھائی دی ...... میں نے ٹرک کی رفتار میں مزید اضافہ کر دیا ...... کچا راستہ جس پر میں گامزن تھا، آگے جا کر پختہ سڑک کے ساتھ ختم ہو رہا تھا۔

میں نے رفتار قدرے آہستہ کی اور ٹرک کو پختہ سڑک پر چڑھا دیا۔ ٹرک نے اچھلنے کے انداز میں ایک جھٹکا کھایا اور پھر غراتا ہوا سڑک پر دوڑنے لگا۔

مجھے چونکہ اپنے گوٹھ سے ڈاکوؤں کی کمین گاہ تک آنکھوں پر پٹی باندھ کر لایا گیا تھا اس لئے سردست مجھے سارا راستہ نامانوس سا محسوس ہو رہا تھا لیکن پھر چند کلو میٹر کا سفر طے کرنے کے بعد میں ذرا ٹھٹکا تھا اور اس کے ساتھ ہی میرا دل کسی انجانے خیال سے زور سے دھڑکا۔ اگلے ہی لمحے میں نے بے اختیار بریک لگا دیئے۔

رات کے مہیب سناٹے میں ٹائروں کی سمع خراش چیخ ابھری تھی...... میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا...... ٹرک رک چکا تھا...... میری دم بخود سی نگاہیں ونڈ اسکرین کے پار دور تک تاریک سڑک اور اردگرد کے جنگل پر جم سی گئی تھیں۔ ایک سنسناتا ہوا خیال میرے ذہن میں آیا تھا...... بات ہی ایسی تھی...... میں جس سڑک کے بارے میں اس خوش گمانی میں مبتلا تھا کہ یہ ضرور کوئی مین شاہراہ ہوگی مگر میں جیسے جیسے آگے سفر کرتا رہا تھا تو مجھ پر دھیرے دھیرے یہ منکشف ہونے لگا کہ یہ مین شاہراہ کی بجائے کوئی ذیلی سڑک ہے جو اندر زیریں علاقوں کے جنگلوں کی طرف جاتی تھی جسے مقامی زبان میں ''ٹاپ'' کہا جاتا تھا اور پھر یہاں سے بلوچستان کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔ آگے کئی سو میل تک کا علاقہ ویران تھا اور یہاں ڈاکوؤں کی مختلف کمین گاہیں تھیں۔

یہ سڑک جیسے جیسے آگے جا رہی تھی اتنی ہی تنگ اور سخت مٹی والے راستے کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔

میں نے گھبراتے ہوئے دل کے ساتھ سوچا کہ کہیں میں اس ویرانے میں قیمتی خزانے کے ساتھ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا والی مثال نہ بن کر رہ جاؤں لہٰذا میں ٹرک کو واپس موڑ کر عقب میں دوڑانے لگا۔

معاً پھر ایک اور خیال میرے ذہن میں آیا...... مجھے اب یہ ڈر ہونے لگا کہ کہیں واپسی کے سفر میں دوبارہ میرا سامنا خمیسو سے نہ ہو جائے لیکن مجھے یہ بھی امید تھی کہ اتنی جلدی وہ لوگ میرا راستہ نہیں روک پائیں گے لہٰذا میں نے ٹرک کی رفتار ایک دم بڑھا دی۔

رات کے سناٹے میں ٹرک تیزی کے ساتھ غراتا ہوا اپنی انجانی منزل کی

طرف گامزن ہو گیا...... مجھے اس بات کا دھڑکا لگا ہوا تھا کہیں اچانک ڈاکو مجھ پر فائرنگ نہ کر دیں مگر لگ بھگ گھنٹے تک کوئی ایسی ناخوشگوار بات وقوع پذیر نہ ہوئی تو میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ اب مجھے اس بات کی فکر ستا رہی تھی کہ میں راستہ نہ بھٹک جاؤں کیونکہ ہنوز میں نامانوس راستوں کا مسافر تھا تب اچانک مجھے سامنے بجلی کے ہائی ٹینشن تار کے پول نظر آئے اور اس کے ساتھ ہی ایک نسبتاً چوڑی سڑک دکھائی دی۔

میں نے فوراً موڑ کاٹا اور سڑک پر آ گیا...... اب مجھے یہ راستہ کچھ مانوس سا لگا...... میں نے اللہ کا نام لے کر ٹرک آگے بڑھا دیا اور ساتھ ہی اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے راستوں کو پہچاننے کی سعی کرنے لگا۔

ابھی میں نے چند کلومیٹر کا سفر کیا ہوگا کہ سامنے ایک چوک سا نظر آیا اور میرا دل خوشی سے بے اختیار دھڑکا۔

یہ ٹھٹھہ چوک تھا۔ اس کا مطلب تھا آگے چند ہی کلومیٹر کے بعد ٹھٹھہ شہر کی حد شروع ہو جائے گی اور میرے گوٹھ کا راستہ اس کی مخالف سمت پر تھا...... میں نے فوراً ٹرک کو بریک لگایا اور پھر اسے ریورس کر کے پیچھے کی سمت ہو لیا۔ اب مجھے تسلی تھی کہ میں درست سمت جا رہا تھا۔

دگرگوں اور اعصاب شکن حالات سے گزرنے کے بعد مجھے اپنی کامیابی پر یک گونہ خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

پھر لگ بھگ ایک گھنٹے کے بعد میں اپنے گوٹھ کی حدود میں داخل ہو چکا تھا...... میں مسرت سے بھرے دل کے ساتھ سوچنے لگا کہ جاڑو خان اچانک مجھے اپنے سامنے دیکھ کر کس قدر خوش ہوگا۔ اپنے گوٹھ کے کچے راستے پر اتر کر میرا رخ اب اپنے ریسٹ ہاؤس کی طرف تھا...... میں ایک بہت بڑا معرکہ سر کر کے آیا تھا۔ پھر اپنے ریسٹ ہاؤس کے قریب پہنچ کر میں نے ٹرک روک دیا اور ہارن بجا کر نیچے اتر آیا۔

✸ ═ ✸ ═ ✸

میرے اطراف گہرا سناٹا طاری تھا...... ریسٹ ہاؤس بھی سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اندر صحن میں مدھم روشنی نظر آ رہی تھی ...... آہنی گیٹ کے دونوں سنگی ستونوں پر گلوب سوگوار روشنی بکھیر رہے تھے ...... میں گیٹ کے قریب پہنچا اور بیل پر انگلی رکھ دی۔ ذرا دیر بعد ہی چوکیدار محمد پنل نمودار ہوا۔ بے اختیار مجھ سے لپٹ کر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''سس ...... سائیں ...... آ ...... آپ چاک (ٹھیک) تو ہو ناں سائیں۔''

''ہا...... پنل ...... میں ٹھیک ہوں...... تو سنا...... کیسا ہے ...... جاڑو خان کہاں ہے......'' میں نے جواباً ملائمت سے مسکرا کر کہا۔ اس دوران ہم اندر آ گئے تھے۔

''سائیں! آپ کی اچانک گمشدگی کے بعد تو وہ ایک پل کے لئے بھی آرام سے نہیں بیٹھا ہے۔'' چوکیدار پنل بتانے لگا۔ ''وہ اتنا پریشان ہے کہ آپ کو ڈھونڈنے کے لئے اس نے دن رات ایک کر دیئے ہیں۔ شہر ایس پی صاحب سے بھی جا کر ملا تھا......''

وہ مجھے سیدھا جاڑو خان کے کمرے میں لے آیا ...... جاڑو خان بھی جاگ چکا تھا مگر اس کی آنکھوں سے بھی یہی لگتا تھا جیسے وہ کئی روز سے سویا نہ ہو ...... مجھے دیکھتے ہی جیسے اس میں جان پڑ گئی اور وہ بے اختیار خوشی کے مارے مجھ سے لپٹ گیا ...... فرط جذبات سے اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''سائیں مٹھا! آپ کہاں چلے گئے تھے ...... کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ؟'' وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔ ''کچھ نہیں ہوا مجھے جاڑو خان! سب خیر ہے...... آؤ...... میں تم سے ذرا ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے دھیرے سے اس کا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا اور پھر ہم کمرے میں آ گئے۔

جاڑو خان نے آتش دان سلگانا چاہا مگر میں نے اسے روک دیا اور لمحہ بھر توقف کے بعد بولا۔ ''جاڑو خان! مجھے اس بات کا اندازہ ہے کہ تمہیں میری کتنی فکر لاحق ہو گی لیکن اب جو میں تمہیں بات بتانے والا ہوں اس کے لئے تمہیں اپنی ساری توجہ میری طرف مرکوز رکھنی ہو گی اور میرے ساتھ مل کر جلد سے جلد اس فرض سے بھی سبکدوش ہونا ہے۔'' میں نے کہا اور پھر جاڑو خان کو شروع سے آخر تک ساری رام کہانی سنا ڈالی۔

جاڑو خان میری ساری کتھا سن کر بھونچکا سا رہ گیا۔ پھر دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے سے ایک جوش مترشح ہونے لگا۔ وہ مجھ سے مخاطب ہو کر قدرے توصیفی لہجے میں بولا۔ ''سائیں مٹھا ...... بے شک آپ نے اپنی جان پر کھیل کر اپنی قوم کی اہم اور قیمتی امانت کی حفاظت کی ہے اور اسے بے ضمیر اور لالچی لوگوں سے محفوظ بھی رکھا ہے ...... آپ حکم کرو، کیا کرنا ہے؟ میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔''

مجھے اس کی بات سن کر کافی حوصلہ ہوا۔ میں جانتا تھا کہ میں کتنا تھکا ہوا اور ژولیدہ خاطر تھا ...... لیکن اس وقت ہمیں دیر کئے بناء اس عظیم ورثے کو ہر قیمت پر ذمہ دار افراد کے سپرد کرنا تھا۔

پھر میں نے اسی وقت اپنے دوست دبیر احمد کو فون کیا ...... یہ میرا وہی دوست تھا جو محکمۂ آثار قدیمہ میں فیلڈ آفیسر تھا اور اب وہ ترقی کر کے معاون بن گیا تھا ...... میں اسے ذاتی طور پر جانتا تھا۔ ایک دیانت دار اور فرض شناس آفیسر تھا۔

رات کا پچھلا پہر ہونے کی وجہ سے پہلے تو کافی دیر تک دوسری طرف بیل کی آواز ہوتی رہی اس کے بعد کسی نے ریسیور اٹھا لیا۔ پھر ایک غنودہ سی آواز ابھری۔

''ہیلو ...... دبیر احمد بول رہا ہوں۔''

''دبیر......! میں فیض محمد بول رہا ہوں ...... ناوقت کال کرنے پر معذرت خواہ ہوں ...... لیکن بات ہی ایسی ہے ...... کہ......''

''آں ...... نا ...... نا ...... کسی تمہید کی ضرورت نہیں ...... مجھے اندازہ ہے کہ کوئی اہم بات ہی ہو گی۔'' دوسری جانب دبیر نے فراخدلی سے کہا تو میں بولا۔ ''میں اسی

وقت تمہارے پاس پہنچنا چاہتا ہوں۔ یہ ملک کی قیمتی اور نوادراتی امانت کی بات ہے جسے میں بڑی مشکلوں کے ساتھ بچائے ہوئے ہوں ...... مگر مجھے خدشہ ہے کہ میں شاید زیادہ دیر اس کی حفاظت نہ کرسکوں ......'' یہ کہتے ہوئے میں نے اسے خزانے سے متعلق مختصراً آگاہ کیا۔

وہ ساری تفصیل سن کر حیران رہ گی۔ پھر بولا۔ ''تم بالکل فکر مت کرو ...... اسپیشل مانیٹرنگ سیل کا میجر میرا دوست ہے، میں تمہیں ان کی رہائشگاہ کا پتہ دے رہا ہوں، فوراً ٹرک لے کر وہاں پہنچو۔ اللہ تمہارا نگہبان ہوگا۔'' یہ کہہ کر اس نے میجر جس کا نام ملک احسان تھا، کی رہائش کا پتہ سمجھایا جو ٹھٹھہ میں ہی رہائش پذیر تھا۔

اس کے بعد میں اور جاڑو خان گولی کی طرح ریسٹ ہاؤس سے نکلے اور اسی ٹرک میں سوار ہو کر ہم نے شہر کا رخ کیا۔

رات اپنے آخری پہر میں داخل ہو چکی تھی ...... میں ٹرک کو آندھی طوفان کی مانند دوڑاتا ہوا شہر جانے والی پختہ شاہراہ پر لے آیا تھا ...... مجھے اب بھی ان بدبخت ڈاکوؤں کا خطرہ تھا ...... لیکن خدا کا شکر رہا کہ میں لگ بھگ پون گھنٹے کے اندر ٹھٹھہ پہنچ گیا لیکن یہاں مجھے یہ ڈر لگنے لگا کہ کہیں کسی پولیس کی گشتی ٹیم سے نہ مڈبھیڑ ہو جائے کیونکہ میں سردست ان کے علم میں یہ بات نہیں لانا چاہتا تھا۔

پورا شہر اس وقت سنسان تھا اور سڑکیں ویران ...... میں دبیر احمد کے بتائے پتے پر بالآخر میجر ملک احسان کی رہائش کے سامنے پہنچ کر رکا اور وہاں متعین باوردی گارڈز کو اپنی شناخت کروائی تو اس نے بڑا سا گیٹ کھول دیا۔ میں ٹرک کو فرسٹ گیئر میں ڈالتا ہوا اندر لے گیا۔

میجر صاحب کو شاید ہمارے بارے میں پہلے سے اطلاع مل چکی تھی کیونکہ ہمیں سامنے ہی ایک لمبا تڑنگا اور مضبوط تن و توش کا شخص سلیپنگ گاؤن میں ملبوس نظر آیا، اس کے ہاتھ میں سگار دبا ہوا تھا۔ میں اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ میجر ملک احسان ہی تھا ...... میں نے مختصراً اپنا تعارف کروایا اور انہیں ٹرک پر موجود خزانے کا صندوق کھول کر دکھایا ...... اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے وہ صندوق اٹھوا کر اندر کمرے میں رکھوا دیا بعد میں ہم بھی وہیں آ بیٹھے۔ میجر صاحب ہمارے سامنے

کے صوفے پر براجمان ہو گئے۔

وہ بغور میرے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ بمشکل 45 کے پیٹے میں ہوں گے۔ انہوں نے سگار کا ایک طویل کش لیا۔ پھر دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیر کر بھاری لہجے میں بولے۔ ''برخوردار ...... تم نے واقعی ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے ...... دبیر احمد نے مجھے فون کر کے تمہارے بارے میں بتا دیا ہے۔'' انہوں نے اتنا کہہ کر اپنے ایک ملازم کو موبائل فون لانے کا اشارہ کیا اور پھر دوبارہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولے۔ ''میں اس سے پہلے ان ڈاکوؤں کی سرکوبی کروانا چاہتا ہوں ...... کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ تمہیں کہاں ملے تھے۔''

ان کی بات سن کر میں سوچنے کے انداز میں بولا۔ ''میجر صاحب! انہوں نے جب مجھے ریسٹ ہاؤس سے اغوا کیا تھا تو انہوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی ...... لیکن میرا اندازہ ہے کہ مشرق کی سمت جدھر کیکر کے گھنے جنگلات اور ریتلے ٹیلے ہیں ...... ان کی موجودگی ممکن ہو سکتی ہے ...... کوئی تیس چالیس کلومیٹر یا اس سے زیادہ اک فاصلہ طے کیا ہوگا۔'' میں نے بتایا۔

اثنائے راہ میجر احسان کا ایک آدمی موبائل فون لے آیا ...... پھر انہوں نے میرے سامنے ہی اپنے موبائل پر نمبر پنچ کیے۔ اس کے بعد کسی اینٹی ڈکیت فورس کے لیڈر کیپٹن عمران سے باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد رابطہ منقطع کرتے ہی مجھ سے گویا ہوئے۔ ''میں نے اینٹی ڈکیت اسپیشل ٹاسک فورس کے انچارج کو فون کر دیا ...... مجھے یقین ہے وہ اس وقت بھاری جمعیت کے ساتھ عاربو ڈاکو کے گروہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوگا۔''

میں نے اطمینان بھرے انداز میں سر اثبات میں ہلا دیا ...... پھر ذرا بعد میرا دوست دبیر احمد بھی آ گیا ...... وہ اپنے ساتھ ایک ویڈیو کیمرہ بھی لایا تھا۔

قصہ کوتاہ ...... ہمارے درمیان مزید آدھے گھنٹے کی گفتگو ہوتی رہی اس دوران دبیر احمد نے ہم سب کی نگرانی میں وہ صندوق کھول کر خزانے کی فلم بنائی جس میں مجھے اور جاڑو خان کو بھی شامل رکھا۔

میں اب وہاں سے واپس گوٹھ جانا چاہتا تھا مگر میجر ملک احسان نے ہمیں

جانے نہ دیا ...... اور رات اپنے ہی ہاں بسر کرنے کی تاکید کی ...... ناچار میں اور جاڑو خان وہیں رک گئے اور جی بھر کر نیند لینے کے بعد دن چڑھے کہیں دوپہر کو جاگے تو میجر صاحب نے ہمارے لئے پرتکلف کھانے کا بندوبست کر رکھا تھا۔

اسی دوران ان کی رہائش پر فوج کے دیگر اہلکاروں کا بھی جمگھٹا لگ گیا تھا جن میں محکمۂ آثار قدیمہ کے بھی افراد موجود تھے ...... ان سب لوگوں نے بڑی ستائشی انداز میں ہم سے ملاقات کی۔

بالآخر یہ معاملہ بحسن خوبی اور تسلی بخش طریقے سے انجام کار نمٹا اور ہم نے واپس گوٹھ کا قصد کیا۔

وہ لوگ میرے اعزاز میں باقاعدہ ایک تقریب منعقد کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ...... لیکن میں نے اپنے گوناگوں مسائل کا عذر کر کے نہایت ہی عاجزانہ انداز میں اجازت چاہی تو آخر میں میجر ملک احسان نے توصیفی انداز میں میرا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا ......''ہم کوشش کریں گے کہ اس بار آپ کو نشان امتیاز سے نوازا جائے۔''

ان کی بات سن کر میں نے مسکراتے ہوئے قدرے کسر نفسی سے کہا ......

''میجر صاحب! بلاشبہ یہ میرے لئے فخر کی بات ہو گی ...... لیکن میرے لئے یہ خوشی ایک اعزاز سے کم نہیں ہے کہ ...... میں نے اپنے وطن کی ایک نادر اور مقدس امانت اس دھرتی کے سپرد کر دی ہے۔''

اس کے بعد ان سب لوگوں نے باری باری مجھے اور جاڑو خان کو گلے سے لگایا اور باقاعدہ اپنی گاڑی میں سوار کروا کر ہمیں اپنے اہلکاروں کے ساتھ گوٹھ روانہ کر دیا۔

◆❀◆

خزانے کا قضیہ نمٹتے ہی میرے دل و دماغ سے ایک بوجھ سا اتر گیا تھا ...... لیکن میرا اصل مسئلہ ابھی حل طلب تھا ...... اور وہ تھا نوری کو بہرصورت حاصل کرنا ...... لہٰذا اگلے دن میں اور جاڑو خان سردار موریو خان کی طرف چل دیئے ......

سردار موریو خان اپنی اوطاق میں کچہری لگائے ہوئے تھا ...... پھر لگ بھگ

گھنٹے بھر کے بعد ہماری اس کے ساتھ نشست ہوئی ...... ایک عجیب احساس تلے میرا دل بے چینی سی محسوس کرنے لگا ......

''ہا ہا ہا ...... بگھیو صاحب کیسے ہو ...... ہا ...... کیسے آنا ہوا ......؟'' اس کی بات سن کر اچنبھا تو ہوا مگر میں اس کا اظہار کئے بغیر فوراً مطلب کی بات پر آتے ہوئے بولا۔''سائیں ...... نوری کے سلسلے میں ...... آپ نے کہا تھا کہ بہت جلد جرگہ (راجواڑیں) بلائیں گے۔ اس لئے حاضر ہوا تھا۔''

''ہا ہا ہا ...... مجھے یاد ہے میں آج کل جکھرانیوں اور کھنڈوانیوں کے درمیان تنازع میں مصروف ہوں۔ دو ایک دنوں میں یہ حل ہو جائے گا۔ بس اس کے بعد فوراً نوری کا معاملہ حل کریں گے۔'' سردار موریو خان نے بھاری آواز کے ساتھ بتایا۔

ایک لمحے کو میرے جی میں آئی کہ نوری سے ایک ملاقات کی درخواست سردار سے کروں مگر پھر کچھ سوچ کر اپنا ارادہ بدل دیا اور اس کا شکریہ ادا کر کے واپس لوٹ آیا۔

جب میں اپنی جیپ میں آ کر بیٹھا تو میرا دل عجیب سی پریشان کن بے چینی کے باعث بری طرح دھڑک رہا تھا ...... ایسا لگتا تھا کہ جیسے اب میرے سامنے ایک بڑا مگر خاموش طوفان سر اٹھائے کھڑا ہو جو موقع ملتے ہی میرا سب کچھ اڑا لے جانا چاہتا ہو ...... مگر مجھے سردار موریو خان کی ایک بات کا خیال آیا جو اس نے نوری کے سلسلے میں جرگہ بلانے کے بارے میں بتاتے ہوئے کہی تھی کہ وہ جکھرانیوں اور کھنڈوانیوں کے ایک تنازع کے سلسلے میں ذرا مصروف ہے جو بہت جلد حل ہونے والا ہے اور اس کے بعد نوری کا معاملہ بھی فوری طور پر نمٹانے کی کوشش کرے گا ایسے میں مجھے یاد آیا کہ جکھرانیوں اور کھنڈوانیوں کے مابین جھگڑا ...... محمد بچل اور کادو جکھرانی کے قتل کی وجہ شروع ہوا تھا ...... یہ بات اب تک صرف میرے ہی علم میں تھی کہ دادن شاہ ...... جو عاربو ڈاکو کے ہتھے چڑھ کر ملک عدم کو سدھار چکا تھا ...... تو اب یقیناً کھنڈوانیوں اور جکھرانیوں کے بیچ جنگ کے بادل پھر سے گھرے ہوتے چلے جائیں گے ...... نتیجتاً پھر ...... نوری کا معاملہ طوالت کا شکار ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں جب میں نے جاڑو خان سے بات کی تو اس نے میرے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ ''برابر سائیں مٹھا...... ! لیکن آپ کے کہنے کے مطابق اگر دادن شاہ کو آپ کے اغوا کے ایک دن بعد عاربو نے اٹھوا لیا تھا تو کیا اب تک کھنڈوانیوں کو اس کی گمشدگی کا علم نہ ہوا ہوگا۔ پھر سردار موریو خان نے کسی طرح دونوں فریقین کے بیچ جلد تنازع حل ہونے کی امید دلائی ہے۔''

میں نے جاڑو خان کی بات غور سے سنی ...... اس کی بات میں کافی وزن تھا اور تب اچانک ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں کوندا ...... اور مجھے کچھ امید سی ہونے لگی۔

''جاڑو خان ...... مجھے لگتا ہے کھنڈوانیوں کو شاید دادن شاہ سے کوئی دلچسپی نہ ہو کیونکہ وہ ان کے قبیلے کا فرد نہیں ہے ...... محمد بچل چونکہ ان کے قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اور دادن شاہ کے قریبی دوستوں میں سے تھا۔ اسی لئے ہوسکتا ہے کہ کھنڈوانی قبیلے کے لوگ اپنی جنگ صرف اپنے آدمی محمد بچل تک ہی محدود رکھنا چاہتے ہوں۔''

''بالکل ٹھیک کہا ...... سائیں مٹھا! آپ نے ......'' جاڑو خان میری بات سن کر ایک دم بولا۔ ''اس لئے سائیں مجھے بھی سردار موریو خان کی بات پر پورا یقین ہے کہ وہ غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا ...... کچھ روز تک صبر کر لینا چاہئے۔'' اس نے اپنی بات مکمل کی ...... مگر میرے چہرے پر الجھن آمیز پریشانی ہنوز طاری رہی تھی جسے محسوس کرتے ہوئے جاڑو خان مجھ سے مستفسر ہوا۔ ''سائیں مٹھا! آپ پھر بھی کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہیں؟''

''ہاں جاڑو خان ......'' میں نے کہا۔ ''جانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے نوری کے سلسلے میں جرگے کا فیصلہ سائیں داد کے حق میں نہ ہو جائے۔''

''نہیں سائیں مٹھا ......! ابھی سے ہی ایسی مایوسی کی باتیں سوچو گے تو آپ کو اور پریشانی ہوگی ...... مولا سائیں پر بھروسہ رکھو وہ بہتر کرے گا۔'' جاڑو خان میرے لہجے کی یاسیت کو محسوس کرتے ہوئے بڑے رسان کے ساتھ بولا۔

تب میں نے اپنی توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی۔

جب ہم گوٹھ پہنچے تو ایک لرزہ خیز واقع ہمارا منتظر تھا ...... وڈیرے آچر خان کی جوان خوبرو بیٹی ماروی یعنی بی بی صاحبہ نے حویلی کی بالائی منزل سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی تھی۔

یہ وہی ماروی تھی جسے آچر خان نے اپنے بھائی جمعہ خان کے گیارہ سالہ بیٹے سہراب خان کے ساتھ نکاح کر دیا تھا ...... اور جس کے لئے ماروی کا بڑا بھائی بابر خان میرے پاس مدد کے لئے آیا تھا۔

پہلے تو اس خبر نے مجھے ایک لمحے کو سن کر کے رکھ دیا مگر جب رفتہ رفتہ حواس بحال ہوئے تو مجھے ماروی کے اس لرزہ خیز اقدام پر بہت دکھ ہونے لگا ......

وہ ایک جاہلانہ معاشرتی جبر کا شکار ہو چکی تھی اور وہ بھی اپنوں کی خود ساختہ رسموں کے ہاتھوں۔

بے اختیار میری آنکھوں کے سامنے بدنصیب ماروی کے بھائی بابر خان کا چہرہ آ گیا ...... جو ایک دن اپنی بدنصیب بہن کی مدد کی خاطر میرے پاس آیا تھا ...... مجھے اس کا بھی افسوس تھا کہ میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکا تھا۔

وقت گزرا ...... بے حس وڈیرے آچر کے سر پر جوں تک نہ رینگی ...... حتیٰ کہ سوم وغیرہ بھی نہ کیا اس نے ...... بس گنے چنے افراد تعزیت کے لئے آئے اور خاموشی سے چلے گئے۔

صف ماتم بھی دو دنوں کے بعد اٹھا دی گئی اور پھر وہی زندگی کے روز و شب تھے ...... جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا ...... ہاں ...... البتہ بابر خان کے دل میں اپنے باپ کے لئے نفرت کی خلیج کچھ اور بڑھ گئی۔ اتنی کہ وہ ہمیشہ کے لئے ملک سے باہر چلا گیا ......

اچھا ہی ہوا ...... میں تو اس تصور سے ہی اب گھبرانے لگا تھا کہ بابر خان کا میں کس طرح سامنا کر پاؤں گا ......؟ بہرطور ...... یہ چند روز بعد کا ہی ذکر تھا ...... میں اور جاڑو خان دن کے وقت جنگل اور چوکیوں کا معائنہ کرنے کے بعد جب دوپہر کو واپس ریسٹ ہاؤس پہنچے تو چوکیدار نے بتایا کہ میرا بھائی یار محمد مجھ سے ملنے آیا ہوا ہے۔

وہ اندر گیسٹ روم میں میرا منتظر تھا۔ اس کی آمد پر ایک لمحے کو چونکا ضرور تھا مگر پھر اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کئے گیسٹ روم میں داخل ہوگیا۔ جاڑو خان حسب معمول میرے ہمراہ تھا۔

سامنے یار محمد بیٹھا بے چینی کے عالم میں پہلو بدلتا ہوا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر درشتی کے ساتھ بے چینی بھی ہویدا تھی۔ مجھ پر نظر پڑنے کے باوجود اس نے اٹھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ وہ صوفے پر اس طرح ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھا رہا البتہ مجھ سے مخاطب ہونے کے لئے اس نے پہلو ضرور بدلا تھا۔ بولا۔

''فیض محمد...... یہ کیا بے وقوفی کی ہے تم نے......؟''

وہ حسب توقع اکھڑ پنے سے بولا۔ جس میں حد درجے بدتمیزی کا بھی عنصر غالب تھا۔

ظاہر ہے کہ انداز تخاطب نے مجھے سلگا کر رکھ دیا تھا لہٰذا میں اپنے غصے کو ضبط کئے بغیر بولا۔ ''یار محمد! تمیز سے بات کرو...... تم اس وقت میرے گھر میں موجود ہو...... زبان سنبھال کر رکھو اپنی ورنہ......'' میرا لہجہ از خود تنبیہی ہوگیا تھا...... مگر وہ اسے نظرانداز کرتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا...... اور پھر بدستور کرخت لہجے میں اپنی جیب سے چند پرانے اخباروں کا پلندہ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا......

''تم کیا سمجھتے ہو...... ماڑی کا وہ بیش قیمت خزانہ سرکار کے حوالے کرکے تم نے کوئی بڑا کارنامہ انجام دے دیا ہے۔ اخباروں میں تمہارے کارنامے کو بڑا سراہا گیا ہے...... آخر تمہیں پکی پکائی دیگ سرکار کے حوالے کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' اس کے استہزائیہ لہجے نے مجھے کھولا کر رکھ دیا تھا تاہم میں اسے صرف نظر کرتے ہوئے طنزیہ نظروں سے اسی کی طرف دیکھ کر بولا...... ''میں نے جو کچھ کیا اپنے ضمیر کے مطابق درست کیا ہے۔ وہ خزانہ ہمارے وطن کی امانت تھا۔''

''ہا...... وطن......؟'' وہ پھر حقارت سے بولا اور میری جانب قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا اور پھر زناٹے دار لہجے میں بولا...... ''مجھے سب معلوم ہے...... تم نے یہ خزانہ کس طرح حاصل کیا ہے اور جن لوگوں کی مدد سے تم اس خزانے تک پہنچے تھے...... وہ بھی میرے ہی آدمی تھے جنھوں نے بعد میں اپنی جانوں کی بازی لگا دی

تھی۔''

''جانوں کی بازی لگا دی یا لالچ کا نشانہ بن کر پراسرار طور پر قتل کر دیئے تھے۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا اور اپنی برمائی ہوئی نظریں اس کے زہر خند چہرے پر گاڑ دیں۔ مجھے صاف محسوس ہوا تھا کہ میرے جچے تلے جواب نے اس کے چہرے کا ایک لمحے کو رنگ بدل کر رکھ دیا تھا لیکن پھر فوراً وہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔

''فیض محمد......! اس خزانے میں ہمارا بھی حصہ تھا۔ میرے ساتھی تم سے بدلہ لیں گے سو لیں گے مگر...... عاربو کا کیا کرو گے......؟ جو تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پرانے اخباروں کا پلندہ صوفے پر اچھال دیا اور مزید بولا۔ ''تھوڑا وقت مل جائے تو ان اخباروں کے اداریے پڑھ لینا...... انہوں نے سرکاری خبروں کی طرح تمہیں خوش فہمی میں مبتلا کرنے کی بجائے اصل حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور ساتھ ہی حکومت سے درخواست کی ہے تمہاری حفاظت کے لئے مسلح گارڈ تعینات کرنے کا فوری قدم اٹھائے......''

یار محمد اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو پہلی بار میرے دل میں یہ خیال چند لمحے کو آیا کہ یہ بات یار محمد نے پوری سچائی کے ساتھ کہی تھی یا اس میں بھی اس کی کوئی گہری غرض شامل تھی کیونکہ کم از کم یار محمد جیسے بے حس انسان سے مجھے ایسی ہمدردی کی کوئی امید نہ تھی اور یہ قلعی بھی اس کی کھل گئی۔ چند لمحے توقف کے بعد وہ پھر بولا۔ ''تم کو تو خطرہ ہے سو ہے...... مگر خود میں اور بابا سائیں بھی ان ڈاکوؤں کا شکار ہو سکتے ہیں۔''

''تم مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں کیا کرنے آئے تھے...... اگر بات پوری کر لی ہے تو......'' میں نے اس کے خاموش ہوتے ہی سرد لہجے میں کہا تو وہ...... میری جانب آنکھیں سکیڑ کر تکتا رہا پھر اپنے کاندھے پر دھری اجرک کو ایک خاص انداز میں جھٹکتا ہوا چلا گیا۔

اس کی باتوں نے میری طبیعت کو کافی دیر تک مکدر کئے رکھا۔ بہرطور ذرا دیر

ستانے کے بعد جاڑو خان اور میں نے ایک ساتھ ہی کھانا کھایا اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد لگ بھگ چار بجے ہم دونوں اپنے مخصوص کمرے میں آتش دان کے سامنے چائے پینے بیٹھ گئے۔

ہم دونوں کے چہروں پر گہری خاموشی طاری تھی ...... آتش دان کی آگ مدھم تھی ...... اثنائے راہ ملازم نے آ کر ایک چونکا دینے والی اطلاع دی

''سائیں......! وہ وڈیرا آچر خان آیا ہے...... آپ سے بات کرنے......''

اس اطلاع پر میں قدرے ٹھٹکا۔ مجھے وڈیرے کی آمد پر اچنبھا سا ہوا......

''وہ بھلا کیا کرنے آیا تھا یہاں۔'' میں نے سوچا۔ میرے ایسا سوچنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ اب تک کے حالات نے میرے اور آچر خان کے درمیان مخاصمت کی ایک ایسی دیوار کھڑی کر دی تھی جس کی بنا پر ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے ناپسندیدہ شخصیت قرار دیئے جا چکے تھے۔

بہر طور میں اور جاڑو خان گیسٹ روم میں آ گئے آچر خان وہاں موجود تھا ......اس کے ہمراہ منشی اور دو نوکر قسم کے آدمی بھی موجود تھے۔

مجھے یہ دیکھ کر مزید حیرت کا جھٹکا لگا کہ خلاف توقع وڈیرے آچر خان کے بشرے پر کسی درشتی یا سرد مہری کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس کے قریب کھڑا لومڑی صفت منشی پیرل بھی دانت نکال کر اپنی باچھیں پھیلائے ہوئے تھا۔

''بابا معاف کرنا بگھیو صاحب......! آپ کو ذرا تکلیف دینے آئے ہیں۔''

آچر خان زبردستی معانقہ اور مصافحہ کر کے لہجے کو دوستانہ بنائے ہوئے بولا تو اخلاقاً میں نے بھی جذبات سے عاری چہرے پر ذرا دیر کو مسکراہٹ سی سجا لی اور معتدل لہجے میں بولا۔ ''نہیں آچر سائیں ......بیٹھیں......'' یہ کہتے ہوئے میں نے اسے بیٹھنے کو کہا۔ اس اثناء میں منشی پیرل نے بھی آگے بڑھ کر مجھ سے ہاتھ ملایا تھا...... میں سرسری انداز میں اس سے ملا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

وڈیرے آچر خان نے پہلے ہولے سے کھنکھار کر اپنا گلا صاف کیا پھر کھردرے لہجے میں بولا۔ ''بگھیو صاحب! آپ سے شکایات تو بہت ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کو بھی یقیناً مجھ سے شکایات ہوں گی ...... اسی لئے نہ میں آپ

سے کوئی شکایت کروں گا اور نہ ہی آپ کریں، اس طرح چھوٹے موٹے تنازع تو ہوتے ہی رہتے ہیں......'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوا۔

اور میں بغور اس کی جانب بھانپتی ہوئی نگاہوں سے تکنے لگا...... مجھے اس کی عجیب اور خیر سگالی کی طرز گفتگو پر حیرت کے ساتھ شک بھی ہونے لگا...... جیسے وہ کوئی چال چلنا چاہتا ہو۔

''آچر سائیں! آپ نے درست کہا۔ درحقیقت میں تو خود آپ سے دوستی کا خواہاں تھا اور آپ کی بیٹی ماروی کے اچانک انتقال کی خبر پر آپ کی حویلی بغرض تعزیت حاضر ہونا چاہتا تھا......مگر۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا تو فوراً آچر خان میری بات سمجھ کر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ ''نا ...... نا...... بابا ...... اس کی کوئی ضرورت نہیں ...... ماروی نے ایک حرام موت کو گلے لگایا تھا ...... مجھے اس کا دکھ نہیں ...... دکھ ہے تو اس بات کا کہ...... اسے میری عزت کا بھی خیال نہ آیا۔''

وہ چپ ہوا تو میرا دل بھی آچر خان کی سطحی ذہنیت پر افسوس کئے بغیر نہ رہ سکا حالانکہ اس کا ذمہ دار وہ خود تھا۔ اس نے اپنی خاندانی جاہلانہ رسم کی زنجیروں میں اپنی بچی کو جکڑ لیا تھا۔ اپنے بھائی جمعہ خان کے نو دس سالہ بیٹے کے ساتھ نکاح کر دیا تھا نتیجتاً بے چاری بدنصیب ماروی ذہنی مریضہ بن کر رہ گئی تھی اور بالآخر اس کا یہ ''ہیجان'' خودکشی پر منتج ہوا تھا۔

اور انتہائی افسوس کا مقام یہ تھا کہ بدنصیب ماروی کے باپ آچر خان کو اپنی بیٹی کی موت پر غم کی بجائے ایک سنگدلانہ طیش طاری تھا۔

''بابا رہنے دو ان باتوں کو ...... میں تمہارے پاس ایک بار پھر دوستی کا ہاتھ بڑھانے آیا ہوں ...... چاہو تو تھام لو ...... یا......'' اس نے اچانک مجھے سوچ میں ڈوبے دیکھ کر کہا اور پھر دانستہ اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

''نہیں ......نہیں ...... آچر سائیں......! ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں بھی خود آپ کی اوطاق میں آنا چاہتا تھا...... آپ سنائیں ......کوئی خدمت میرے لائق ہو تو؟'' میں نے ایک نئے انداز سے پینترا بدلا۔

آچر خان چند ثانیے خاموشی کے بعد بولا۔ ''ہاں ...... بگھیو صاحب ...... تم سے ایک کام تھا...... میرا ایک دوست ہے...... اسلام آباد میں رہتا ہے۔ بڑا بیوروکریٹ آفیسر ہے۔ وہ شکار کی غرض سے یہاں آنے والا ہے...... بس اس سلسلے میں تم سے شکار کا پرمٹ لینا چاہتا تھا۔'' آچر خان اپنی بات مکمل کر کے میری طرف تکنے لگا ...... مجھے اس کی بات سن کر کوئی خاص تعجب نہ ہوا۔

تاہم میں نے فوری اس کی بات کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور کچھ سوچنے کے انداز میں ذرا چپ رہا جیسے میں واقعی کچھ سوچ رہا تھا، کوئی گہری بات ...... آچر خان خاموشی سے میرے کچھ کہنے کا منتظر تھا۔

بالآخر میں نے ہولے سے کھنکارتے ہوئے کہا۔ ''آچر سائیں ......! آپ کا کام کرنے کی کوشش کروں گا ...... جب آپ کا وہ دوست اسلام آباد سے آ جائے تو مجھے بتا دینا۔''

میری بات سن کر آچر خان جیسے خوش ہو گیا۔ اسے غالباً مجھ سے اپنے کام کی اتنی جلدی پورا ہونے کی توقع نہ تھی مگر میں نے تسلی بخش جواب دے کر آپس کی کشیدگی دور کر دی تھی۔

پھر جب وڈیرا آچر خان میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہونے لگا تو میں نے بھی قدرے دوستانہ مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے کہا...... ''ہم تو آپ کا کام کر دیں گے لیکن آپ کو ہمارا بھی کام کرنا ہو گا۔'' میرے معنی خیز لہجے پر وہ ایک لمحے کو چونک کر میری جانب تکنے لگا پھر کشادہ مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے بولا۔ ''ہا...... ہا ہا ہا...... ضرور کہو...... بتاؤ بابا...... کیا کام ہے تمہارے کو ہم سے۔''

اس کے مخصوص لب و لہجے پر میرے ہونٹوں پہ یونہی ہلکی سی مسکراہٹ ایک لمحے کو نمودار ہوئی ...... تب میں نے کہا ...... ''آچر سائیں ......! سائیں داد نامی اس چھوکرے کو آپ جانتے ہیں نا، اچھی طرح سے ...... جسے کچھ عرصے پہلے علی بخش نے اپنی بہن نوری کے ساتھ ''کارو'' قرار دیا تھا جو بعد میں روپوش ہو گیا تھا۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی نظریں آچر خان کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

وہ ایک لمحے کو میری بات سن کر چونکا لیکن پھر اگلے ہی لمحے ہولے سے مسکرا کر اثبات میں بولا۔ ''ہا ہا ہا ہا...... ! جانتا ہوں میں اس چھوکرے ...... وہ آج کل میرے ڈیرے پر ہی رہنے لگا ہے۔ ویسے اس غریب کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے ...... اب دیکھو نہ اب جبکہ علی بخش کو اپنی بہن نوری کا تاوان مل چکا ہے ...... پھر نوری بھی زندہ ہے تو سائیں داد کو اب یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ نوری سے باقاعدہ نکاح کر لے۔'' آچر خان نے صراحت بھرے انداز میں کہا۔

اس اثناء میں منشی پیرل جو اب تک ہم دونوں کی گفتگو کے درمیان چپ بیٹھا تھا...... اپنے وڈے سائیں کی بات سن کر پہلے تو حسب عادت کھیں نکال کر ہنسنے لگا پھر اپنا گول عدسوں والا احمقانہ چشمہ ناک کی پھنگ پر درست کرتے ہوئے بولا۔

''بگھیو صاحب...... ! دراصل اپڑیں سائیں کے کہنے کا مطلب ہے کہ اس چھوکرے سائیں داد کا منہ بند کرنا ضروری ہے ...... آپ گڑتی نہ کریں بگھیو صاحب ...... ہم کوشش کریں گے کہ فیصلہ آپ ہی کے حق میں ہو......''

منشی پیرل کی معاملہ فہمی پر میں نے اندازہ لگایا کہ آچر خان کو شاید ابھی تک یہ بات معلوم نہ تھی کہ نوری سے میں شادی کرنا چاہتا تھا لیکن پیرل کو اس بات کا اندازہ تھا۔

تب اس نے آچر خان کو بھی یہ بات دبے لہجے میں سمجھا دی۔

تب آچر خان یکدم اپنی گھنی بھنوؤں کو اچکاتے ہوئے بولا...... ''ہالا ...... ہالا بابا ...... ہالا ...... اپڑیں بگھیو صاحب کے سلسلے میں ہم خود سردار موریو خان سے سفارش کریں گے ...... پر پہلے جرگہ ہو تو سہی۔'' آچر خان اب پوری بات سمجھ گیا تھا ...... مجھے بھی قدرے امید ہو چلی تھی۔

میں پھر قدرے معنی خیز انداز میں مسکرا کر آچر خان سے بولا۔ ''سائیں آچر! میں نے سنا ہے...... آپ نے باقاعدہ اس چھوکرے کو پناہ دے رکھی ہے اور اس کی مدد کرنے کا پکا ارادہ کر رکھا ہے۔'' میں اب کھل کر اس بارے میں آچر خان سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ مجھے اس بات پر حیرت بھی تھی کہ آچر خان کو کیا واقعی اس بات کا علم نہ تھا کہ نوری سے میں نکاح کرنا چاہتا ہوں یا وہ دانستہ منافقت سے کام لے

رہا تھا۔

بہرطور ...... میں نے آچر خان سے اس کے ''کام'' کا مشروط وعدہ کیا ...... پھر اس کے جاتے ہی میرے ضمیر نے مجھے کوسا کہ کیا میں اس طرح خودغرضی سے کام نہیں لے رہا ...... اپنے کام کی خاطر ...... کسی کو ناجائز شکار کا پرمٹ جاری کر دوں ...... اگرچہ میں خود جنگلی حیات کی بقاء کے پروگرام لے کر یہاں آیا تھا ...... لیکن پھر میں نے سوچا کہ جانوروں کے مقابلے میں کسی انسان کی جان بچانا زیادہ اہم ہے ...... اگر نوری ...... سائیں داد کے نکاح میں چلی گئی تو یقیناً اس بے چاری کی زندگی جہنم بن جائے گی نیز خود میں بھی اس کے بغیر زندہ درگو ہو جاؤں گا۔

اب کہیں مجھے ڈھارس بندھی تھی کہ جرگے کا فیصلہ میرے حق میں ہو سکتا تھا ...... اس کے ساتھ ہی میں نے آچر خان پر زور دیتے ہوئے کاہ کہ وہ سردار موریو خان سے مل کر جلد از جلد جرگے کے فیصلے کے لئے کچھ کرے۔

◆❁◆

''سائیں مٹھا ...... ! کیا آپ کو یقین ہے کہ وڈیرا آچر خان ...... نوری کے سلسلے میں آپ کی صدق دل سے مدد کرے گا۔''

ایک سرد شام ...... میں اور جاڑو خان حسب معمول آتش دان والے کمرے میں بیٹھے کافی پی رہے تھے تو جاڑو خان نے ایک طویل اور پرسوچ خاموشی کے بعد اچانک مجھ سے مخاطب ہو کر یہ بات کہی تھی ...... جس نے بہرحال مجھے تھوڑا سا گڑبڑا ضرور دیا تھا کیونکہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ آچر خان مجھ سے کسی قسم کی دھوکا بازی کرے گا کیونکہ میں نے اپنے ''کام'' کا اس سے ایک مشروط وعدہ طے پا چکا تھا جس کی بنیاد کچھ لو اور کچھ دو پر تھی ...... مگر اس کے باوجود جاڑو خان کی اس بات نے مجھے پھر سے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

میں نے بغور اس کی بات سنی تھی پھر جواباً میں نے کہا ...... ''میرا خیال ہے اس چھوکرے سائیں داد کے مقابلے میں آچر خان کے لئے یہ بات زیادہ اہم ہو گی کہ اس کے مہمان کو میں اس شرط پر شکار کا پرمٹ جاری کر دوں کہ وہ سائیں داد کی پشت پناہی سے ہاتھ اٹھا لے گا ......'' میں اتنا کہہ کر جاڑو خان کے چہرے کی طرف

تکنے لگا جیسے اس سلسلے میں مزید مجھے اس کے گرانقدر مشوروں کی ضرورت ہو ...... اس کے چہرے پر ذرا دیر کو گھمبیر سی خاموشی طاری رہی ...... پھر بولا۔ ''ٹھیک ہے سائیں ...... یہ بات بھی درست ہے ...... آچر خان کو سائیں داد کے مقابلے میں اپنے مفادات زیادہ عزیز رکھنے چاہئیں۔''

مجھے یوں لگا جیسے جاڑو خان کو آچر خان کی طرف سے کوئی خاص تسلی نہیں ہوئی۔ اسے شبہ تھا کہ وہ نوری کے معاملے میں مجھ سے تعاون کرے گا۔ میں بھی اس خیال کو مدنگاہ رکھتے ہوئے محتاط ہی تھا اور اس دوران میری کوشش یہی رہی کہ جرگے کا فیصلہ جلد ہو۔ اس کی خاطر میں نے آچر خان کے ہاں بھی ایک دو چکر لگائے تھے۔

انہی دنوں شکار کا سیزن شروع ہو گیا اور آچر خان کا وہ ''مہمان خاص'' اسلام آباد سے بغرض شکار چر خان کی حویلی آ پہنچا۔ آچر خان نے میری بھی اس سے ملاقات کروائی تھی اور پھر فوراً شکار کا لائسنس جاری کرنے کی درخواست کی تھی۔ پہلی ملاقات پر تو میں نے اسے ٹال دیا لیکن بار بار ایسا کرنا میرے لئے ممکن نہ تھا ...... لیکن میں یہی چاہتا تھا کہ آچر خان میرے ''کام'' کو بھی آگے بڑھائے۔ مجھ سے اب مزید انتظار نہیں ہو رہا تھا۔

بالآخر آچر خان نے ایک دن مجھے آ کر یہ خوشخبری سنائی کہ سردار موریو خان ...... نوری کے سلسلے میں بہت جلد جرگہ بٹھا رہا ہے۔

اس کے ساتھ ہی وڈیرے آچر خان نے ایک عجیب خبر بھی مجھے سنائی کہ سائیں داد ...... کچھ روز سے اچانک ہی منظر عام سے غائب ہو چکا ہے۔ پہلے تو مجھے خوشی ہوئی کہ چلو یہ معاملہ اب سائیں داد کی دوبارہ روپوشی سے جلد از جلد خودبخود میرے حق میں نمٹ جائے گا مگر پھر اس وقت میری خوش فہمی جھاگ کی طرح بیٹھتی چلی گئی ...... جب مجھے اپنے ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ سائیں داد ...... آچر خان سے مایوس ہو کر جکھرانیوں سے جا ملا ہے ...... وہاں کا وڈیرا جرگے کا ایک معزز معتبر رکن ہے۔ میں آچر خان کے شکاری مہمان دوست محمد کو شکار کا پرمٹ جاری کر چکا تھا ...... اب میری نظریں آچر خان پر تھیں کہ وہ میری کس حد تک مدد کرتا ہے۔

جرگہ بیٹھنے میں ابھی چند روز باقی تھے کہ وڈیرے آچر خان نے اپنے چند اور دوستوں کے لئے بھی مجھ سے شکار کے پرمٹ جاری کروا لئے ......نوری کی محبت نے مجھے اس قدر اندھا کر دیا تھا کہ میں اپنے اصولوں سے نہ چاہتے ہوئے بھی انحراف کرتا چلا گیا تھا۔

اس صورت حال سے جارو خان بھی خاصا پریشان اور الجھا ہوا نظر آتا تھا۔

ادھر مجھے چوکی گارڈز کی طرف سے خبریں ملنے لگیں کہ بعض شکاریوں نے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پورے جنگل میں بے دریغ شکار کھیلنا شروع کر دیا ہے۔

یہ بات میری فطرت اور میرے مزاج کے خلاف تھی۔ مجھے دکھ کے ساتھ ندامت کا بھی احساس ہونے لگا۔

✹ ═ ✹ ═ ✹

یہ بات واقعی میری گورنمنٹ جاب کے منافی تھی۔ خود مجھے اس کا قلق ہو رہا تھا......لیکن مجھے وڈیرے آچر خان کے ان شکاری مہمانوں پر بھی طیش آ رہا تھا...... جو بے دریغ شکار کھیلتے پھر رہے تھے۔ پھر ایک دن میں اور جاڑو خان آچر خان کی حویلی جا پہنچے۔

''......آچر سائیں......! یہ تو غلط بات ہے...... آپ کے مہمان ...... اندھا دھند شکار کھیل رہے ہیں۔ اس طرح میری نوکری خطرے میں پڑ سکتی ہے۔'' میری بات سن کر آچر خان کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ بولا۔

''اڑے بابا بگھیو صاحب......! آپ کیوں گھبراتے ہو...... آپ کو پرمٹ جاری کرنے کا پورا اختیار ہے ...... اور پھر یہ میرے مہمان بھی خود فیڈرل گورنمنٹ کے آفیسرز ہیں ...... کوئی ایسی بات نہیں ہونے دیں گے، آپ کے ساتھ ...... آپ بالکل گڑتی (فکر) نہ کرو۔''

''......لیکن سائیں! حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنی نوکری سے زیادہ اس بات کی فکر ہے کہ اس علاقے میں بعض کمیاب جانوروں کی نسل بھی موجود ہے جو ہمارے جنگلات کا اصل حسن ہیں......'' میں نے کسی قدر گڑھے دل کے ساتھ کہا۔ دوسرے ہی لمحے مجھے یہ احساس ہو گیا کہ...... آچر خان کے سامنے اس بات کا ذکر بے سود ہی تھا۔ میں اسے جس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا تھا اسے وہ نہیں سمجھ سکا تھا لہٰذا جواباً ایک بیہودہ سا قہقہہ اپنے حلق سے خارج کر کے بولا۔ 'شاڑے بابا بگھیو صاحب......! آپ بھی بچوں جیسی باتیں کرتے ہو ...... یہ پرندے، ورندے شکار کے لئے ہی تو ہوتے ہیں بابا...... پر ٹھیک ہے ...... میں انہیں بھی سمجھا دوں گا۔''

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو رہا اور پھر اس کے بعد میں اور جاڑو خان مزید چند

لمحے وہاں بیٹھ کر واپس ریسٹ ہاؤس آ گئے۔ اپنے ریسٹ ہاؤس پہنچتے ہی مجھے سردار موریو خان کا ایک پیغام ملا جو اس کا ایک آدمی لے کر آیا تھا اور میری غیر موجودگی میں سردار موریو خان کا پیغام زبانی طور پر میرے ایک ملازم کو دیا گیا تھا اور اس کے ذریعے مجھے علم ہوا کہ سردار پرسوں جرگہ بٹھانے کا بندوبست کر چکا تھا۔ جرگے میں اسے تین فیصلے نمٹانے تھے۔ آخری فیصلہ...... نوری اور سائیں داد کے سلسلے کا رکھا گیا تھا۔ بہرطور میں نے شکر کیا لیکن پھر جیسے جیسے جرگے کا وقت قریب آنے لگا میری بے چینی بھی ہوا ہونے لگی۔

بالآخر فیصلے کا دن آن پہنچا۔ اگرچہ نوری کا فیصلہ سب سے آخر میں رکھا گیا تھا مگر مجھے صبح سویرے ہی بلایا گیا تھا۔ لہٰذا میں جاڑو خان کو ساتھ لے کر سردار موریو خان کی اوطاق پہنچا تو وہاں بڑا سا پنڈال سجایا گیا تھا۔ سجاوٹ سے مراد میری...... قطار در قطار کرسیوں اور سرکنڈوں کے مونڈھے تھے جو وہاں بڑے سلیقے سے رکھے گئے تھے۔ ان کے سامنے تین چار بڑے صوفے، رلی بچھی چارپائیاں اور ان کے درمیان میں ایک قدرے بڑا اور اونچے پشتے والا...... مونڈھا بھی دھرا تھا۔ صوفوں پر دیگر گوٹھوں کے...... وڈیرے اور زمیندار براجمان تھے جبکہ دوسرے سامنے کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

سردار موریو خان ابھی نہیں آیا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو سردار موریو خان کے چند آدمیوں نے مجھے آگے کے ایک صوفے پر بٹھا دیا جبکہ جاڑو خان پیچھے ایک قریبی کرسی پر براجمان ہو گیا۔ وڈیرا آچر خان بھی ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا۔ پھر ذرا دیر سردار موریو خان اپنے چند مصاحبین کے ہمراہ وہاں آیا تو ہم سب تعظیماً اس کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر اس نے اشارے سے ہم سب کو بیٹھنے کا کہا۔ اس کے بعد سردار موریو خان بھی اپنی نشست خاص یعنی اونچے پشتے والے ایک مونڈھے پر براجمان ہو گیا۔ اس کے ذرا ہی دیر بعد سردار کے ایک مصاحب خاص نے سردار موریو خان کے کان میں کچھ کہا۔

پھر ایک شخص جو سردار کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور پھر باآواز بلند بولا۔

''...... آج اپڑیں مان وارے (معزز) سائیں سردار محمد موریو خان تین جھگڑوں کا فیصلہ کروائیں گے۔ پہلا تنازع محمد مٹھل خان اور رئیس جونگل خان کے درمیان پانی کاٹنے کا ہے اور دوسرا جھگڑا...... زمیندار سالار خان کے ایک کسان کے گھر سے اس کی تین بھینسیں چوری کرنے کا ہے جبکہ تیسرا ''کاروکاری'' کا ایک پرانا معاملہ ہے۔ جو علی بخش ولد رحیم داد کی بہن نوری اور جوابدار سائیں داد کے درمیان ہے، نمٹایا جائے گا۔ اگر کسی کو اس جرگے میں کسی قسم کا کوئی اعتراض ہو تو وہ بلاخوف اس کا اظہار کر سکتا ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ خاموشی سے اپنی نشست پر براجمان ہو گیا۔

اثنائے راہ...... ایک بھاری بھرکم اور پختہ العمر شخص وہاں صوفے پر براجمان ہوا۔ اس کے ساتھ ایک شخص کو دیکھ کر میں ذرا چونکا تھا، وہ سائیں داد تھا جو وڈیرے آچر خان سے مایوس ہو کر ایک دوسرے گوٹھ کے جکھرانی وڈیرے سے جا ملا تھا۔ بعد میں اس وڈیرے کا نام مجھے عاقل خان معلوم ہوا جو خود بھی اس جرگے کا ایک معتبر رکن تا اور سائیں داد اس کے ساتھ آیا ہوا تھا۔

اگرچہ وہ ذرا دیر سے پہنچا تھا مگر سردار موریو خان کے مصاحب خاص کے مختصراً اعلامیے کے الفاظ اس نے بھی سن لئے تھے...... لہٰذا جیسے ہی مذکورہ چوبدار اپنا اعلامیہ ختم کر کے بیٹھا عاقل خان فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو اور مؤدبانہ سردار موریو خان سے مخاطب ہو کر بولا...... ''کاروکاری'' کے اس تیسرے تنازع میں سائیں داد کو ملزم کی بجائے فریادی کہا جائے۔ کیونکہ اس وقت اس کی حیثیت فریادی کی ہے نا کہ جوابدار کی......'' اتنا کہہ کر وڈیرا عاقل خان اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

ماحول میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ سردار موریو خان نے بڑے غور سے عاقل خان کی بات سنی تھی۔ پھر اپنے قریب بیٹھے چند لوگوں سے اس نے کچھ باتیں کیں اور پھر اپنی گھمبیر آواز میں بولا۔ ''ہمیں عاقل خان کا اعتراض منظور ہے۔ لہٰذا سائیں داد کو اب جوابدار کی بجائے فریادی کہہ کر پکارا جائے۔'' سردار اتنا کہہ کر خاموش ہوا تو مجھے ایک ناقابل بیان پریشانی نے گھیر لیا۔ ''مقدمہ'' شروع ہونے سے پہلے ہی...... سائیں داد کے ''وکیل'' عاقل خان نے اس کی ''حیثیت'' تبدیل

کروا دی تھی۔ جو میرے لئے بہر حال نیک شگون ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر چہ مجھے ابھی تک اس جرگے میں اپنی حیثیت کا تعین نہ ہو سکا تھا مگر میں پھر بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور سردار موریو خان سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''سردار سائیں......! مجھے سائیں داد کے ''فریادی'' ہونے پر سخت اعتراض ہے۔''

ابھی میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ موریو خان کا بندہ مجھ سے قدرے سرد انداز میں بولا۔ ''...... ابھی سائیں داد اور علی بخش کا مقدمہ شروع نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا اس بارے میں حتمی فیصلہ ہونے تک خاموش رہا جائے۔''

ناچار میں خاموش ہو رہا۔ ادھر آس پاس بیٹھے جرگے کے اراکین سردار موریو خان کے ساتھ دھیمے دھیمے انداز میں کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد چوبدار اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور پھر حاضرین پنڈال کو مخاطب کر کے با آواز بلند بولا۔ ''جیسا کہ آپ لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ آج تین معاملات پر کچہری کروائی جائے گی...... لیکن اتفاق سے محمد مٹھل خان اور رئیس جونگل خان کا معاملہ جرگے کا فیصلہ ہونے سے پہلے طے کر لیا ہے جبکہ دوسرا تنازع زمیندار سالار خان کے کسان کے یہاں چوری کا تھا۔ بدقسمتی سے ان دونوں فریقین کے ابھی کچھ لوگ یہاں نہیں پہنچ سکے ہیں لہٰذا اب تیسرے جھگڑے ''کاروکاری'' کے فیصلے کی کارروائی شروع کی جاتی ہے مگر اس سلسلے میں ایک بات ضرور کرنا چاہوں گا کہ...... مان وارے سائیں سردار موریو خان کا فیصلہ آخری اور حتمی ہو گا۔'' چوبدار اتنا کہہ کر اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

ادھر رفتہ رفتہ پنڈال لوگوں سے کھچا کھچ بھرنا شروع ہو گیا تھا۔ علی بخش، رحیم داد اور دیگر فریقین کے متعلقہ افراد بھی وہاں آ چکے تھے۔ جن لوگوں کو بیٹھنے کو جگہ نہ مل سکی تھی وہ کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کے بشروں سے عجیب قسم کا اشتیاق اور دلچسپی مترشح تھی۔

مجھے ہنوز اس بات کی پریشان کن بے چینی کھائے جا رہی تھی کہ آخر نوری کے سلسلے میں کون ''وکالت'' کرے گا؟ جبکہ ادھر سائیں داد کی حمایت کے لئے وڈیرے عاقل خان کے علاوہ اس کے گوٹھ کے بعض معتبر افراد بھی موجود تھے اور

تب اچانک میری نگاہ پنڈال کے ایک قریبی گوشے میں پڑی تو میں ذرا چونکا۔ وہاں سوڈھل موجود تھا اور شاید کافی دیر سے ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہ رہا تھا۔

پھر اگلے ہی لمحے...... وہ کسی طرح میرے قریب پہنچا اور میرا کاندھا دباتے ہوئے کان میں سرگوشی کرنے کے انداز میں مجھے جیسے مژدۂ جانفزا سناتے ہوئے بولا۔ ''سائیں بگھیو صاحب! آپ گڑتی نہ کرو...... ہم بھی یہاں موجود ہیں۔ آپ کے برابر ہمارا...... بھوتار سائیں بھی بیٹھا ہے۔ آپ نے تو ہمیں اپنے معاملے کی خبر نہ ہونے دی۔ پر ہم بھی یاروں کے یار ہیں...... بس آپ حوصلہ کرو...... اور باقی ہم سنبھالیں گے۔'' اتنا کہہ کر سوڈھل واپس اپنی جگہ پر چلا گیا تو مجھے جیسے یک گونہ مسرت سی محسوس ہونے لگی تو میں سوڈھل کی دوست نوازی پر عش عش کر اٹھا۔

میں نے کنکھیوں سے سوڈھل کے بتائے ہوئے اپنے برابر میں بیٹھے اس کے ''بھوتار سائیں'' کی طرف دیکھا تو وہ بھی میری طرف دیکھ کر ہولے سے اپنا سر اثبات میں ہلاتے ہوئے مسکرایا تھا۔

اب ''اجلاس'' کی پہلی کارروائی نمٹانے کے لئے چوبدار پھر اٹھ کھڑا ہوا اور پندرہ بیس منٹوں تک نوری اور سائیں داد کے ''کیس'' کے بارے میں تفصیل حاضرین کو سناتا رہا اس کے بعد وہ خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ تب سردار موریو خان نے گونجدار آواز میں سائیں داد کے حق میں دلائل دینے کے لئے، کسی بھی شخص کو ''وکالت'' کرنے کی دعوت دی تو...... سائیں داد کی حمایت میں پہلے ایک مسکین صورت کا شخص اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ اس کے تعارف کرانے کے بعد پتہ چلا کہ...... وہ سائیں داد کا کوئی قریبی عزیز تھا وہ بولا۔ ''جیسا کہ...... بھا سائیں داد کو آج سے چند سال پہلے موگو ہاری کی بیٹی نوری کے ساتھ ''کاروکاری'' کے جھوٹے الزام میں نوری کے بھائی علی بخش نے اپنے کسی خاص مقصد کے لئے پھنسانے کی کوشش کی تھی جس میں وہ کامیاب بھی رہا تھا کیونکہ سائیں داد بے چارہ ایک سیدھا سادہ لڑکا تھا۔ وہ خوفزدہ ہو کر روپوش ہو گیا تھا...... لہٰذا بعد میں فیصلہ علی بخش کے حق میں ہو گیا لیکن اب جبکہ نوری بھی زندہ ہے اور علی بخش کو بھی ''تاوان'' مل چکا ہے

اب سائیں داد کے ساتھ کم از کم اتنا انصاف تو ضرور ہونا چاہئے کہ...... اسے علی بخش کی بہن نوری کا رشتہ دے دیا جائے۔'' اتنا کہہ کر وہ شخص خاموشی سے بیٹھ گیا۔

پنڈال کو ایک بار پھر سانپ سونگھ گیا۔ خود میں بھی ساکت بیٹھا موریو خان کی طرف تکے جا رہا تھا۔ میرا دل ناقابل بیان احساس کا شکار تھا۔ سردار نے اپنے دائیں بائیں بیٹھے مشیروں سے دھیمی انداز میں کچھ باتیں کیں...... پھر دوبارہ گونجیلی آواز میں سائیں داد کے خلاف دلائل کے لئے دعوت عام دی تو چند ثانیے تک پنڈال میں خاموشی چھائی رہی کوئی نہیں اٹھا۔ میری بے کلی سوا ہونے لگی، دل چاہا کہ خود اٹھ کر کھڑا ہو جاؤں۔

معاً میرے قریب بیٹھا شخص ہولے سے کھنکار کر کھڑا ہو گیا۔ یہ وہی ''بھوتار سائیں'' تھا جس کے بارے میں سوڈھل میرے کان میں سرگوشی کے ذریعے بتا چکا تھا کہ میں خود کو تنہا نہ سمجھوں۔ بہرطور...... ''بھوتار سائیں'' نے سب سے پہلے اپنا تعارف کرایا اور بھاری آواز میں کہنا شروع کیا۔

''...... اگرچہ میں بھی جرگے کا رکن رہا ہوں مگر اس بارے میں نے ایک معتبر رکن کی بجائے ایک عام آدمی کی حیثیت سے شرکت کی ہے تا کہ مجھ پر یہ الزام نہ لگے کہ میں نے اپنے ہی لوگوں کے حق میں فیصلہ موڑنے کی کوشش کی۔'' اس نے چند ثانیے توقف کیا۔ اس کے لہجے سے خود اعتمادی اور صاف گوئی مترشح تھی۔ اس نے پھر بولنا شروع کیا۔ ''......معزز سردار سائیں اور جرگے کے معتبرین سے میں یہی گذارش کروں گا کہ معصوم نوری کا مقدمہ بالکل آسان اور سادہ ہے لیکن اگر فیصلہ سائیں داد کے حق میں ہو جاتا ہے تو نوری کی زندگی ضرور جہنم بن سکتی ہے کیونکہ یقیناً پنڈال میں موجود زیادہ افراد کا بھی یہی خیال ہوگا کہ سائیں داد محض ضد کی خاطر نوری سے شادی کرنا چاہتا ہے تا کہ بعد میں اس بے چاری پر بے تحاشا ظلم کے پہاڑ توڑے اور علی بخش سے ''بدلہ'' لینے کی خاطر وہ اس کی بہن نوری کو...... تختۂ مشق بنائے لہٰذا میری معزز سردار سائیں سے گذارش ہے کہ وہ معصوم نوری کی شادی سائیں داد سے کرنے کی بجائے کسی دوسرے شخص سے کر دیں جس پر نوری اعتماد کرے۔'' اتنا کہہ کر وہ شخص اپنی جگہ پر براجمان ہو گیا۔

ایک بار پھر پنڈال میں باتوں کی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ سردار بھی اپنے قریب بیٹھے جرگے کے افراد سے کچھ دیر باتیں کرتا رہا پھر معاً ہی ایک آواز ابھری۔

''...... یہ بالکل غلط ہوگا کہ نوری کا سنگ کسی دوسرے شخص کو دے دیا جائے...... سردار سائیں......''

یہ وڈیرا عاقل خان تھا جس کے ''چرنوں'' میں سائیں داد نے پناہ لے رکھی تھی۔ پنڈال پر ایک بار پھر سناٹا طاری ہو گیا تھا...... اور سامنے......معزز اراکین اور سردار موریو خان بھی اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

عاقل خان نے سب کو اپنی جانب گوش برآواز پا کر دوبارہ کہنا شروع کیا۔

''مجھے سائیں مختار احمد کی بات سے قطعاً اختلاف ہے۔ اگر نوری کا سنگ سائیں داد کو دینے کی بجائے کسی اور کو دے دیا جائے اور وہ بھی اس شرط پر کہ......نوری جس پر اعتماد کرے...... یہ تو بڑی عجیب بات ہو جائے گی اور گریب چھوکرے سائیں داد کے ساتھ بھی ناانصافی ہوگی کیونکہ نوری...... سراسر ایک ''کاری'' لڑکی ہے اس لئے اسے سائیں داد کے نکاح میں ہی دینا جائز ہوگا۔'' اتنا کہہ کر عاقل خان بیٹھ گیا۔

اس کی بات سن کر میری کنپٹیاں سلگنے لگیں...... اور تب میں بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا کہ اپنے جوش پر قدرے قابو پاتے ہوئے سردار موریو خان سے مخاطب کر کے بولا۔ ''سردار سائیں......! اگر نوری ''کاری'' ہے...... تو پھر ایک ''کارو'' (بدکار) کے ساتھ اس کا نکاح ناجائز ہوگا۔'' میں نے ابھی تا نا ہی کہا تھا کہ عاقل خان بھی اٹھ کھڑا ہوا اور میری جانب زہرخند انداز میں گھورتے ہوئے بولا۔ ''بابا...... تم کون ہو...... اور تمہاری کیا حیثیت ہے...... اس جرگے میں ٹانگ اڑانے کی......''

''میرا نام فیض محمد بگھیو ہے...... اور میں نوری سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور اس سلسلے میں نوری کو مجھ پر پورا اعتماد ہے۔'' میں نے بلاخوف اور بڑے اعتماد کے ساتھ کہا تو...... پورے پنڈال میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ ایسے میں چوبدار نے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ کے اشارے سے پنڈال میں موجود لوگوں کو خاموش رہنے کو کہا...... اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''دیکھ بگھیو صاحب......! آپ کو

بولنے کا ابھی کوئی حق نہیں ہے۔ آپ براہ مہربانی بیٹھ جائیں۔'' چوبدار کی بات سن کر میں پرزور لہجے میں بولا۔ ''مجھے پورا حق ہے بولنے کا...... کیونکہ میں نوری سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور اسے بھی اس نکاح پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

تب وڈیرا عاقل خان استہزائیہ لہجے میں سردار موریو خان سے بولا۔ ''سردار سائیں! اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ...... یہ شخص بھی نوری کے ساتھ ''کارو'' ہے۔ اب اسے بھی ''تاوان'' دینا ہوگا۔'' اس کی اشتعال انگیز گفتگو نے میرے تن بدن میں آگ بھر دی اور اس سے پہلے کہ میں بھی کوئی ایسی ہی جوابی کارروائی کرتا سردار موریو خان نے اپنا ایک ہاتھ بلند کرتے ہوئے ہمیں خاموش رہنے کو کہا اور گھمبیر لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''بابا......! تم ذرا ماٹھ کر...... بیٹھے رہو...... ابھی تمہارا کوئی کام نہیں ہے۔''

ناچار میں غصے کے مارے بل کھاتا ہوا خاموشی سے بیٹھ گیا۔ پھر سردار موریو خان اپنے چند مشیروں کے ساتھ اندر اوطاق میں چلا گیا...... اور ادھر پنڈال میں پھر لوگوں کے بولنے کی بھنبھناہٹ شروع ہوگئی۔

ادھر سردار کافی دیر تک اندر اوطاق میں اپنے مشیروں کے ساتھ گفتگو میں مصروف رہنے کے بعد دوبارہ نمودار ہوا اور پھر حاضرین کو مخاطب کر کے کہنا شروع ہوا۔

''نوری چونکہ ''کاری'' قرار دی جا چکی ہے...... اور اس کی پاداش میں جوابدار ''کارو'' یعنی سائیں داد کے وارثوں نے نوری کے وارثوں کو بڑا بھاری ''ہرجانہ'' بھی دے دیا ہے دوسرے نوری اپنی جان کے خوف سے اب تک وڈیرے آچر خان کے پاس ''پناہ'' میں تھی مگر اس کی جان کو اب بھی خطرہ لاحق ہے...... لہٰذا اگر اسے سائیں داد کی بجائے کسی اور کے نکاح میں دے دیا جاتا ہے تو پھر اس کی زندگی خطرے میں رہے گی لیکن ہم ابھی کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے نوری کے بھائی علی بخش سے یہ عندیہ لینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر اس کی بہن کو سائیں داد کے ساتھ بیاہ دیا جائے تو کیا پھر وہ نوری کو قتل کرنے کے ارادے سے باز آ جائے گا؟''

سردار نے اپنی بات ختم کی ہی تھی کہ...... یکدم علی بخش اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور باآواز بلند بولا۔ ''معزز سائیں! نوری کی جان میں...... اسی صورت میں ہی بخش سکتا ہوں کہ وہ سائیں داد کے سوائے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔'' وہ تو اتنا کہہ کر بیٹھ گیا اور میرے پورے وجود میں جیسے چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

میں سردار کی بات سننے کے لئے سانس روکے ہوئے تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرا دل دھڑکنا بند ہوگیا ہو...... اور پھر ذرا دیر بعد ہی سردار موریو خان نے سائیں داد کے حق میں اس جرگے کا حتمی فیصلہ کر دیا کہ نوری کی جان بچانے کی یہی ایک صورت رہ جاتی ہے کہ اس کا نکاح سائیں داد کے ساتھ کر دیا جائے۔

میں یہ فیصلہ سن کر اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا۔ میرا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا۔ اس جاہلانہ فرسودہ اور خودساختہ فیصلے نے میرے اعصاب اور سوچنے کی تمام صلاحیتوں پر جیسے کاری ضرب لگائی تھی۔ میں ابھی چاہتا ہی تھا کہ اس ''فیصلے'' پر چیخ چیخ کر خوب واویلا کروں لیکن معاً ہی میرے قریب بیٹھے میرے بہی خواہ وڈیرے مختار احمد نے میری کھولتی ہوئی کیفیت کو بھانپتے ہوئے مجھے خاموش بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس کے بعد پنڈال ویران ہونے لگا اور سردار بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ اندر اوطاق میں چلا گیا...... تو میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے ایک نگاہ سائیں داد اور عاقل خان کی طرف دیکھا تو وہ بڑے معنی خیز انداز میں اپنی مونچھوں کو بل دیتے ہوئے استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھ رہے تھے۔

میرا بس چلتا تو میں ان دونوں رذیلوں کی گردنیں مروڑ ڈالتا مگر میں خود پر حد درجہ قابو پاتے ہوئے تیز تیز قدموں سے اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔ جاڑو خان بھی بے حد پریشان اور غم زدہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے مجھے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کی بجائے برابر والی نشست پر بٹھا دیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

میں اتنا مایوسی کا شکار تھا کہ وہاں موجود اپنے بہی خواہوں سوڈھل اور وڈیرے مختار احمد سے بھی نہ ملا اور سیدھا اپنے ریسٹ ہاؤس پہنچ کر ہی دم لیا۔ معصوم نوری کی زندگی پر بالآخر فرسودہ رسم و رواج نے ''بدقسمتی'' کی مہر ثبت کر دی تھی۔

اس الم نصیب کا معصوم اور غم آگیں چہرہ بار بار میری آنکھوں کے سامنے فریاد کرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

میں اپنے آتشدان والے کمرے میں آ کر ایزی چیئر پر جیسے گر سا گیا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کمرے کی بلند چھت میرے سر پر آ رہی ہو۔ اس بھیانک تصور سے میری مٹھیاں بار بار بھینچ رہی تھیں کہ بے چاری حرماں نصیب نوری کو سائیں داد کے ساتھ بیاہ دیا جانے والا تھا۔ گویا اس بے چاری کو زندہ درگور کیا جا رہا تھا اور بلاشبہ سائیں داد ...... نازک جاں اور گل اندام نوری کو اپنی انا کی سولی چڑھا کر اس کے ساتھ قصائیوں جیسا سلوک کرنے والا تھا۔

''نہیں ......نوری! میں تمہارے ساتھ یہ ظلم نہیں ہونے دوں گا۔ بھلے مجھے اس کے لئے ساری دنیا کو آگ میں جھونکنا پڑے۔ میں ہرگز تمہیں اس بھیڑیا صفت سائیں داد کی درندگی کا شکار نہیں ہونے دوں گا۔'' میں بے اختیار بڑبڑانے لگا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے اندر ایک آتش فشاں کھول رہا ہو جو کوئی دم کو پھٹنے والا ہو۔ میرا پورا وجود ایک الاؤ کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔

پھر اس سے پہلے کہ میرے حواس میرا ساتھ چھوڑتے ...... جاڑو خان فوراً پانی کا گلاس تھامے میرے قریب آیا اور آہستگی کے ساتھ اپنا ایک ہاتھ میرے کاندھے پر دھرتے ہوئے گلاس مجھے تھمایا اور لرزیدہ لہجے میں بولا۔ ''سس ...... سائیں مٹھا ......حوصلہ کرو۔ اس طرح ......اس طرح ......تو......''

''میں کیسے حوصلہ کروں......؟ جاڑو خان!'' میں اس کی بات کاٹ کر بولا۔ میرے حلق میں رقت اتر آئی تھی۔ ''جاڑو خان......! ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ نوری بے چاری اس طرح مر جائے گی ......اور میں......'' مارے رقت کے میرا گلا رندھ گیا اور آواز ایک بیکراں بحر الم میں ڈوب سی گئی۔

''سائیں پانی پیئو ...... آپ تو پڑھے لکھے ہو ...... ابھی آپ پرسکون ہو جاؤ ...... پھر آرام سے سوچتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے جاڑو خان نے خود ہی پانی کا گلاس میرے ہونٹوں سے لگا دیا تو میں چند گھونٹ لینے کے بعد بولا۔ ''اب سوچنے کا وقت نہیں رہا ہے جاڑو خان ...... کچھ کرنا ہے ...... کچھ ایسا کرنا ہے ...... کہ نوری سائیں

داد کی بربریت کا شکار نہ ہونے پائے۔ وقت کے جھوٹے ناخداؤں نے مسیحاؤں کا لبادہ اوڑھ کر نوری کو اپنی جھوٹی روایتوں کے صحرا میں اسی طرح دفن کر دیا ہے جیسے ...... جیسے بھنبھور کے دشت پر خار میں سسی کو دفن کر دیا گیا تھا ...... اور جس طرح انارکلی کو سنگی دیوار میں چن دیا گیا تھا۔ جاڑو خان ...... آخر کب تک ...... آخر کب تک ......ان خود ساختہ فیصلوں کی تلواریں ...... ہماری انسانیت کا قتل کرتی رہیں گی۔ یہ کیسے فیصلے ہیں جس میں دونوں صورتوں میں ایک ظعورت کو ہی نشانہ بننا پڑتا ہے ''کاری'' کے نام پر عورت کا قتل ......اور پھر تاوان کے نام پر ایک بے قصور عورت کو کسی ایسے شخص کے ساتھ زبردستی ''نتھی'' کر دیا جاتا ہے جو خود اس کا دشمن ہوتا ہے اب تم ہی اندازہ کرو جاڑو خان ...... ہرجانے کے طور پر ملنے والی عورت کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا جاتا ہوگا۔ یہ بھیانک حقیقت تم ہی نہیں ...... اس گوٹھ کا ہر آدمی اچھی طرح جانتا ہے......مگر چپ ہے خاموش ہے......حیف ہے ایسے لوگوں پر اور ان کی زندگیوں پر......'' اتنا کہہ کر میں خاموش ہو رہا۔ میرا سانس پھول رہا تھا۔ میں شدید جذباتی بحران کا شکار تھا اور میری شخصیت بری طرح شکست و ریخت سے دوچار تھی۔ بے چارہ جاڑو خان میری حالت دیکھ کر بے اختیار رو پڑا اور مجھ سے لپٹ کر گڑگڑانے لگا۔ ''سائیں ...... سائیں مٹھا ...... تجھے مولا سائیں کا واسطہ...... تجھے ......اللہ سائیں کا واسطہ......خود کو سنبھالو۔'' لیکن مجھ پر اب رفتہ رفتہ غشی طاری ہونے لگی تھی اور اگلے ہی لمحے میں ...... ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

◆❀◆

آنکھ کھلی تو ...... بے چارہ جاڑو خان میرے سرہانے موجود تھا ...... اور خاصا حواس باختہ اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ بہرحال مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر اس کی نمناک آنکھوں میں خوشی عود کر آئی۔

''سائیں مٹھا......! آپ ٹھیک تو ہو نا......!'' اس نے بڑے رسان کے ساتھ پوچھا تو میں نے ہولے سے مسکرا کر اپنا سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ میں واقعی خود کو قدرے پرسکون محسوس کر رہا تھا۔ تب اس نے مجھے بتایا کہ میرے بے ہوش ہوتے ہی وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔ اسے اور تو کچھ نہ سوجھا گوٹھ سے کسی حکیم صاحب کو

لے آیا تھا جس نے میری نبض دیکھ کر جاڑو خان کو میرے بارے میں تسلی دیتے ہوئے کہا تھا کہ میری یہ کیفیت عارضی ہے اور جس طرح میں جذبات کی انتہا کو پہنچ گیا تھا اس کے لئے میرا بے ہوش ہو جانا ضروری تھا اور یہ ایک قدرتی ڈیفنس میکینزم تھا جو ایک صحت مند جسم میں موجود ہوتا ہے۔''

بہر طور حکیم صاحب کا میرے بارے میں تشخیصی تجزیہ سن کر میں نے یہی اندازہ لگایا کہ انہوں نے غلط نہیں کہا تھا...... تاہم ہوش میں آتے ہی جاڑو خان نے حکیم صاحب کی تاکید کے مطابق مجھے...... ایک سفوف گھول کر پلا دیا۔ کھڑکی سے باہر سرمئی شام جھک آئی تھی...... مگر سردی کا زور اب بتدریج ٹوٹ رہا تھا۔ اسی لئے جاڑو خان نے آتشدان سلگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

خود کو قدرے پرسکون محسوس کرتے ہی میں بستر سے اٹھ کر کرسی پر آ بیٹھا۔ جاڑو خان بھی میرے سامنے کی کرسی پر براجمان ہو کر میری جانب دیکھنے لگا...... اور پھر اس سے پہلے کہ میں دوبارہ اپنے ذہن کی اسکرین پر جرگے کے فیصلے کی وہ سفاک فلم ریوائنڈ کرتا...... زیرک جاڑو خان نے فوراً بیتے واقعات کے تکدر سے میرے ذہن کو آزاد رکھنے کی خاطر کہا۔ ''سائیں مٹھا......! آپ کچھ نہ سوچو ابھی...... کچھ دیر آرام کرلو...... اگر کہیں تو کھانا لگوا دوں۔''

میری بھوک پیاس اڑ چکی تھی۔ میں جانتا تھا میں کافی دیر سے بھوکا ہوں اور جاڑو خان نے بھی کچھ نہ کھایا ہوگا۔ لہٰذا محض جاڑو خان کی خاطر...... کہ وہ بھی میرے ساتھ اپنا پیٹ بھر لے، میں نے ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر ذرا دیر بعد ہی جاڑو خان نے وہیں کھانا لگوا دیا۔

حسب توقع میں بے دلی کے ساتھ کھانا زہر مار کرتا رہا۔ جاڑو خان بھی میری طرح بے دلی کے ساتھ کھانے میں مصروف رہا لیکن ساتھ ساتھ ہی وہ مجھے دل و دماغ پر زور نہ دینے کی تلقین بھی کرتا جا رہا تھا...... لیکن میرے لئے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ میں نوری کا خیال ایک لمحے کے لئے بھی اپنے دل و دماغ سے نکال دوں اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ ایک قیامت سے گزرنے والی تھی۔ اسے بھی یقیناً اب تک اس بھیانک حقیقت کے بارے میں علم ہو چکا ہوگا کہ اسے کس اہتمام کے ساتھ

تختۂ دار پر چڑھایا جانے والا تھا۔ مجھے پھر بتدریج بے چینی نے اپنے شکنجے میں جکڑنا شروع کر دیا تھا...... مگر میں نے اب کے خود پر قدرے قابو پا رکھا تھا اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اس صورت حال سے نمٹنے کے بارے میں غور کرنا چاہتا تھا لہٰذا جیسے تیسے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ پھر جاڑو خان چائے بنا لایا۔ میں ایک فیصلہ کن لائحۂ عمل تیار کر چکا تھا۔ میں نوری کو کسی بھی طرح اپنے ساتھ شہر لے جانے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا، جب میں نے اس کا اظہار جاڑو خان سے کیا تو اس نے بھی میرے اس خیال سے پورا اتفاق کیا...... تاہم چند ثانیے بعد بولا۔ ''سائیں! کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم پہلے پولیس وغیرہ سے کوئی مدد لیں۔''

''ہرگز نہیں......'' میں بلا تامل بولا۔ ''یہاں کی پولیس کبھی ہمارا ساتھ نہیں دے سکتی جاڑو خان......''

''ہم شہر کی انتظامیہ سے تو مدد لے سکتے ہیں سائیں!'' جواباً جاڑو خان نے کہا تو میں نے پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''...... اس طرح بہت دیر ہو سکتی ہے...... اور میں ایک لمحہ نوری کو سردار موریو خان کے ہاں برداشت نہیں کر سکتا۔''

''مگر سائیں مٹھا......! ہم نوری کو آخر کسی طرح سردار موریو خان کی حویلی سے نکال کر لے جاسکتے ہیں؟'' جاڑو خان پریشانی سے بولا۔

اس کی بات اپنی جگہ واقعی درست تھی...... ایک سردار کی حویلی سے پناہ گزیں بلکہ ''مقید'' نوری کو کیونکر نکالا جا سکتا تھا...... اس بارے میں مَیں نے ابھی سوچا نہ تھا...... میرے دماغ میں بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح نوری کو اپنے ساتھ راتوں رات لے کر نکل جاؤں...... بعد میں جو ہو سو ہو۔ ابھی میں اس بارے میں کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا کہ کال بیل گنگنائی۔

''اس وقت کون ہو سکتا ہے؟'' یہ کہتے ہوئے جاڑو خان کمرے سے نکلا تو میں بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

اس وقت رات کے دس بج رہے تھے باہر تاریکی کے ساتھ گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ چوکیدار نے ابھی دروازہ نہیں کھولا تھا مگر جب باہر سے کسی نے ہماری ''آمد''

محسوس کرتے ہوئے باآواز بلند اپنا نام بتایا تو میں بری طرح چونک گیا۔ وہ سوڈھل تھا۔ میں نے فوراً چوکیدار کو گیٹ کا بغلی دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور سوڈھل اندر آ گیا۔

اس کی اس وقت آمد نے مجھے حیران و پریشان کر دیا تھا۔

''خیر تو ہے سوڈھل...... تم اس وقت......؟''

میری بات سن کر اس نے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی اور قدرے عجلت میں بولا۔ ''سائیں! اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

تب میں اور جاڑو خان اسے لئے اپنے کمرے میں آ گئے۔ وہ مجھے کافی پرجوش سا دکھائی دیے رہا تھا مگر اندر کمرے میں آ کر وہ بیٹھا نہیں وہ پرجوش لہجے میں مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''بگھیو صاحب! اب کیا ارادے ہیں آپ کے...... دشمنوں کی سازش کامیاب ہو چکی ہے...... اب یہی ایک طریقہ ہے کہ نوری کو......''

''میرا بھی یہی خیال ہے...... میں نوری کو اب ہر قیمت پر وہاں سے نکالنا چاہتا ہوں۔ چاہے اس کے لئے مجھے سردار کی حویلی میں نقب ہی کیوں نہ لگانی پڑے۔'' میں اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے درمیان میں پرجوش ہو کر بولا تو وہ بھی اپنا سر اثبات میں ہلاتے ہوئے تائیدی انداز میں بولا۔ ''بس تو پھر ٹھیک ہے ہم آپ کے ساتھ ہیں...... کیا حکم ہے ہمارے لئے......''

وہ بالکل تیار تھا اور مجھے ایک مسرت آمیز حیرت نے آ لیا کہ بھلا سوڈھل کو میری مدد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے اس کا برملا اظہار بھی کر ڈالا اور دوستانہ شکر گزاری کے انداز میں سوڈھل کے کاندھے پر ہاتھ دھرتے ہوئے بولا۔ ''دوست......! تمہارے تعاون کا میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں اور اسے قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہوں...... لیکن میرا خیال کہ...... تم اس معاملے میں نہ پڑو تو بہتر ہے۔''

میری سپاس گزاری پر سوڈھل اٹل لہجے میں بولا۔ ''نا سائیں......! ہم اپنے دشمنوں اور اپنے محسنوں کو کبھی نہیں بھولتے...... اور آپ ہمارے محسنوں میں سے ہو...... ہم آپ کے لئے اپنی جان لڑا دیں گے...... ابھی حکم کرو۔ سردار کی حویلی میں نقب لگانا ہے تو میں ساتھ ہوں آپ کے......''

میں اس کی دوستی پر عش عش کر اٹھا۔ میں خود چونکہ ان لوگوں میں سے تھا۔

اگرچہ میں نے کافی حد تک شہر کی بود و باش اپنا لی تھی مگر میں جانتا تھا اور یہ ہماری روایت ہے کہ ہم نہ اپنے دشمنوں کو بھولتے ہیں نہ محسنوں کو......

وہ پیچھے ہٹنے والا نہیں تھا۔ ناچار مجھے ہی خاموش ہونا پڑا۔ پھر اسی وقت ہم تینوں سر جوڑے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ آئندہ کا لائحۂ عمل تیار کرنے کے لئے جیپ میں آ بیٹھے۔ سوڈھل کے ہمراہ دو افراد اور بھی تھے، وہ بھی مسلح تھے۔

جس وقت ہم ریسٹ ہاؤس سے روانہ ہوئے تھے اس وقت ٹھیک بارہ بجے تھے۔ باہر چارسو گہرا سناٹا اور تاریکی کا راج تھا...... روانہ ہونے سے پہلے میں نے کچھ ضروری تیاری پکڑ لی تھی۔ چھوٹے موٹے ضروری اسباب اور رقم کے علاوہ پیٹرول کا ایک فالتو کین بھی رکھ لیا تھا۔

بہرطور رات کی تاریکی کو چیرتی ہوئی جیپ ہچکولے کھاتی سبک روی سے آگے بڑھ رہی تھی، حسب معمول میں ہی ڈرائیو کر رہا تھا، اسٹیئرنگ پر میرے دونوں ہاتھوں کی مضبوط گرفت اس لئے نہ تھی کہ مجھے اسٹیئرنگ کے بہکنے کا احتمال ہو بلکہ میرے اندر کے امڈتے ہوئے ایک طوفانی جھونکے کے باعث ہوا تھا۔

میرے اعصاب تن گئے تھے جس کی سختی میرے سپاٹ چہرے پر کھنڈ آئی تھی...... پختہ روش پر ذرا دیر سفر کرنے کے بعد میں نے جیپ دائیں جانب کچے کے ٹاپ پر موڑ دی...... یہی وہ کچا اور قدرے ہموار راستہ تھا جو سیدھا سردار موریو خان کے گوٹھ اور حویلی تک جاتا تھا۔

پورے گوٹھ پر اس وقت مردنی طاری تھی البتہ چند آوارہ خونخوار کتوں نے بھونکتے ہوئے کافی دور تک ہمارا پیچھا کیا، دائیں بائیں دور تک کھیتوں اور پھر کچے پکے بے ترتیب مکانوں کے ہیولے سے دکھائی دے رہے تھے۔

پھر ایک مقام پر میں نے دانستہ جیپ روک دی اور اپنے بائیں طرف کے ایک قدرے نشیب میں ٹیڑھے میڑھے تنگ سے راستے کو دیکھنے لگا...... یہ وہ راستہ تھا جو سردار موریو خان کی حویلی کے عقبی حصے کی طرف سے ذرا فاصلے کے ساتھ گزرتا تھا...... میں نے اگلے ہی لمحے جیپ مذکورہ راستے پر ڈال دی اور رفتار دھیمی رکھی۔ یہ میری زندگی کا پہلا موقع تھا کہ میں دیوانہ وار ایک سردار کی حویلی میں بڑی دیدہ

دلیری سے نقب لگانے جا رہا تھا...... اس کے کیا نتائج برآمد ہو سکتے تھے، اگرچہ مجھے اس کی پرواہ نہیں رہی تھی، اپنی اس عجیب کیفیت پر خود میں بھی متحیر سا تھا کہ آخر مجھ پر یہ کیسا جنون طاری ہو گیا ہے کہ میں اپنے نفع نقصان سے بھی عاری ہو چکا ہوں ...... بس سر پر ایک دھن سوار تھی کہ نوری کو نکالنا ہے اور ہر قیمت پر نکالنا ہے ......

شاید یہی وہ آتش عشق تھی جس کے اندر میں دیوانہ وار کود پڑنے کو تیار تھا ...... یہی میرا عشق تھا، یہی میری دیوانگی اور فرزانگی کی انتہا تھی جس نے میرے اندر ایسے جذبات بھڑکا دیئے تھے جو بے خطر اور بڑے بڑے طوفانوں کے سامنے بھی سینہ سپر کر ڈالتے ہیں، اس انمول جذبے کے علاوہ ایک اور جذبہ بھی میرے اندر مفقود تھا، ایک بے کس، مجبور اور بے گناہ لڑکی کو جاہلانہ روایت کی سولی پر چڑھنے نہ دوں۔

میں نے اب جیپ کی ایک ہیڈ لائٹ دانستہ بجھا دی تھی، سامنے اب اکلوتی ہیڈ لائٹ کی روشنی میں بل کھاتا ناہموار راستہ دور تک ویران دکھائی دے رہا تھا اور میری وحشت انگیز نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں تب معاً میں بری طرح ٹھٹکا ...... سامنے مجھے ایک دو گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں ...... ان میں ایک بغیر ہڈ کی تھی جبکہ دوسری مکمل باڈی کی تھی ...... بغیر ہیڈ والی جیپ پر آہنی فریم سا بنا ہوا تھا جس پر پاور لائٹس نصب تھیں ...... یہ جیپ سب سے آگے تھی ...... یکبارگی میرا دل زور سے دھڑکا ...... نجانے یہ کون لوگ تھے۔

ان دونوں جیپوں کی رفتار تیز تھی، اگرچہ وہ زبردست ہچکولے کھاتی ہوئی بڑھی چلی آ رہی تھیں لہٰذا میں نے بھی دوسری ہیڈ لائٹ روشن کرنی ضروری سمجھی ...... جاڑو خان اور سوڈھل بھی ان دونوں جیپوں کو دیکھ کر ٹھٹکے تھے تاہم سوڈھل بغور سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''یہ گاڑیاں تو سردار موریو خان کے آدمیوں کی لگتی ہیں۔'' اس کے لہجے میں ایک تشویش کا عنصر تھا۔

اس کی بات نے مجھے بری طرح چونکا دیا تھا اور ذہن میں الجھن آمیز خیالات گڈمڈ ہونے لگے ...... اثنائے راہ سوڈھل نے مجھے جیپ راستے سے اتار کر سائیڈ پر روکنے کو کہا، میں نے ایسا ہی کیا ...... اتنے میں وہ دونوں جیپیں ہماری جیپ کے قریب پہنچ کر رک گئیں۔

میں نے انجن بند کر دیا البتہ ہیڈ لائٹس روشن رہنے دیں ...... ہم تینوں دھڑکتے دل کے ساتھ سردار موریو خان کے حواریوں کی طرف دیکھنے لگے ...... ان سب نے ہاتھوں میں رائفلیں تھام رکھی تھیں اور چہروں سے حد درجہ درشتگی عیاں تھی ...... جانے کیوں ایک انجانے خطرے کے پیش نظر میری کنپٹیاں سنسنانے لگیں۔

وہ تعداد میں دس بارہ کے قریب تھے ...... وہ جیپوں سے اتر آئے تھے پھر سوڈھل کے ایماء پر ہم بھی اپنی جیپ سے نیچے اتر آئے ...... سوڈھل نے ان میں سے ایک آدمی کو پہچان لیا تھا ...... وہ ایک مضبوط تن و توش کا مالک تھا اور اس وقت وہی انہیں ''لیڈ'' کر رہا تھا۔

''خیر تو ہے سائیں شیرل خان......!'' سوڈھل نے شناسا انداز میں مذکورہ شخص کو مخاطب کر کے پوچھا تو وہ ہمارے ذرا قریب آ کر بغور ہمارے چہروں کی طرف تکنے لگا اور پھر بولا۔ ''تم لوگ کہاں جا رہے ہو اس وقت......؟''

''ہم پاس کے جنگل میں جا رہے تھے، بگھیو صاحب کو شک ہے کہ وہاں کچھ چور جنگل کی لکڑی چوری کر رہے ہیں۔'' سوڈھل نے محتاط لہجے میں کہا تو میں بھی خود کو ذہنی طور پر ایسے ہی جواب کے لئے تیار کرنے لگا۔ شیرل نامی وہ شخص اب میری طرف دیکھتے ہو قدرے پرتشکیک لہجے میں بولا۔ ''تم وہی ہو نا جس کا نوری کے ساتھ چکر چل رہا ہے......؟'' اس کے اس انداز تخاطب نے مجھے ذرا گڑبڑا سا دیا تاہم پھر میں بھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے مبہم سے لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ وہ چھوکری سردار کی حویلی سے بھاگ گئی ہے اور ہم اس وقت اسے تلاش کرنے تمہاری طرف ہی آ رہے تھے۔'' اس کی بات سن کر میں بری طرح چونکا اور میری رگوں میں خون کی گردش یکدم تیز ہونے لی پھر اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، سوڈھل معتدل لہجے میں شیرل خان سے بولا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو شیرل خان تم ...... ہم ابھی ابھی بگھیو صاحب کے ریسٹ ہاؤس سے آ رہے ہیں ویسے حیرت ہی کی بات ہے کہ وہ چھوکری سردار کی حویلی سے کس طرح بھاگ گئی......؟''

اس کی بات سن کر شیرل خان ایک زہرخند مسکراہٹ سے ہماری جانب تکتے ہوئے بولا۔ ''یہ تو اب تم لوگ ہی بتاؤ گے کہ تم لوگوں نے اسے کہاں چھپا رکھا ہے۔''

''زبان سنبھال کر بات کرو شیرل خان ...... تم ہم پر الزام لگا رہے ہو۔'' اس بار میں نے بھی درشت لہجے میں کہا تو ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں خونخواری عود کر آئی اور پھر وہ سنسنی خیز لہجے میں اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''جیپ کی تلاشی لو......''

''تم ایسا نہیں کر سکتے ...... میں ایک سرکاری آفیسر ہوں ...... تمہیں کوئی اختیار نہیں ہے میری جیپ کی تلاشی لینے کا......'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تو اس ساتھیوں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور اب اپنی رائفلوں کا رخ ہماری طرف کر کے مجھے گھورنے لگے۔

ان کے خوفناک بشروں سے جارحانہ عزائم مترشح تھے اور پھر اس سے پہلے بات بڑھتی ...... سوڈھل قدرے تحمل کے ساتھ مجھے مخاطب کر کے بولا۔ ''سائیں بکھیو صاحب......! انہیں اپنی تسلی کر لینے دو، جب ہم مجرم ہیں ہی نہیں تو انکار کیسا......''

موجودہ صورت حال کی نزاکت کو اگرچہ میں نے بھی بھانپ لیا تھا مگر اب میرے اندر اس بے چینی نے سر ابھارنا شروع کر دیا تھا کہ نوری، سردار کی حویلی سے فرار ہو چکی تھی اور ان خبیثوں سے جان چھڑانے کے بعد ہم بھی اپنے طور پر نوری کو تلاش کر سکتے تھے بلکہ مجھے فوری طور پر پہلا کام یہی کرنا تھا کیونکہ اگر نوری، سردار موریو خان کے بھیڑیے نما حواریوں کے پنجوں میں ایک بار پھنس گئی تو میرے لئے اسے چھڑانا بہت زیادہ مشکل ہو جائے گا لہٰذا سوڈھل کی مصالحت آمیز بات نے مجھے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔

ادھر میرے خاموش ہوتے ہی شیرل خان کے آدمیوں نے سرسری سے انداز میں میری جیپ کی تلاشی لی اور پھر شیرل خان نے مجھ سے کہا۔ ''تم لوگوں کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔''

''نا سائیں......! یہ تو تم غلط کہہ رہے ہو...... تم نے تلاشی لینی تھی لے لی، اب تو ہماری جان چھوڑو نا بابا......'' اس بار سوڈھل کو بھی تاؤ آ گیا تھا ...... وہ واقعی ڈھٹائی پر اتر آیا تھا مگر میں نے دیکھا کہ فوراً سوڈھل نے دوبارہ معتدل لہجہ اپناتے

ہوئے شیرل خان کو ذرا دوستانہ انداز میں مخاطب کر کے کہا۔ ''شیرل خان! اس طرح تم اپنا اور ہمارا وقت ہی برباد کرو گے اور ہو سکتا ہے جب تک وہ چھوکری تم لوگوں کی پہنچ سے دور چلی جائے۔'' اس نے اتنا کہا تو میں نے محسوس کیا شیرل خان اس کی بات پر ذرا پریشان سا ہو گیا۔

یہ وقت مکاری دکھانے کا تھا اور جلد از جلد ان لوگوں سے جان چھڑانے کا بھی لیکن میں یہ بھی اندازہ لگا چکا تھا کہ ہماری طرف سے مطمئن ہوئے بغیر یہ لوگ ہماری جان نہیں چھوڑیں گے لہٰذا سوڈھل کی اس مکارانہ فنکاری کا ساتھ دینا ضروری ہو گیا تھا تب میں شیرل خان سے بولا۔ ''دیکھو شیرل خان......! مجھے اس چھوکری سے صرف ایک حد تک دلچسپی تھی جو اب ختم ہو چکی ہے، اگر نوری ہمارے پاس ہوتی تو میں اس وقت اپنے ریسٹ ہاؤس کے کمرے میں اس کے ساتھ ہوتا یوں رات کے اندھیرے میں لکڑی چوروں کے پیچھے جنگلوں کی خاک نہیں چھان رہا ہوتا، جرگے میں فیصلہ ہو گیا، بات ختم ہو گئی ...... ایک جوا تھا جو میں ہار گیا اور بس......'' میں نے اپنی بات ختم کی۔

سوڈھل کے چہرے پر ایکا ایکی بشاشت نمودار ہو گئی جیسے میں نے اس کی مرضی کے مطابق درست پتے کھیلنے ہوں گے ...... حالات کا تقاضا ہی یہی تھا کہ میں نا چاہتے ہوئے بھی نوری کے متعلق ایسی عامیانہ گفتگو کا سہارا لوں ...... میں نے دیکھا شیرل خان کے چہرے کا تناؤ بتدریج کم ہونے لگا پھر وہ ایک گہری ہنکاری بھرتے ہوئے ہمیں جانے کی اجازت دیتے ہوئے تاکیداً بولا۔ ''ٹھیک ہے لیکن کل صبح تم لوگوں نے سردار کی اوطاق میں حاضری دینی ہوگی۔''

سوڈھل نے اس کی بات سن کر فوراً اثبات میں سر ہلایا اور پھر وہ لوگ دوبارہ اپنی گاڑیوں میں سوار ہو گئے اور ہم بھی اپنی جیپ میں آ بیٹھے ...... ایک مختصر ڈرامہ خونریزی پھیلانے سے پہلے اختتام کو پہنچ چکا تھا لیکن مجھے آنے والے وقت کی قیامت خیز ہولناکیوں کا بھی بخوبی اندازہ تھا۔

سردار موریو خان کے حواریوں سے ٹکراؤ میرے لئے سودمند ثابت ہوا تھا کیونکہ انہی کے ذریعے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ نوری اب سردار کی حویلی سے فرار ہو چکی ہے لیکن اب مجھے نوری کی طرف سے ایک نئی بے چینی اور اضطراب نے آلیا تھا...... نجانے وہ بے چاری سردار کی حویلی سے نکل کر کہاں ماری ماری پھر رہی ہو گی۔

جیپ میں سوار ہوتے ہی سوڈھل جلدی سے بولا۔ ''سائیں......! اب کیا ارادے ہیں...... آدھا کام تو ہمارا ہو گیا۔''

''میرا خیال ہے سائیں......! ہمیں نوری کو علیحدہ علیحدہ تلاش کرنا پڑے گا۔'' جاڑو خان نے رائے دیتے ہوئے کہا۔

میں نے گردن موڑ کر عقبی سیٹ پر بیٹھے جاڑو خان کی طرف دیکھا، وہ بیک ڈور کے شیشے سے دور ہوتی شیرل خان کی جیپوں کو تکے جا رہا تھا جو اب کافی دور چلی گئی تھیں۔

''تم ٹھیک کہتے ہو...... اسی طرح کرنا پڑے گا مگر سمجھ میں نہیں آیا نوری کو کہاں سے تلاش کرنا شروع کریں۔'' میں نے قدرے الجھ کر کہا تو سوڈھل قدرے تشویشناک انداز میں بولا۔ ''سائیں جو کچھ کرنا ہے فوراً کرو...... اگر وہ بے چاری سردار کے کتوں کے نرغے میں پھنس گئی تو مسئلہ خراب ہو جائے گا۔''

''سائیں......! میں اور سوڈھل ادھر ہی اتر جاتے ہیں اور آس پاس کے علاقے میں نوری کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور آپ ذرا دور پرے کے علاقے تک تلاش جاری رکھیں بلکہ ہو سکتا ہے آپ کی جیپ پہچان کر نوری خود ہی سامنے آ جائے۔'' جاڑو خان نے کہا۔

اس کی بات میں کافی وزن تھا، مزید سوچنا وقت اور ''موقع'' دونوں زیاں کرنے کے مترادف تھا لہٰذا میں ان دونوں کو اتار کر آگے بڑھ گیا۔

پہلی کوشش ہماری یہی تھی کہ سردار موریو خان کی حویلی یا علاقے کے آس پاس ہی اچھی طرح نوری کو تلاش کیا جائے اور پھر ذرا دور کے علاقوں کا خفیہ گشت کیا جائے ساتھ ہی سردار کے حواریوں سے بھی ٹکراؤ کا امکان تھا...... وہ یقیناً ہماری طرف سے شک میں پڑ سکتے تھے اسی لئے مجھے انتہائی ہوشیاری کے ساتھ قدم اٹھانا تھا لیکن اس وقت میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میں نوری کو کہاں تلاش کروں۔

ہر سو گہری تاریکی اور چیختے سناٹوں کا راج تھا...... میں جیپ کو دھیمی رفتار سے آگے بڑھائے جا رہا تھا اور تب معاً ہی میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا...... ایک خیال اچانک ہی میرے دماغ میں آیا تھا اور پھر میں نے جیپ کو واپسی کے لئے موڑ دیا اور رفتار بھی قدرے تیز کر دی...... اس کے بعد...... کچے اور ناہموار پگڈنڈی نما راستے سے میں دوبارہ ٹاپ پر آ گیا اور خاصی اسپیڈ کے ساتھ جیپ دوڑانے لگا اور پھر پختہ سڑک آتے ہی میں نے جیپ اپنے گوٹھ کی طرف موڑ دی...... یہاں سے کچھ خونخوار قسم کے کتوں نے بھونکتے ہوئے پیچھا کیا مگر زیادہ دیر ساتھ نہ دے سکے...... میں اب آندھی طوفان کی طرح خالی سڑک پر جیپ دوڑائے چلا جا رہا تھا۔

جانے کیوں اچانک ہی میرے ذہن میں یہ خوش گماں خیال بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کوندا تھا کہ ہو سکتا ہے نوری نے سردار کی حویلی سے فرار ہو کر سب سے پہلے میرے ریسٹ ہاؤس کا رخ کیا ہو۔

جیپ چلاتے ہوئے میری نگاہیں بدستور سامنے دور تک سڑک پر جمی ہوئی تھیں اور تب پھر اچانک ہی مجھے سامنے سڑک کے کنارے ایک سایہ سا تیزی کے ساتھ حرکت کرتا ہوا نظر آیا...... میرا دل یکبارگی زور سے دھڑکا اور میں نے پوری طاقت کے ساتھ بریک پر پاؤں رکھ دیا۔

رات کے پر ہول سناٹے میں ٹائروں کے جامد ہونے کی زوردار چرچراہٹ ابھری اور جیپ خاصی دور تک گھسٹتی ہوئی رک کر گھوم سی گئی...... میری اس غیر شعوری اور اضطراری حرکت سے جیپ الٹ بھی سکتی تھی مگر میرے سر میں اس وقت

کچھ اور ہی سودا سمایا ہوا تھا ...... جس جگہ مجھے وہ پراسرار متحرک سایہ نظر آیا تھا، وہ جگہ خاصی پیچھے رہ گئی تھی ...... میں نے دوبارہ گاڑی کو گیئر میں ڈالا اور پھر تیزی کے ساتھ اس مقام تک پہنچ کر جیپ سے اتر آیا۔

رات کا ہولناک سناٹا چہار سو طاری تھا اور میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے چہار اطراف کا جائزہ لے رہا تھا اور تب مجھے اچانک قریب ہی سے ایک کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''فیضو ......!''

میں نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا اور دنگ رہ گیا ...... وہ الم نصیب میرے سامنے خزاں رسیدہ پتے کی طرح کپکپا رہی تھی اور پھر ہم دونوں ہی بڑے بے تابانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دوڑ کر قریب آ گئے۔

وہ نوری ہی تھی ...... نوری کو پاتے ہی مجھے یوں لگا جیسے سارے جہانوں کی دولت میرے بازوؤں میں سمٹ آئی ہو اور آپ ہی آپ میرے اندر اس دولت کی حفاظت کا جذبہ فزوں تر ہونے لگا۔

نوری اپنے لرزیدہ وجود کے ساتھ ہولے ہولے سسک رہی تھی اور میں اس کی آنکھوں سے بہتی آبِ مژگاں کی جھڑی دیکھے جا رہا تھا ...... کئی لمحے بیت گئے پھر روتے، سسکتے اور فرقت کے مارے جذبات کا ریلا تھما تو کچھ خرد نے ٹہوکا دیا کہ اس سنہری موقع سے فوراً فائدہ اٹھاؤ۔

سنا تھا کہ زندگی میں ایک بار تقدیر اپنی تمام تر مہربانیوں کے ساتھ ضرور در کھٹکھٹاتی ہے اور میرا اور گویا درِ حیات آج وا ہو چکا تھا۔

میں اور نوری جیپ میں آ بیٹھے ...... اگلے ہی لمحے جیپ آندھی طوفان کی طرح شہر کی سمت بڑھی چلی جا رہی تھی ...... نوری میری برابر والی سیٹ پر بیٹھی تھی ...... میں نے محسوس کیا تھا کہ اب وہ خاصی مطمئن تھی تاہم کسی انجانے خدشات کے باعث وہ کچھ مضطرب بھی نظر آ رہی تھی بہرطور نوری نے مجھے بتایا کہ اسے جرگے کے فیصلے کے بارے میں پتہ چل چکا تھا اور اس سنگین حقیقت کا اندازہ ہوتے ہی کہ اسے سائیں داد کے نکاح میں دیا جا رہا ہے، وہ کسی طرح سردار موریو خان کی حویلی سے نکل گئی تھی۔

میں سارے راستے اسے تسلیاں دیتا رہا پھر جب ہم ٹھٹھہ پہنچے تو ہر طرف سناٹے کا راج تھا البتہ اسٹریٹ لائٹس روشن تھیں ...... پہلے میرا ارادہ سیدھے اپنے گھر جانے کا تھا مگر پھر کچھ سوچ کر میں نے میجر ملک احسان کی طرف جیپ موڑ لی ...... وہ گھر ہی میں موجود تھے ...... ان کے مسلح گارڈز مجھے اچھی طرح پہچانتے تھے، یہ شناسائی خزانہ حوالے کرنے کے دوران ہوئی تھی ...... میں خزانے سے بھرا ٹرک عاربو جیسے خطرناک ڈاکو کے قبضے سے چھین کر یہاں لایا تھا، اس وقت بھی میں ایک ''خزانے'' کے ساتھ ہی آیا تھا، فرق صرف یہ تھا کہ وہ خزانہ ملک وقوم کی امانت تھا جبکہ اس خزانے (نوری) کا مالک میں خود تھا۔

ملک صاحب مجھے نوری کے ساتھ دیکھ کر ذرا چونکے تھے مگر پھر میں نے انہیں نوری اور اپنے متعلق شروع سے ساری داستان سنا دی تو وہ بولے۔ ''برخوردار یہ اچھا ہی ہوا کہ تمہیں سردار کی حویلی میں نقب لگانے کی ضرورت نہ پڑی بہرحال اب میں ہی نہیں بلکہ قانون بھی تمہاری پوری پوری مدد کرے گا ...... تم دونوں خود کو تنہا مت سمجھنا۔''

ان کے اس دوستانہ رویے نے میرا کافی حوصلہ بڑھایا تھا اور میں بڑی ممنون بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ ''برخودار ......! اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم چاہتے کیا ہو......؟''

ان کی بات سن کر میں بلا تامل بولا۔ ''میں کل ہی نوری کے ساتھ کورٹ میرج کر رہا ہوں۔''

چند لمحے کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔ ''رائٹ ......! تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے بلکہ میں خود بھی تمہارے ساتھ رہوں گا اور اس سلسلے میں مَیں کمشنر اور ایس ایس پی سے بھی بات کر لوں گا ...... تمہارا وہ کارنامہ ہم ابھی تک نہیں بھول ہیں ...... برخودار!'' انہوں نے مخصوص لہجے میں کہا اور میں نے ایک بار پھر ان کا شکریہ ادا کیا۔

پھر اگلے ہی دن میں نے نوری سے کورٹ میرج کر لی ...... وہاں سے سیدھے ہم اپنے گھر پہنچے ...... یہ حقیقت تھی کہ میں ایک بڑے عرصے بعد اپنے گھر

آیا تھا...... ماں اور چھوٹی بہن مول مجھے دیکھ کر خوش ہو گئے تاہم میرے ساتھ نوری کو دیکھ کر ماں پہلے تو حیران اور پھر خوش ہوئی۔

میں نے مختصراً انہیں اپنے اور نوری کے بارے میں بتایا...... نوری کو پا کر مجھے صحیح معنوں میں ایک روحانی خوشی کا احساس ہوا تھا...... نوری بھی بہت خوش تھی تاہم وہ اب بھی سردار کے آدمیوں سے خائف تھی۔

میں نے انتہائی سادگی کے ساتھ نکاح پڑھوایا تھا مگر میری ماں اور چھوٹی بہن مول بضد تھیں کہ وہ میری شادی کی تقریب بڑے دھوم دھڑکے کے ساتھ کرنا چاہتی ہیں...... ناچار مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے، اسی دن میرے نانو نے ایک آدمی گوٹھ بھیج کر میرے باوا جان کو بھی بلا لیا تھا اور میرے ایماء پر ایک آدمی ریسٹ ہاؤس سے جاڑو خان کو بھی بلا لایا تھا...... اسے اطلاع کرنا ضروری تھا ورنہ وہ تو بے چارہ پریشان رہتا...... سوڈھل بھی اس کے ہمراہ آیا تھا۔

مجھے اور نوری کو زندہ سلامت پا کر ان کی جان میں جان آئی البتہ میرے باوا جان اس صورت حال سے کچھ پریشان نظر آ رہے تھے جس کا اظہار کئے بغیر وہ نہ رہ سکے اور مجھ سے بولے۔ ''پٹ فیض محمد......! میں یہ نہیں کہتا کہ تم نے جو کچھ کیا غلط کیا مگر ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا...... سردار موریو خان کو اعتماد میں لینا ضروری تھا۔''

میں ان کی بات سن کر حیرت سے بولا۔ ''بابا سائیں......! سردار موریو خان پر اعتماد کر کے ہی تو میں دھوکے میں رہا...... انہوں نے تو مجھے پوری تسلی دی تھی کہ جرگے کا فیصلہ میرے ہی حق میں ہوگا۔''

''تمہاری بات درست ہے پٹ فیض محمد......!'' بابا جانی نے کہا اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولے۔ ''ویسے یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ تم سے سردار کی حویلی میں نقب لگانے کا جرم سرزد نہیں ہوا، تمہیں میں ایک بات بتا دوں...... درحقیقت بعض فیصلوں پر خود سردار کا بھی اختیار نہیں ہوتا، بس یہ سمجھو کہ کچھ فیصلے دلیلوں اور گواہوں کے بیانات پر منحصر ہوتے ہیں۔ بہرحال میں کوشش کروں گا سردار موریو خان سے مل کر اسے صورت حال سمجھانے کی...... وہ سمجھدار آدمی ہے، ہوسکتا ہے میری بات اس کی سمجھ میں آ جائے۔'' باوا جانی اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر چپ رہا...... اس کے بعد وہ گھر میں ٹھہرے نہیں بلکہ اسی دن گوٹھ روانہ ہو گئے...... وہ ہماری طرف سے واقعی متفکر تھے تاہم گوٹھ روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے سختی سے تاکید کی تھی کہ میں ابھی نہیں رہوں اور گوٹھ کا رخ نہ کروں۔

مجھے معلوم تھا وہ یہاں سے سب سے پہلے سردار موریو خان کی حویلی کا رخ کریں گے...... میں نے انہیں منع کرنا چاہا تھا مگر انہوں نے مجھے ٹال دیا تھا، ساتھ مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''گھبرانے کی کوئی بات نہیں پٹ...... میں تم سے زیادہ ان حالات سے نمٹنا جانتا ہوں...... میں اپنے ساتھ کچھ امیروں کو لے جاؤں گا۔''

پھر وہ چلے گئے مجھے ان کی طرف سے سخت فکر لاحق تھی مگر صبر کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا...... بے چاری نوری بھی بہت متفکر تھی...... باوا جانی کے روانہ ہوتے ہی وہ مجھ سے بولی۔ ''سائیں......! اگر میری وجہ سے آپ کے خاندان پر ذرا بھی کوئی آفت آئی تو میں ساری عمر خود کو مجرم سمجھتی رہوں گی اور خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی سرمگیں آنکھوں میں آنسو جھلملا گئے۔

میں نے اسے تسلی دے کر کہا۔ ''نہیں نوری! تمہارے آنسو بہانے کے دن اب ختم ہو گئے ہیں...... اللہ سائیں پر بھروسہ کرو اور دعا کرو سب کی خیر ہووے۔''

حسب توقع میرا سوتیلا بھائی یار محمد اور اس کا ماموں صوبو خان نے میری شادی میں شرکت نہ کی تھی البتہ میری سوتیلی ماں جسے میں چھوٹی اماں جانی کہتا تھا، وہ بابا سائیں کے ساتھ آئی تھیں اور مجھے اور نوری کو انہوں نے ڈھیروں دعائیں اور سلامی دی تھی پھر وہ بھی بابا سائیں کے ساتھ واپس گوٹھ چلی گئی تھیں۔

ادھر میں نے اپنے محکمے سے مہینے بر کی چھٹی لے لی تھی۔ سوڈھل بھی واپس گوٹھ چلا گیا تھا جبکہ جاڑو خان حسب معمول میرے ساتھ تھا...... ہم سب خوش تھے مگر اس خوشی کی کوکھ میں ایک بے نام سا خدشہ بھی پل رہا تھا جس کا سب سے زیادہ اثر نوری نے لیا تھا۔

مجھے اب باوا جانی کی فکر ستانے لگی تھی اور میں ان کی واپسی کا شدت سے منتظر تھا...... بابا جانی کو گوٹھ گئے کئی دن بیت گئے تھے، وہاں سے ان کی خیریت کی

کوئی اطلاع نہیں آئی تو بالآخر میں نے گوٹھ جانے کا قصد کیا تو نوری میرے پاؤں کی زنجیر بن گئی اور روتے ہوئے گلوگیر لہجے میں بولی۔ ''سائیں......! تم گوٹھ نہ جاؤ ...... میں ...... میں تمہارے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتی۔'' میں نے بڑی محبت سے اسے بازوؤں سے تھام کر کھڑا کیا اور ملائمت سے بولا۔ ''نوری......! مجھے تم سے اب دنیا کی کوئی طاقت نہیں چھین سکتی ...... تم تو بہت بہادر لڑکی ہو...... تم نے ایک عورت ہو کر جس طرح حالات سے مقابلہ کیا ہے، وہ کسی کارنامے سے کم نہیں ...... حوصلہ کرو...... مجھے کچھ نہیں ہوگا۔''

وہ بے چاری پھر کچھ نہ بولی البتہ اس کی ریشمی آنچل میں دبی سسکیوں نے میرا دل رقیق کر دیا۔

ایسے میں جاڑو خان نے بھی مجھے گوٹھ جانے سے منع کیا، وہ بولا۔ ''سائیں مٹھا......! آپ ابھی گوٹھ نہ جاؤ بلکہ میں وڈے سائیں (باوا جانی) کی خیر خبر لے آتا ہوں۔'' اس کی بات سن کر میں کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا اور سردست گوٹھ جانے کا ارادہ ملتوی کر ڈالا۔

اور پھر اسی دن باوا جانی بھی گوٹھ سے آ گئے ...... ان کے ہمراہ کچھ لوگ بھی تھے...... انہیں دیکھ کر جانے کیوں میرا دل تیز تیز دھڑکنے لگا...... مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھ سے میری نوری کو چھیننے آئے ہوں ...... میری بے چین سماعتیں بابا سائیں کی طرف لگی ہوئی تھیں ...... ان کا چہرہ کافی تھکا تھکا سا نظر آ رہا تھا ...... بے نام سے خدشات مجھے بدستور گھیرے ہوئے تھے ...... ان کے مراہ آئے ہوئے کچھ لوگ بھی میری طرف عجیب عجیب نظروں سے تکے جا رہے تھے ...... ہم سب اوطاق میں آ کر بیٹھ گئے تھے پھر میرے باوا جانی نے مجھے بتایا کہ انہوں نے سردار موریو خان سے ملاقات کی تھی چونکہ نوری خود اپنی مرضی سے سردار کی حویلی سے بھاگی تھی، اسی لئے مجھے کافی حد تک بے قصور گردانا گیا تھا لیکن بہرحال میں اور نوری ایک ''جرم'' کے مرتکب ہوئے تھے اس لئے اب میرا ہمیشہ کے لئے اس گوٹھ میں جانا ''ممنوع'' قرار دے دیا گیا تھا ...... مجھے اس کا افسوس تھا لیکن میرے لئے یہی بہتر تھا۔

بہر طور باوا جانی کچھ روز یہاں رکنے کے بعد گوٹھ واپس چلے گئے ...... مجھے

یوں لگا جیسے میرے سر سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو...... اب مجھے زندگی میں کسی قدر خوشگوار ٹھہراؤ کا احساس ہونے لگا ...... میں نے مہینے بھر کی چھٹی لے رکھی تھی پھر اس دوران میں نے اپنا ''ایریا'' بھی تبدیل کروا لیا تھا کیونکہ یہ میری مجبوری تھی ...... مجھے اب یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے میرے اپنے آبائی گوٹھ کی ایک طویل داستان اختتام کو پہنچ چکی تھی جس میں کئی مہربان کرداروں کا ساتھ ہوا اور ٹوٹا تھا۔ وہ جو کسی نے کہا ہے کہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے لہٰذا میری زندگی میں پھر ایک ناخوشگوار واقعے نے جنم لیا...... زندگی خدا کی امانت ہے، اس پر کسی کا زور نہیں، کوئی اختیار نہیں ...... اچانک گوٹھ سے یہ اندوہناک اطلاع آئی کہ میرے باوا جانی کا انتقال ہو گیا ہ، ے ہم پر جیسے قیامت ٹوٹ گئی ...... ان کی مرگ ناگہانی کا مجھے بہت دنوں تک یقین ہی نہیں آیا، میں فوری طور پر گوٹھ جانا چاہتا تھا مگر مجھے کھی نے نہ جانے دیا...... میرے باوا جانی کی موت دل کے دورے سے ہوئی تھی جو ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا تھا ...... ان کا انتقال رات کے تین بجے ہوا تھا...... صبح ہمیں اطلاع ملی اور اسی دن ہی یار محمد، میری چھوٹی آمڑ اور صوبو خان روتے پیٹتے لاش شہر لے کر آئے تھے ...... پورے گھر میں کہرام مچ گیا تھا...... کئی دنوں تک میرا دل و دماغ عجیب سے ذہنی دباؤ کا شکار رہا ...... باواس جانی کی وصیت کے مطابق انہیں شہر میں ہی دفنایا گیا تھا...... اس پر مجھے حیرت بھی ہوئی تھی کیونکہ باوا جانی کو شہر سے زیادہ اپنا آبائی گوٹھ پسند تھا...... عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ انسان جس علاقے کو پسند کرتا ہے، وہیں دفن ہونے کی بھی خواہش کرتا ہے ...... تھوڑا غور کرنے پر مجھے احساس ہوا کہ ہو سکتا ہے باوا جانی نے میری وجہ سے شہر میں ہی دفن ہونا مناسب سمجھا ہو تا کہ میں بآسانی ان کا آخری دیدار اور ان کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے آ جا سکوں ...... یقیناً یہ بات رہی ہو گی کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ مجھ پر گوٹھ جانے کی پابندی عائد ہو چکی تھی ...... باوا جانی مجھ سے بے انتہا محبت کرتے تھے، انہوں نے آخری وقت میں بھی میرا ساتھ نہ چھوڑا تھا حالانکہ مجھے یہ دکھ آج بھی ایک خلش بن کر بے چین کئے دیتا ہے کہ باوا جانی کی موت کے وقت میں ان کے قریب نہ تھا ...... ایسے میں ایک نوری پاس نہ ہوتی تو میں مارے غم کے ادھ موا ہو چکا ہوتا۔

اس دوران مجھے یہ بھی پتا چلا تھا کہ انتقال سے کچھ روز قبل انہیں سینے میں تکلیف ہوئی تھی اور وہ شہر میں کسی اچھے معالج سے معائنہ کرانا چاہتے تھے مگر جانے کیوں خود ہی زخم، خود ہی مرہم کی تفسیر بنے وقت گزارتے رہے۔

ایک دن میں نے محسوس کیا کہ جاڑو خان کچھ الجھا الجھا سا رہنے لگا تھا...... ایسا لگتا تھا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہو مگر کہہ نہیں پا رہا ہو بالآخر اس نے مجھ سے انتہائی پرخیال لہجے میں کہا۔

''سائیں......! میں کسی سازش کی بو سونگھ رہا ہوں۔''

اس وقت ہم دونوں تنہا مکان کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں براجمان تھے۔ اوپر والی اس منزل میں چار کمرے تھے...... تین کمرے میرے اور نوری کے استعمال میں تھے جبکہ ایک کمرے میں جاڑو خان کا چند دنوں سے قیام تھا...... وہ اب میرا سرکاری منشی ہونے کے ساتھ ساتھ خاص گھریلو خدمت گاروں کی حیثیت اختیار کر گیا تھا، گو یسے وہ ہمارے بعض خاندانی معاملات میں بھی ایک خاص اور گہری نظر رکھتا تھا۔

جب میں نے سازش والی بات سنی تو چونکے بغیر نہ رہ سکا تھا اور پوچھا۔ ''کیا مطلب......؟ جاڑو خان ذرا کھل کر کہو۔''

''سائیں مٹھا......! اگر آپ دل میں کچھ خیال نہ کریں تو ذرا گوٹھ جا کر حویلی کا ایک چکر لگا آؤں۔'' اس نے مدھم لہجے میں کہا اور میں اس کی بات سن کر ٹھٹک سا گیا، یہ درست تھا کہ میں اس کی بات ہنوز نہیں سمجھ سکا تھا لیکن میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو جاڑو خان......! تم نے جو کہنا ہے، صاف کہو...... میں جانتا ہوں تم میرے پرانے خیرخواہ اور جانثار ساتھی ہو۔''

میری بات سن کر وہ اس بار ذرا کھل کر بولا۔ ''سائیں مٹھا......! میرا مطلب آپ کو اپنے بھائی یار محمد سے لڑانا ہرگز نہیں ہے...... میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اجازت دیں تو میں گوٹھ جا کر زمینوں کی دیکھ بھال کر آؤں...... سائیں مٹھا! آپ میری بات کا مطلب سمجھ رہے ہو نا......؟''

میں نے بغور اس کی بات سنی اور اس کی گفتگو کا اصل مطلب فوراً میری سمجھ

میں آ گیا اور تب میں نے فوراً کہا۔ ''ہاں......! یہ تم نے ٹھیک کہا...... تم ایسا کرو کل صبح ہی گوٹھ نکل جاؤ۔'' میں نے کہا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا...... اس نے جس انداز میں اپنی بات کا مطلب سمجھایا تھا، وہ میں اچھی طرح سمجھ گیا تھا لہٰذا وہ اگلے دن علی الصباح گوٹھ روانہ ہو گیا اور پھر رات میں اس کی واپسی ہوئی تو اس کا چہرہ غیر معمولی طور پر جوش سے تمتما رہا تھا۔ ''سائیں مٹھا......! وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔'' اس نے تشویشناک انداز میں کہا تو میں چونک کر بولا۔ ''کیا ہوا......؟''

''سائیں......! یار محمد نے آپ کے ساتھ بددیانتی کی ہے...... اس نے جانے کس طرح ساری زمینیں اپنے نام کروا لی ہیں اور...... اور اس نے مجھے بڑی سختی کے ساتھ ڈانٹا بلکہ دھمکایا ہے کہ میں اپنی زبان بند رکھوں اور دوبارہ یہاں کا رخ نہ کروں۔''

یہ سن کر میرے رگ و پے میں خون کی گردش تیز ہونے لگی...... مجھے احساس ہونے لگا کہ یار محمد نے کس خوبصورتی سے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا، وہ اچھی طرح یہ بات جانتا تھا کہ میں اب کبھی گوٹھ کا رخ نہیں کر سکتا لہٰذا اس نے غیر قانونی ہتھکنڈے استعمال کر کے زمینوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا...... بھائی کی اس اوچھی حرکت سے مجھے دکھ ہوا تھا اور میرے دل میں نفرت کے جذبات بھی ابھرنے لگے لہٰذا میں نے اسی دن ایک مختارنامہ تحریر کروایا اور جاڑو خان کو اپنی زمینوں کا منشی بنا کر یار محمد کو تحریری پیغام بھیجا کہ وہ فوراً مجھ سے آ کر ملاقات کرے اور زمینوں کے معاملات کے بارے میں منشی جاڑو خان کے ذریعے تفصیل روانہ کرے۔

جاڑو خان کو دوبارہ گوٹھ روانہ کرنے سے پہلے میں نے اسے تاکید کی کہ وہ حویلی جانے سے پہلے سوڈھل سے رابطہ کرے اور یار محمد سے بھڑنے کی کوشش نہ کرے۔ اسے گوٹھ روانہ کرنے کے بعد میں کافی دیر تک غصے سے بل کھاتا رہا...... مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس گھناؤنی سازش میں بھی میرے سوتیلے ماموں صوبو خان کا ہاتھ تھا...... بے چاری نوری بھی اس اچانک صورت حال کی وجہ سے گھبرا گئی تھی۔

میں ایک بار یار محمد سے ملنا چاہتا تھا اور اسے سمجھانے کی کوشش کرنا چاہتا تھا

بصورت دیگر میں نے اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا فیصلہ کر لیا تھا...... ماں کو میں نے ابھی اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا تھا مگر میں جانتا تھا کہ زیادہ دیر اس سے یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔

اس بار جاڑو خان لوٹا تو اس کے ہمراہ سوڈھل بھی تھا۔

''سائیں......! یار محمد نے آپ سے ملنے سے انکار کر دیا ہے نیز اس نے آپ کا تحریری پیغام بھی پھاڑ ڈالا ہے اور سختی کے ساتھ مجھے کہا ہے کہ فیض محمد کو بتا دینا ہمارا اب اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' یہ بات جاڑو خان نے مجھ سے کہی تھی۔

پھر میں نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر یار محمد کے خلاف کیس دائر کرنے کی ٹھانی اور اس سلسلے میں پہلے مختار کار آفس سے ایک تپیدار کی خدمات حاصل کیں اور پھر ایک قابل وکیل کے ذریعے یار محمد کو نوٹس بھجوا دیا جس کا فوری نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ دو تین پیشیوں کے بعد ہی یار محمد کا دماغ درست ہو گیا اور وہ اپنی ماں اور ماموں صوبو خان سمیت ہمارے گھر آ گیا اور مجھ سے منت ساجت کرتے ہوئے کیس واپس لینے کی استدعا کی۔

صوبو خان بڑی مکاری کے ساتھ اس ڈرامے کا ایک سازشی کردار بنا ہوا تھا لیکن میں نے اس کی ایک نہ سنی...... میری چھوٹی آمڑ (ماں) یعنی یار محمد کی ماں ہمارے گھر آئی ضرور تھی لیکن اس نے اپنے بیٹے کے لئے تم سے کسی قسم کی سفارش نہ کی...... وہ غالباً اپنے لاڈلے بیٹے کے کرتوتوں سے خوب واقف تھی۔

یار محمد مجھ سے مایوس ہونے کے بعد میری اماں جانی کے پیروں پہ گر گیا۔

''آمڑ......! تو ہی مجھے معاف کر دے...... میں نے اگر تیری کوکھ سے جنم نہیں لیا لیکن ہوں تو آخر تیرے ہی سر کے سائیں کا بیٹا......بس تو مجھے بابا سائیں کی خاطر معاف کر دے اور آپڑیں فیض کو میرے خلاف کیس واپس لینے کے لئے کہہ دے۔''

میری ماں بے چاری ایک سیدھی سادی عورت تھی، اس کا دل پسیج گیا اور انہوں نے مجھ سے ملائمت بھرے لہجے میں کہا۔ ''پٹ فیض محمد......! آپڑیں بھراں نوں معاف کر دے...... میں نے بھی اسے معاف کر دیا ہے۔''

میں ماں کی بات کو ٹالنے کی جرأت نہ کر سکا...... میں نے یار محمد سے کہا کہ وہ

مجھے تحریری طور پر معافی نامہ لکھ کر دے تب ہی میں عدالت سے اس کے خلاف کیس واپس لوں گا۔ ایسے میں شاطر ماموں صوبو خان نے بناوٹی شفقت سے کہا۔ ''پٹ فیض محمد......! یار محمد کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے دکیا یہ کافی نہیں...... بھلا اب تحریری معافی نامے کی کیا ضرورت ہے۔''

''ہرگز نہیں......'' میں سرد لہجے میں بولا۔ ''میں یہ جانتا ہوں اچھی طرح ماما سائیں کہ اسے کس نے پٹی پڑھائی تھی۔'' میں نے صوبو خان کو گھورتے ہوئے کہا تو ایک ثانیے کے لئے اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا اسے اچھی طرح اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ میں اس ''سازش'' کے پیچھے چھپے ہوئے ''کردار'' کو پہچان چکا تھا...... انہوں نے مجھے ایک بار پھر منانے کی کوشش کی مگر میں اپنی جگہ پر ڈٹا رہا تب میری سیدھی سادی ماں نے یار محمد سے کہا۔ ''پٹ! اگر تیری نیت صاف ہے تو تو لکھ کیوں نہیں دیتا معافی نامہ...... مجھے یقین ہے کہ پٹ فیض تجھے معاف کر دے گا۔''

بالآخر یار محمد تحریری معافی نامہ لکھنے پر تیار ہو گیا، اب اس کی ساری اکڑفوں ختم ہو چکی تھی لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ اب کچھ اکھڑا اکھڑا سا ہو گیا تھا لیکن مجھے اس کی چنداں پروانہ تھی...... میں نے یار محمد کا تحریری معافی نامہ عدالت میں جمع کروا کر اس کے خلاف کیس خارج کروا دیا لیکن منشی جاڑو خان کو بدستور منشی رکھا اور اس کی مستقل رہائش کا بندوبست گوٹھ کی حویلی میں کروایا...... وہ یہ کام اب جز وقتی کیا کرتا تھا...... ادھر میری چھٹیاں بھی ختم ہونے کو تھیں پھر اس کے بعد میں نے ایک دوسری جگہ پر ڈیوٹی جوائن کر لی۔ یہ جگہ شہر کے مضافات میں تھی اور زیادہ دور بھی نہ تھی...... میں صبح جاتا اور شام تک واپس گھر آ جاتا تھا...... جاڑو خان بھی میرے ساتھ ہی ہوتا تھاس...... اسے میں کبھی کبھار زمینوں کے حساب کتاب کے لئے گوٹھ بھیج دیا کرتا تھا۔

ایک روز بڑی عجیب بات ہوئی......اس دن میں نے جاڑو خان کو گوٹھ روانہ کیا تو وہ واپس نہ لوٹا جب دو تین دن گزر گئے تو مجھے اس کی طرف سے تشویش ہونے لگی کیونکہ اس سے پہلے وہ کبھی اتنے روز بغیر بتائے گوٹھ میں نہیں رکا تھا بلکہ وہ

تو اگلے روز ہی لوٹ آتا تھا اور سیدھا ڈیوٹی پر حاضر ہو جاتا تھا...... جاڑو خان میرا ملازم ہی نہیں بلکہ ایک سچا ساتھی اور غمخوار تھا...... میں اس کی طرف سے شدید بے چینی و پریشانی کا شکار ہو گیا تھا لہٰذا میں نے ایک روز گوٹھ جانے کا پروگرام بنایا تو حسب توقع نوری میرے پاؤں کی زنجیر بن گئی۔ ''نا سائیں......! آپ کا گوٹھ جانا ٹھیک نہیں ہے۔''

میں نے اسے سمجھایا۔ ''نوری......! اللہ بہتر کرے گا...... میرا گوٹھ جانا ضروری ہے...... پتہ نہیں بے چارہ جاڑو خان کس مصیبت میں پھنس گیا، اس کی خیر خبر لینا میرا فرض بنتا ہے۔''

''لیکن سائیں......! آپ یہاں سے کسی چاکر (ملازم) کو گوٹھ بھیج کر جاڑو خان کی خیر خیریت معلوم کر سکتے ہیں۔'' نوری نے کہا تو میں ایک گہری سانس لے کر چپ ہو رہا...... اس کی بات مجھے معقول محسوس ہوئی تھی۔

میں نے سوچا کہ ہو سکتا ہے یہ بھی یار محمد اور صوبو خان کی ایک سازش ہو یعنی وہ دونوں شاطر مجھے کسی بہانے گوٹھ آنے پر مجبور کر کے اپنا کوئی مذموم مقصد حاصل کرنا چاہتے ہوں۔

پہلے میں نے اپنے ایک ملازم کو گوٹھ بھیجا اور اسے جاڑو خان کی خیریت کی اطلاع فوراً مجھ تک پہنچانے کی تاکید کی۔ وہ مذکورہ ملازم اسی دن روانہ ہو گیا...... یہ میرا قابل اعتماد آدمی تھا...... وہ اسی دن ہی شام گئے لوٹا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ وہ بولا۔ ''سس...... سائیں......! جاڑو خان تو وہاں نہیں ہے۔''

''کیا مطلب......؟ تمہیں کس طرح معلوم ہوا...... یار محمد سے ملے تم......''
میں نے پریشان ہو کر پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہاؤ سائیں......! چھوٹے سائیں یار محمد نے ہی تو مجھے بتایا تھا کہ منشی جاڑو خان جس دن شہر سے آیا تھا، اس کے اگلے دن صبح سویرے واپس شہر لوٹ گیا تھا۔''

''ہوں......'' میں نے اس کی بات بغور سن کر ایک ہنکاری بھری...... جاڑو خان کی پراسرار گمشدگی کو آج پورے چار روز ہو چکے تھے...... آخر جاڑو خان کہاں

چلا گیا تھا...... حویلی سے اسے سیدھا شہر میں لوٹنا تھا...... ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ مجھے بتائے بغیر کہیں اور چلا جاتا...... ضرور اس کے ساتھ کچھ ہوا تھا...... جاڑو خان کو اچھی طرح اندازہ تھا اس بات کا کہ میں اس کی واپسی کا کس قدر بے چینی کے ساتھ منتظر رہتا تھا...... کہیں وہ بے چارہ کسی مصیبت یا حادثے کا شکار نہ ہو گیا ہو...... میرا خیال بدطینت یار محمد اور صوبو خان کی طرف چلا گیا...... مجھے یقین تا جاڑو خان کی پراسرار گمشدگی میں ان کا ہی ہاتھ تھا...... اس پریقین خدشے کے ذہن میں آتے ہی میں ایک دم پریشان ہو گیا اور تب مجھے احساب ہونے لگا کہ میں نے جاڑو خان کو کس قدر خطرناک امور میں مصروف کار رہا تھا...... وہ جن حالات میں میری زمینوں کا کام سنبھالے ہوئے تھا، وہ کسی بھی وقت اس کے لئے مصیبت کا باعث بن سکتے تھے، اب وہی ہو چکا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا سے جاڑو خان کی خیریت اور سلامتی کی دعا مانگی اور اگلے ہی دن گوٹھ روانہ ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

حسب توقع ماں اور نوعی نے مجھے گوٹھ جانے سے روکنا چاہا مگر میں نہیں مانتا...... میری اس وقت ذہنی کیفیت ہی دگرگوں ہو رہی تھی...... اپنے آپ کو انتہائی خودغرض تصور کرنے لگا تھا خود کو بچانے کے لئے میں نے جاڑو خان کو آگے کر دیا تھا، یہ احساس اب مجھے کچوکے لگا رہا تھا کہ میں نے دیدہ و دانستہ جاڑو خان کو ان خطرناک حالات میں گوٹھ روانہ کر دیا کرتا تھا لہٰذا میں نے کسی کی بھی نہ سنی اور تیاری کرنے لگا پھر جب میں گھر سے نکلنے لگا تو نوری پریشان چہرہ لئے میرے آگے کھڑی ہو گئی اور دلگیر لہجے میں بولی۔ ''سائیں......! رب سائیں نہ کرے...... اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو میں...... میں......'' وہ اپنا جملہ پورا نہ کر سکی اور سسکیاں بھر کر رونے لگی...... میں نے اسے بازوؤں سے تھاما اور پراعتماد لہجے میں اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولا۔ ''نوری......! اللہ سائیں خیر کرے گا...... کچھ نہیں ہو گا مجھے لیکن نوری یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جاڑو خان میرا ایک سچا غمخوار ہے، زگر خدانخواستہ وہ کسی مصیبت کا شکار ہو گیا...... اگر اسے کچھ ہو گیا تو یہ خلش ساری عمر مجھے چین نہیں لینے دے گی...... نوری کیا تم مجھے تاعمر ایک ضمیر کے قیدی کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہو......؟'' اتنا کہہ کر میں نے اپنی نظریں اس کے غمناک چہرے پر مرکوز کر دیں۔

ایک لمحہ نوری نے بھی اپنی پلکوں کی سرمگیں چلمنیں اٹھا کر میری طرف دیکھا اور خاموشی سے نظریں دوبارہ جھکا لیں ...... میں اس بات کو رضامندی پر محمول کرتے ہوئے گوٹھ روانہ ہو گیا...... میرے ہمراہ ایک چاکر بھی تھا۔

گوٹھ جاتے سمے اگرچہ مجھے سردار موریو خان کے آدمیوں کی طرف سے خطرہ تھا کہ مجھے وہاں دیکھ کر کہیں سویا ہوا پرانا تنازع نہ جاگ اٹھے لیکن میں جاڑو خان کو بھی ہر صورت میں تلاش کرنا چاہتا تھا...... پھر گھنٹہ بھر سفر کے بعد میں گوٹھ کی حدود میں داخل ہو چکا تھا...... اس بار میں اپنی سرکاری جیپ میں نہیں آیا تھا بلکہ میری اپنی چھوٹی گاڑی تھی ...... میں نے گاڑی سیدھی اپنی حویلی کے سامنے روکی ......صبح کے دس بجے کا وقت تھا اور موسم بہار کی خوشگوار ہوا چل رہی تھی...... سردی کا موسم اب کوچ کر چکا تھا...... میں گاڑی سے اتر کر حویلی کے اندر داخل ہوا...... چھوٹی اماں مجھے اچانک وہاں دیکھ کر پہلے حیران اور پھر پریشان سی نظر آنے لگی...... میں نے انہیں سلام کرتے ہوئے روایتی انداز میں سر پر ہاتھ دھرا پھر معتدل لہجے میں یار محمد کا پوچھا...... وہ اپنے کمرے میں موجود تھا...... میں سیدھا اس کے کمرے میں جا پہنچا...... میرے پیچھے پیچھے حیران پریشان چھوٹی اماں بھی آ گئی۔

یار محمد اس وقت کہیں باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا...... مجھے دیکھ کر وہ یوں چونکا جیسے اسے سانپ نے ڈس لیا ہو۔ ''تت تم ...... ادا سائیں خیر تو ہے اچانک ...... نہ کوئی اطلاع ......؟'' وہ بے ربط سے انداز میں بولا۔

''ہاں ......! کچھ ایسا ہی ضروری کام تھا۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا پھر اس کے چہرے پر اپنی نظریں مرکوز کرتے ہوئے بولا۔ ''جاڑو خان کہاں ہے......؟''

اسے شاید مجھ سے اسی سوال کی توقع تھی۔ وہ بولا۔ ''وہ تو کب کا شہر جا چکا ہے...... خیر و بھی یہاں آیا تھا اسے ڈھونڈنے ...... میں نے اسے بھی یہی بتایا تھا۔''

''یار محمد......! جاڑو خان ابھی تک شہر نہیں پہنچا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ادھر ہی ہے۔'' اس بار میرے لہجے میں قدرے سرد مزاجی عود کر آئی تو یار محمد نے بھی خاصی درشتی سے کہا۔ ''اگر وہ ادھر ہے تو تم خود ہی اسے تلاش کر لو...... وہ کوئی

بچہ نہیں تھا جو گم ہو گیا ہو۔''

''اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ وہ ادھر ہی کہیں موجود ہے کیونکہ بچے گم ہوتے ہیں اور بڑے ''بچوں'' کو گم کر دیا جاتا ہے۔'' میں نے اسے گھورتے ہوئے ترکی بہ ترکی جواب دیا تو وہ تلملاتے ہوئے بولا۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا ...... کیا میں نے اسے گم کیا ہے؟''

''ہاں......'' میں نے بے خوفی سے کہا تو اچانک یار محمد کا چہرہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور وہ آنکھوں میں معاندانہ چمک لئے میری طرف گھورنے لگا جیسے مجھے کچا چبا جانا چاہتا ہو۔

صورت حال کی سنگینی کو بھانپتے ہوئے چھوٹی آمڑ (ماں) ہم دونوں بھائیوں کے درمیان آ گئی اور بولی۔ ''تم دونوں ذرا ماٹھ کرو...... ٹھنڈے دل سے سوچو اور آپس میں لڑنے سے بہتر ہے کہ جاڑو خان کو مل کر تلاش کرو۔'' چھوٹی اماں کے درمیان میں آنے سے میں نے حتی المقدور اپنا لہجہ معتدل رکھنے کی کوشش کی اور تہدیدی انداز میں بولا۔ ''یار محمد......! یہ مت سمجھنا کہ مجھ پر گوٹھ آنے کی پابندی ہے تو تم اپنی من مانیاں کرتے رہو گے ...... تمہیں ایک بار میں اس خوش گمانی کا مزہ چکھا چکا ہوں ...... بار بار معاف صرف اللہ کرتا ہے ...... میں نہیں کروں گا ...... میں ابھی ادھر ہی ہوں ...... شام تک مجھے جاڑو خان مل جانا چاہئے۔'' اتنا کہہ کر میں وہاں سے غصے سے بل کھاتے ہوئے اپنے چاکر سمیت گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا اور گاڑی آگے بڑھا دی میں نہیں جانتا تھا کہ میری بات کا یار محمد پر کیا ردعمل ہوا تھا مگر مجھے اب کافی امید ہو چکی تھی کہ وہ جاڑو خان کے سلسلے میں کوئی نہ کوئی سراغ دینے کی سعی کرے گا۔ میرا ارادہ اب سوڈھل کے گوٹھ کی طرف جانے کا تھا جب میں وہاں پہنچا تو وہ مجھے دیکھ کر پہلے حیران اور پھر خوشی سے کھل اٹھا...... سچی خوشیوں کی پرچھائیاں اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھیں۔ میں نے دوپہر کا کھانا سوڈھل کے ساتھ اس کی اوطاق میں کھایا، اس کے بعد سر جوڑ کر بیٹھ گئے ...... جاڑو خان کی اچانک گمشدگی پر وہ بھی متفکر اور پریشان ہو گیا تھا پھر اس کے بعد جب میں نے واپس حویلی جانے کا قصد کیا تو سوڈھل بھی میرے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا

......اسے بھی میری طرح یار محمد اور صوبو خان پر شک تھا۔

شام اطراف کے جنگل اور کھیتوں میں اتر آئی تھی ...... ہماری گاڑی ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈی نما کچے راستے پر درمیانی رفتار سے دوڑی چلی جا رہی تھی۔ گوٹھ کی آبادی ابھی ذرا دور تھی کہ معاً فضا فائرنگ کی خوفناک تڑتڑاہٹ سے گونجی اور ساتھ ہی ٹائر برسٹ ہونے کی دھماکے دار آواز بھی آئی نتیجتاً گاڑی ایک سائیڈ کو جھکتی چلی گئی ...... میرا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا کیونکہ گاڑی یکدم غیر متوازن ہو گئی تھی اور سامنے کیکر کے درخت کی طرف اس کا رخ ہو گیا تھا ...... میں نے یکدم بریک پر پاؤں رکھ دیا اور گاڑی عین تنے کے قریب پہنچ کر بغیر کسی تصادم کے رک گئی لیکن ابھی ہم سنبھل بھی نہیں پائے تھے کہ معاً ایک بار پھر فضا میں خوفناک فائرنگ کی آواز گونجی ...... اگر ہم تینوں پھرتی کے ساتھ نیچے جھک نہ گئے ہوتے تو نا معلوم سمت سے آنے والی گولیاں گاڑی کے شیشے چکنا چور کرتی ہوئی یقیناً ہماری کھوپڑیوں میں پیوست ہو جاتیں۔ سمع خراش چھناکوں سے گاڑی کی کھڑکیوں کے شیشوں کی کرچیاں ہمارے چہروں پر پڑیں جنہوں نے ہمارے چہروں پر خراشیں سی ڈال دیں۔

میرے پاس ریوالور موجود تھا ...... سوڈھل کے پاس بھی ڈبل بیرل بندوق کے علاوہ پستول بھی موجود تھا جبکہ میرا ملازم خیرو نہتا تھا ...... فائرنگ ایک تواتر کے ساتھ جاری تھی ...... خون میری کنپٹیوں پہ گردش کرنے لگا تھا ...... میں نے حواس بحال رکھتے ہوئے فائرنگ کی سمت کا اندازہ لگایا اور پھر چلایا۔ ''ڈرائیونگ سیٹ والے دروازے سے نیچے اتر جاؤ۔'' پھر میں جھکے جھکے اپنی سمت کا دروازہ کھول کر باہر کود گیا۔

فائرنگ گاڑی کی دوسری طرف سے ہو رہی تھی جس میں اب وقفہ آ گیا تھا پھر میرے نیچے اترتے ہی خیرو اور سوڈھل بھی بجلی کی سی سرعت کے ساتھ باہر کود گئے ...... یہاں نہنگ کے چوڑے تنوں والے درختوں اور قد آدم جھاڑیوں کی بہتات تھی۔

فائرنگ پھر شروع ہو گئی ...... سوڈھل نے بھی جوابی فائرنگ کرنی چاہی مگر میں

نے اسے کسی مقصد کے تحت روکے رکھا ...... میرے ذہن میں اچانک ہی خیال آیا تھا کہ جوابی فائرنگ نہ کرنے کی وجہ سے ہمارے دشمن اپنی کمین گاہ سے ضرور برآمد ہوں گے اور پھر ایسا ہی ہوا کیونکہ اگلے ہی لمحے میری نظروں نے سامنے کھیتوں سے کچھ ڈھاٹا پوش مسلح افراد کو آتے دیکھا ...... وہ تعداد میں پانچ تھے ...... میں ان افراد کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا ...... وہ اب بڑی ہوشیاری کے ساتھ ہماری سمت بڑھ رہے تھے۔

ہماری خاموش حکمت عملی نے انہیں اپنی جگہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ اب اس خوش گمانی میں مبتلا تھے کہ ہمارے پاس کوئی آتشیں ہتھیار نہیں اور تب میں نے اپنا ریوالور نکال کر ان کا نشانہ لیا پھر بندوق تانے ہوئے سوڈھل سے فائرنگ کھولنے کا کہتے ہی میں نے اپنے ریوالور کا ٹریگر دبا دیا ...... سناٹے دار فضا میں کئی دھماکے ہوئے اور ان پانچوں میں سے تین افراد گر کر تڑپنے لگے باقی دو نے خود کو کھیتوں کی منڈیر پر گرا دیا تھا اور ساتھ ہی ہم پر بے دریغ فائرنگ کر ڈالی۔

فائرنگ ہماری طرف سے بھی جاری تھی ...... ٹھیک اسی لمحے ایک دلدوز واقعہ ظہور پذیر ہوا، دشمنوں کی ایک گولی نے سوڈھل کو چاٹ لیا ...... گولی اس کے سر میں لگی تھی جس نے اس کا بھیجہ اڑا کر رکھ دیا۔

سوڈھل کے حلق سے بڑی کرب انگیز چیخ برآمد ہوئی، وہ درد انگیز موت سے ہمکنار ہو چکا تھا ...... اس کی موت نے مجھے پاگل کر کے رکھ دیا، مجھ پر جنون سوار ہو گیا۔

پھر اگلے ہی لمحے سانپ کی طرح زمین پر رینگتا ہوا میں اپنی گاڑی کی آڑ میں آ گیا اور گاڑی کے بمپر سے ذرا سر ابھار کر ان دونوں میں سے ایک کا نشانہ لے کر گولی داغ دی ...... اپنی بے چین ساعتوں میں دشمن کی آخری چیخ گویا آب حیات انڈیل گئی اور تب میں نے پھر ذرا سا سر ابھار کر سامنے نگاہ ڈالی تو اپنے آخری دشمن کو واپس دیوانہ وار سرپٹ دوڑتے پایا ...... میں غم و غصے سے دیوانہ ہو کر اس کے عقب میں دوڑا اور ساتھ ہی فائر بھی کر ڈالا ...... گولی شاید دشمن کی ٹانگ میں لگی تھی کیونکہ وہ زمین پر گرتے ہی گھسٹنے لگا تھا۔

میں فوراً دوڑتا ہوا اس کے پر پہنچ چکا تھا...... اس نے لیٹے لیٹے اچانک اپنا رخ بدلا اور چاہتا تھا کہ مجھ پر پستول کا فائر کرے، میں نے اس کے پستول والے ہاتھ پر گولی چلا دی...... اس کے حلق سے چیخ برآمد ہوئی اور پستول ہاتھ سے نکل گیا...... ڈھاٹا اب اس کے چہرے سے ہٹ چکا تھا...... وہ یار محمد تھا...... اس کی آنکھوں سے وحشت اور چہرے پر موت کی زردی نمودار ہوگئی تھی...... اسے پہچانتے ہی خون میری رگوں میں لاوے کی مانند کھولنے لگا...... میں نے ریوالور پھینک کر اس پر چھلانگ لگا دی اور اس کی گردن دبوچنے لگا۔ ''بول کمینے جاڑو خان کدھر ہے...... تو نے میرا ایک ہیرے جیسا سار مار دیا...... میں اب تجھے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا...... بول...... ورنہ......'' یہ کہتے ہوئے میں اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے سے اس کا ٹینٹوا دبانے لگا...... میرے سر پر خون سوار تھا...... اس کے حلق سے خرخراہٹ برآمد ہو رہی تھی...... میں نے اپنے انگوٹھوں کا دباؤ ذرا کم کیا تو میرے لہجے کی خونخواری سے وحشت زدہ ہوتے ہوئے یار محمد کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز برآمد ہوئی۔ ''بب...... بتاتا ہوں...... بتاتا ہوں...... آہ......''

''بول کہاں ہے جاڑو خان......؟'' میں نے اس کا گریبان جھنجھوڑ ڈالا تو اس نے مجھے بتایا کہ جاڑو خان حویلی کے ایک تہہ خانے میں قید ہے۔ میں نے اسے ساتھ لیا اسی اثناء میں آس پاس کے گوٹھ کے لوگوں کا بھی ہجوم لگ گیا تھا...... پولیس ہنوز نہیں پہنچی تھی...... کچھ لوگوں نے ہمیں پہچان بھی لیا تھا پھر جب ہم حویلی پہنچے تو جیسے کہرام مچ گیا بعد میں مجھے پتہ چلا کہ یار محمد کا دوسرا ساتھی جو کھیت کی منڈیر پر میری گولی کا نشانہ بنا تھا، وہ صوبو خان تھا۔

میری چھوٹی ماں اپنا سینہ پیٹتے پیٹتے بے ہوش ہو کر گر پڑی...... اس اثناء میں پولیس بھی وہاں آن پہنچی تھی...... جاڑو خان کو بھی حویلی کے تہہ خانے سے برآمد کر لیا گیا تھا...... اس کی حالت دیکھ کر میں لرز اٹھا...... وہ انتہائی نڈھال اور نحیف ہو رہا تھا۔

اسے یار محمد اور صوبو خان نے ہی بھوکا پیاسا قید کر رکھا تھا...... ان کی چال یہی تھی کہ جاڑو خان کو غائب کر کے وہ مجھے گوٹھ آنے پر مجبور کرنا چاہتے تھے تاکہ

میرا بھی قصہ پاک کر سکیں۔

مجھے بھی گرفتار کر لیا گیا تھا اور جاڑو خان کو طبی امداد کے لئے شہر روانہ کر دیا گیا تھا پھر میں چھ ماہ پولیس کی تحویل میں رہا...... ایسے میں میجر احسان ملک ایک بار پھر میرے نجات دہندہ ثابت ہوئے اور بالآخر ان کی پیہم کوششیں اثر لائیں اور میں باعزت بری ہو گیا جبکہ یار محمد کو عمر قید کی سزا سنا دی گئی...... جاڑو خان اب روبہ صحت تھا تاہم میری طرح اسے بھی سوڈھل کی موت کا بہت دکھ تھا۔

ان اندوہناک اور پرآشوب واقعات کو اب کئی سال بیت چکے ہیں...... میں اب تین بچوں کا باپ بن چکا ہوں...... اپنے گوٹھ کا میں کبھی کبھار چکر لگا لیتا ہوں...... یوں میرا اب مستقل ٹھکانہ شہر ہی ہے۔

گزرے ہوئے واقعات یاد کر کے آج بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں...... اب سب کچھ بدل چکا ہے...... اگر بدلا نہیں ہے تو میرا اور نوری کا پیار......

﴿ختم شد﴾